بسم الله الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد و آل محمد وعجل فرجھم

زَم زَم عِرفان

مترجم:
سیّد افتخار حسین نقوی نجفی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان

پیشکش: منتہائے نور مرکز تحقیقات، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

تعارف کتاب

نام کتاب:	زم زمِ عرفان
تالیف:	علامہ سیّد افتخار حسین نقوی نجفی
نظرثانی:	ڈاکٹر محسن رضا ہاشمی
کمپوزنگ اینڈ فارمیٹنگ:	شاہد علی جعفری
بااہتمام:	منتہائے نور مرکزِ تحقیقات، اسلام آباد
ناشر:	
سرورق:	
اشاعت:	اوّل
سال:	2019ء
تعداد:	1000
پرنٹر:	
ملنے کا پتہ:	دانیال پلازہ، چٹھہ بختاور، پارک روڈ اسلام آباد
	فون نمبر: +92-333-1910220

فہرست

ابتدائیہ 30
چند اہم نکات 32
۱۔ شخصیات کی تعریف وستائش میں اعتدال 32
غیر معصوم کے کلام میں خطا کا احتمال 34
کسی شخص کی عظمت اس کے اشتباہ کرنے میں مانع نہیں ہوتی 34
۲۔ زندہ شخصیات کی جلالت وعظمت 35
۳۔ یادداشتوں میں شخصیات کے القاب کا حذف کر دینا 36
۴۔ امام خمینی کی جانب سے ایک تعمیری نکتہ 38
آیت اللہ بہجت کا مختصر زندگی نامہ 41
باب اول 45
فصل اول: قرآن 45
۱۔ قرآن حفظ کرنے کے بارے میں تاکید 45
۲۔ حفظ قرآن کے مراتب 46
قرآن فہمی کے مراتب 48
(الف) قبور کی تعمیر پر قرآن مجید سے استدلال 49
ب: امام علیؑ کے پاؤں سے تیر نکالنے کا واقعہ 49
۴۔ قرآن کی زندگی کا احساس 50
قرآن کے زندہ ہونے کے احساس کی چابی 51
۵۔ حفظ قرآن اور اس پر عمل 52
۶۔ حفظ قرآن اور ذکر میں مداومت 54
۷۔ حفظ قرآن میں دوام کے لئے رہنمائی 54
۸۔ تلاوت کے وقت خشوع اور تدبر 56

۹۔ قرآن کی کرامات 57
۱۱۔ قرآن کی تفسیر اس بنیاد پر کہ ایک لفظ کو کئی معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے 61
۱۲۔آیت الکرسی سے مراد 61
۱۳۔ خوش خط اور اغلاط سے محفوظ قرآن 64
۱۴۔ قرآن کی سورتوں کے ساتھ مکی اور مدنی لکھنا 64
فصل دوم حدیث 66
۱۔ مضمون اور معنی کے معیار پر روایات کا جائزہ لینا 66
قابل توجہ نکتہ 68
۲۔ دعاے عرفہ میں اضافہ جات کی نسبت امام حسینؑ کی طرف دینا 69
دعائے عرفہ کے منابع کا جائزہ 74
۱۔ اقبال الاعمال 74
۲۔ مصباح الزائر 75
۳۔ زوائد الفوائد 75
۴۔ البلد الامین 76
۵۔ بحار الانوار 76
نتیجہ بحث 76
۳۔ صحیفہ سجادیہ کے نسخوں میں تنوع 77
۴۔وقت وفات رسول اکرم ﷺ کی نماز کے متعلق امام بخاری کا متناقض بیان 78
مطلب کی وضاحت 78
۵۔ یونس بن ظبیان کی مدح اور مذمت میں روایات کے درمیان تعارض 79
۶۔ حدیث کے بڑے راویوں کا ثقہ ہونا 80
۷۔ کتابخانہ شیخ طوسی میں "اصول اربعہ مأۃ" کی موجودگی 80
۸۔ سند سمیت چار ہزار احادیث کا حافظ 81
۹۔ بحار الانوار کا حفظ کرنا 81

۱۰۔آیت اللہ محمد یزدی کا نقل روایت کرنے کا اہتمام 82
۱۱۔ تفسیر مجمع البیان کے طرز پر وسائل الشیعہ کی شرح 82
۱۲۔ایک رپورٹ پر تنقید 83
۱۳۔ایک اور بیان پر تبصرہ 84
فصل سوم: فقہ واصول 86
طلاب دینی کیلئے آپ کی ہدایات 87
۱۔ فقہ واصول کی تعلیم میں مداومت 87
۲۔ ایسے فقہا جن کے فتاویٰ شاذ ہیں ان سے متعرض نہ ہوا جائے 88
۳۔ فتویٰ میں عرف شرعی اور ثانوی عناوین کی رعایت 89
۴۔ صاحب جواہر کا چار آدمیوں کو اجتہاد کی اجازت دینا 90
۵۔ حوزہ کی نصابی کتب کی اصلاح 90
فصل چہارم 91
اخلاقی اور عملی میدان کی اہمیت 91
اخلاقی اور عملی میدان میں اہم ترین رہنمائی 91
۱۔گناہ سے اجتناب 91
۲۔ نماز پنجگانہ کی اول وقت میں ادائیگی 94
نماز میں خشوع پیدا کرنے کیلئے لغویات سے اجتناب 95
۴۔ حضور قلب اور اس میں ہمیشگی 95
امام خمینیؒ کے استاد کی حضور قلب کے لئے رہنمائی 96
۵۔ عبادت میں خلوت 97
۶۔ بہشت سے زیادہ لذت بخش 98
۷۔ مادی لذات سے بالاتر 98
۸۔ اسرار نماز کی ایک خوبصورت منظر کشی 98
۹۔ خداوند متعال کی طرف سے ایک شبہ کا عملی جواب 99

۱۰۔ایک ہنر مندانہ عمل 100
۱۱۔امام حسین علیہ السلام کا دیدار 101
۱۲۔ عبودیت میں محبت کا کردار 101
۱۳۔ ریاست واقتدار کا خطرہ 103
۱۴۔ کمال کا اعلیٰ ترین درجہ 104
۱۵۔احتساب کا عمل 106
اپنے احتساب میں سخت رویہ اپنانا 106
خود احتسابی کا فائدہ 107
بوقت موت خود احتسابی 107
ندامت وشرمندگی سے نجات 108
۱۶۔ بدی کے بدلے میں نیکی 108
شیعانِ علیؑ کی خصوصیت 109
۱۷۔ علم و عمل کے نمونے 109
۱۔علامہ حلی 109
۲۔ شیخ مرتضی انصاری 110
۳۔آیت اللہ سید محمد فشارکی 112
۴۔آیت اللہ میرزا محمد تقی شیرازی 112
۵۔آیت اللہ سید محمد حسین اصفہانی نجفی 114
۶۔آیت اللہ شیخ محمد رضا مظفر 114
۷۔آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی 115
۸۔آیت اللہ رضا ہمدانی 117
۱۸۔ تبلیغ میں کامیابی کا راز 117
فصل پنجم 118
فلسفہ وعرفان 118

یقین تک پہنچنے کا راستہ 119
۲۔ معنوی مقامات تک پہنچنے کی چابی 120
۳۔ ذکر خدا میں دوام کا راز 122
ا۔ اپنے فقر مطلق کی طرف توجہ 122
۲۔ ذکر کے دوام کو مشکل خیال نہ کرنا 124
۳۔ ذکر کے الہام کیلئے کوشش کرنا 124
الف۔ ذکر کے آفات سے اجتناب 125
ب۔ اللہ سے سوال (دُعا) 126
۴۔ مراقبت، ذکر کی چمک 127
کامل ترین ذکر کی پاسداری 127
۵۔ معرفت شہودی کے مراتب 130
۶۔ اللہ کے دیدار قلبی کا معنی 132
۷۔ وحدت وجود کا صحیح اور غلط معنی 135
۸۔ وحدت حقیقیہ کے قائلین کا حکم فقہی 136
۹۔ عرفانی مسائل کے بارے میں نکتہ نظر میں اختلاف 137
۱۰۔ ابن عربی کا مذہب اور اس کے مکتب کی پیروی 138
۱۱۔ کتاب اسفار اور شرح منظومہ کے متعلق آیت اللہ بہجت کا نظریہ 139
۱۲۔ مرزا مہدی اصفہانی کے متعلق آغا بہجت کا نکتہ نظر 139
حرف آغاز 140
امام زمانہؑ کا علمی احاطہ 141
رضا خان کے خلاف علماء کی تحریک 142
عراق کی سرزمین پر انگریزوں کے خلاف جہاد 143
شریف مکہ کی اولاد پر نوازشات 143
میرے لئے اعزاز 144

حصہ دوم 145
آیت اللہ بہجت کے فرزند شیخ علی بہجت سے 145
محمد ری شہری کی گفتگو 145
آیت اللہ تقی بہجت کے فرزند شیخ علی بہجت سے 145
کئے گئے چند سوالات 145
باباکے ہمراہ 145
امامِ خمینیؒ کے ساتھ رفاقت 146
کتابوں کے چھاپنے میں رکاوٹ 146
آیت اللہ بہجت کے اساتذہ 148
خواب میں استاد سے تدریس 150
شیخ مرتضیٰ طالقانی کی عمر کے آخری ایام 150
شکم میں بچے کی جنس (بیٹی یا بیٹا ہونے) کے بارے خبر دینا 155
ہاتھ میں درد سے شفا 157
قریب المرگ بیمار کی شفایابی 158
امام عصر (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے جانشین 160
حصہ سوم 164
یادداشتیں 164
یادداشت نمبرا 165
(۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ) 165
۱۔ نماز کا معنوی کمالات کے حصول میں کردار 165
۲۔ نماز میں حضورِ قلب 165
۳۔ آیت اللہ مرزا مہدی اصفہانی اور فلسفہ 165
۴۔ آیت اللہ قاضی کی کرامت 166
۵۔ بیماری کا اختیاری سبب 166

یاداشت نمبر 2 167
حضرت امام علی رضاؑ سے توسل کے ذریعے سے گناہ کے چنگل سے رہائی پانا 167
۲۔ مسجد جمکران کی تعمیر میں غیبی امداد (بی بی معصومہؑ سے توسل) 168
۳۔ داڑھی رکھنے کی وجہ سے اہانت برداشت کرنا 169
۴۔ دُنیادار سیاستدانوں کا انداز 170
۵۔ نصیحت کا ایک جملہ 170
یاداشت نمبر 3 171
ا۔ اغیار کے نفوذ کا خطرہ 171
۲۔ خارجی دشمن مطلق غلامی چاہتا ہے 171
۳۔ سامراج کا سنی شیعہ کے اختلاف میں کردار 172
یاداشت 4 172
موت کے وقت خود احتسابی 172
۲۔ فَرج کے لئے دعا 173
۳۔ اہل معنویت کی رازداری 173
یاداشت 5 174
خارجیوں کے نفوذ کے خطرے کے بارے میں تاکید 174
۲۔ مرحوم اصفہانی کا طولانی سجدہ 174
۳۔ ایسے کاموں کو خلوت کے لئے چھوڑ دو 174
یاداشت 6 175
مُلا فتح علی سلطان آبادی کی ایک کرامت 175
۲۔ حضورِ قلب 175
۳۔ وسوسے کا علاج 176
۴۔ قرآن کا ہمراہ ہونا 176
یاداشت 7 177

دل کے سکون کا موثر ترین راستہ 177
۲۔امام خمینیؒ کے درس اخلاق کے معطل ہونے کی وجہ 177
۳۔حرم رضوی میں بم پھٹنے کا واقعہ 177
یاداشت 8 178
رجب علی خیاط کے بارے سوال 178
۲۔ صبح و شام میں ایک دعا کی وصیت 178
۳۔سب سے بڑی وصیت 180
۴۔خدااوانسان کے درمیان مسئولیت کا تعلق 180
۵۔سرمایہ نجات۔(ایک بال برابر اہل البیت علیہم السلام سے محبت کا اثر) 180
یاداشت 9 181
حج و عمرہ کی قبولیت 181
۲۔احوال پرسی پر جواب 181
۳۔ نماز میں حضور قلب 181
۴۔استخارہ کا معتبر ہونا 181
۵۔امام زمانہ (عج) کا نام لیتے وقت کھڑے ہونا 182
یاداشت10 183
آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی کی رضاشاہ سے علماء کی حمایت کیلئے گفتگو 183
۲۔ ضرر اور خطرہ سے بچنے کیلئے اجتہاد کی سند دینا 183
۳۔ فضل اللہ نوری کا اپنی اور آیت اللہ بہبہانی کی شہادت کے بارے میں پیش گوئی کرنا 184
۴۔ عظیم امور پر توجہ 184
۵۔خود کو ہر لحہ اللہ تعالیٰ کا محتاج جانو 184
۶۔ مشروطیت کی تائید میں آخوند خراسانی سے تائید لینے کی کیفیت 185
۷۔اخوند خراسانی کا حسن ظن 185
یاداشت 11 186

معنوی مقامات تک پہنچنے کی چابی 186
۲۔ شہود کے احساس تک پہنچنے کا راستہ 186
۳۔ نجف اشرف میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مقام پر زیارت عاشورہ پڑھنا 186
یاداشت 12 188
۱۔ امام خمینیؒ کا سید ابوالحسین واحدی کی گفتگو پر ناراض ہونا 188
۲۔ امام خمینیؒ کی رہبریت سے متعلق ایک خواب کی حکایت 188
۳۔ حافظ قرآن کیا کرے؟ 189
یاداشت 13 189
۱۔ حضور قلب دوا ہے 189
۲۔ صدارت سے زیادہ قیمتی امور 189
۳۔ سید شفتی کے پاس فتح علی شاہ کا بد فعلی کا اعتراف 189
۴۔ سید شفتی کی شیخ انصاری کے بارے میں پیش گوئی 190
یاداشت 14 190
بعض موضوعات میں حوزہ علمیہ کی مصلحت 190
۲۔ زہر کھانے کی ممانعت 191
۳۔ میرزا نائینی پر تنقید 191
۴۔ آخری عمر میں مرحوم نائینی کا افسوس کرنا 191
۵۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سلام کا جواب سننا 192
۶۔ مذہب وہابیت 192
۷۔ حج سے فائدہ اٹھانا 192
۸۔ بیماری میں شکر بجالانا 192
یاداشت 15 193
۱۔ حج میں بہترین عمل 193
۲۔ مرزا شیرازی کا سہم امامؑ سے استفادہ نہ کرنا 193

۳۔ مرزاشیرازی کا اپنا تعارف کرائے بغیر دوسروں کی مدد کرنا 193
یاداشت 16 194
۱۔ رضا شاہ کے خلاف قیام کیلئے آیت اللہ بروجردی کو خط 194
۲۔ مرحوم ملکی تبریزی کا مرزا نائینی پر اعتراض 195
یاداشت 17 196
۱۔ سید عبدالغفار مازندرانی کی موت کا واقعہ 196
۲۔ آیت اللہ سید قاضی کی تقلید 197
۳۔ شمشیر زنی کے ماتم کی مخالفت 198
۴۔ آغا جمال گل پایگانی کا سید احمد کی تیمار داری کرنا 198
یاداشت 18 199
۱۔ حج کے دوران جگہ جگہ حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو یاد رکھو 199
۲۔ مرزا ہادی خراسانی کو خواب میں پیغمبر اکرم ﷺ کی وصیتیں 199
۳۔ اپنی وفات کے وقت آیت اللہ فشارکی، کی مرزا نائینی سے درخواست 200
۴۔ عالم رؤیا میں آیت اللہ حائری سے آیت اللہ فشارکی، کی درخواست 200
یاداشت 19 201
۱۔ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی اجازت سے سہم امامؑ کا مصرف 201
۲۔ مجلس شوریٰ ملی سے علماء کو الگ کرنے کی پیشگوئی 201
۳۔ تین علماء سے رضا خان کا اپنی حمایت کا تقاضا کرنا 201
۴۔ سید اسد اللہ خرقانی کو فومن بدر کرنا 202
۵۔ سرکاری عہدیداروں کے سامنے سے زہر کے پیالے کو اٹھالینا 203
۶۔ انبیاءؑ اور اوصیا سے رابطہ قطع کرنے کی صورت میں شکست کا سامنا 203
۷۔ دنیا کی لالچ کا خطرہ 203
۸۔ انگریز کی نوکری 204
۹۔ شہید مدرس کا عالم برزخ میں تقاضا 204

۱۰۔ رضاخان کی حکومت کو قبول کرنا 204

۱۱۔ تیرے والد نے علماء کے سر سے عمامہ ہٹایا۔۔۔! 205

۱۲۔ حضرت معصومہؑ کے گنبد کی طلاکاری (سونے کا کام) 205

۱۳۔ نماز میں حضور قلب حاصل کرنے کا طریقہ 206

۱۴۔ اللہ سے التجاء 207

یاداشت نمبر 20 208

۱۔ کونسی فضیلت علیؑ ہے کہ جس کو پیغمبر اکرم ﷺ نے بیان نہ کیا ہو! 208

۲۔ یونس بن ظبیان کی مذمت اور تعریف کا تضاد 209

۳۔ خلقتِ عقل کے بارے میں روایت 209

۴۔ آخوند ملا محمد کاشی کے ہمراہ چیزوں کا ذکر و تسبیح کرنا 210

۵۔ مرحوم اصفہانی کے ہمراہ چیزوں کا ذکر کرنا 210

۶۔ مرحوم غروی اصفہانی کی کرامت 210

۷۔ دعائے عرفہ کے ذیل میں جو آیا ہے وہ کس کا ہے؟ 211

۸۔ علاقے کے حکمرانوں کا صہیونیت کی تاسیس میں کردار 211

۹۔ امام خمینیؒ سے متعلق رموز واسرار 211

۱۰۔ کتاب وسنت کے خلاف کوئی بھی عمل کرامت نہیں ہوتا 211

یاداشت 21 213

۱۔ امام علی علیہ السلام کے قتل کی سازش 213

۲۔ جمال عبدالناصر کی موت میں حکومت وقت کا کردار 214

۳۔ رشوت خوری کے علاج سے غفلت 214

۴۔ ایک دعا کے باقاعدہ پڑھنے کی وصیت 214

۵۔ غیر معمولی کام کا اہتمام اور بڑے کام کرنے کی آرزو 214

۶۔ عبادت کیلئے خدا سے شفا مانگنا 215

۷۔ آیت اللہ ملکی تبریزی کا کتاب "تنبیہ الامہ" پر اعتراض 215

8۔رضا خان کے دو اقدامات 216
۹۔حاج حسین قمی کا مرجعیت تک پہنچنے کے بعد امیر المومنین سے تقاضا 216
۱۰۔پوری توجہ خدا اور خدا کے نمائندوں کی طرف رکھنا 216
۱۱۔امام عصر علیہ السلام سے راہنمائی چاہنا 217
یاداشت 22 218
۱۔بڑے کام انجام دینے کیلیئے کوشش کرنا 218
۲۔قرآن کی باطنی تاثیر 218
۳۔حواس کو مرکوز کرنے کیلیئے رہنمائی 218
۴۔آیت اللہ سید محمد کاظم کا مشروطیت کے قانون پر دستخط کرنے سے انکار 219
۵۔شیخ فضل اللہ نوری کے بارے آخوند خراسانی کا نظریہ 220
۶۔سید مرتضیٰ کشمیری کیلیئے برزخی نظر 220
یاداشت 23 221
۱۔پشیمانی سے بچاؤ کی تدبیر 221
2۔آقازادہ کی شہادت کے بارے میں الحاج فاضل کی پیش گوئی 221
۳۔مکی اور مدنی سورتوں کے بارے میں 222
۴۔صاحب مفتاح الجنان 222
۵۔فَرَج کے بارے کیا خبر ہے؟ 222
۶۔سب سے بڑی دعا 223
یاداشت 24 224
1۔حبّ ریاست و منصب کا امتحان 224
۲۔آیت اللہ قمی کا حج پر جانے کیلیئے استخارہ 224
۳۔آیت اللہ کشمیری اور آیت اللہ قاضی کے عرفانی مسلک میں فرق 224
۴۔آیت اللہ کشمیری کی ذہانت 225
۵۔آیت اللہ کوہ ای کی عبادت کا تذکرہ 225

٦۔ مرحوم شیخ محمد حسین اصفہانی اور سورہ قدر 225
٧۔ مرحوم اصفہانی کا جوانی میں مکاسب پر حاشیہ لکھنا 226
٨۔ آیت اللہ اصفہانی کا شور شرابے میں مطالعہ کرنا 226
یاداشت 25 227
ا۔ وحدت وجود وحدت حکمیہ ہے 227
2۔ وحدت وجود کے نظریہ میں وجدان اور برہان کا اکٹھا ہو جانا 228
3۔ منصور حلاج اور وحدتِ وجود کا نظریہ 228
۴۔ اجتماع نقیضین کے محال ہونے میں شک 229
یاداشت26 230
1۔ امامؑ عصر کا ہر جگہ موجود ہونا 230
۲۔ امام عصر (عج) کی خدمت میں پہنچنے کا دستور العمل 230
۳۔ آخوند ملا فتح علی سے منقول تین دستور العمل 231
۴۔ فَرج کے بارے میں خبر 232
یاداشت27 233
1۔ ترکِ معصیت پر شکر بجالانا 233
۲۔ امامؑ کے علم کی وسعت 233
۳۔ سید مرتضیٰ کشمیری کی غیب گوئی 233
۴۔ قرآن کا زندہ ہونا 234
۵۔ مرحوم طبرسی کی قبر کا منتقل کرنا 234
٦۔ مرحوم مدرس کی مشہد منتقلی کی وصیت 234
7۔ مرحوم مدرس کی شہادت 235
٨۔ امام عصر (عج) کی زیارت عالم رویاء میں 235
٩۔ پیش گوئیوں کا صحیح جائزہ لینا 235
١٠۔ آخوند ملا فتح علی کی آیت اللہ حائری اور شیخ فضل اللہ نوری کے بارے پیش گوئی 236

یاداشت28 237
1۔ مرحوم نخودکی کاامام خمینیؒ کیلئے دستور العمل 237
۲۔ علم کیمیاء لینے کی خواہش 238
۳۔ علم کیمیاء اور علم جفر 239
۴۔ ہم آپ کے حالات سے غافل نہیں ہیں! 240
۵۔ آب زمزم اور سید الشہداءؑ کی تربت کا اثر 240
٦۔ انجیل برناباکے صحیح ہونے کی بات 241
۷۔ قبور بنانے کی قرآن سے گواہی 241
8۔ آیت اللہ بہجت کو خداحافظ کہنا 241
9۔ حفظ قرآن کی ترغیب 241
10۔ مکی اور مدنی ہونے کی تاکید 242
یاداشت29 243
1۔ قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم ہونا 243
۲۔ شیخ محمد حسین اصفہانی کی وفات کی کیفیت 243
۳۔ شیخ محمد حسین اصفہانی کی وفات سے چند دن پہلے 244
4۔ مذہب اہل بیتؑ کی ہدایت پانے کی اہمیت 244
۵۔ ذکر کا دوام اور لقاء اللہ 245
یاداشت30 247
ا۔ حرمین خشوع تک پہنچنے کا ذریعہ 247
2۔ ابن عربی کے مذہب کے بارے میں سوال 247
3۔ صحائف سجادٌیہ کی تعداد 248
4۔ حفظِ قرآن کے مراتب 248
۵۔ ذکر کا الہام ہونا 248
6۔ مرزا کوچک خاں کا انگریز کے سفیر کی تجویز کو قبول نہ کرنا 249

7۔ابن طاؤس کی عظمت 249
8۔ گم شدہ چیز کے لئے ذکر 249
۹۔ایک اور دستور عمل 250
یاداشت 31 251
1۔اتحاد بین المسلمین کی اہمیت 251
۲۔ تین اہم وصیتیں 251
3۔قرآن کی قرات کی مقدار 251
یاداشت 32 253
1۔اخلاق ابن مسکوایہ کی تدریس ماہ رمضان میں 253
2۔ مرزا شیرازی اور ان کے بیٹے کی گفتگو 253
۳۔ فقہ واصول کے بارے میں تاکید 253
4۔خرافات سے مقابلہ 254
۵۔آیت اللہ بہجت کے والد 254
یاداشت 33 256
1۔سلامتی کی نعمت پر توجہ 256
۲۔ فقہی بحث کے بارے میں دوبارہ تاکید 256
۳۔آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کی کرامت 256
۴۔ذکر میں باقاعدگی (یعنی اسے مسلسل پڑھنا) 257
۵۔ تعلیم و تعلم کے ساتھ معنوی ترقی کا حصل 257
یاداشت 34 258
ا۔حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کا غارِ حرا میں عبادت کیلئے جانے کی حکمت 258
۲۔رضا خان کا برطانیہ کے ساتھ معاہدہ 258
3۔ مرزا کوچک خاں کا برطانیہ کی حکومت کے نمائندے کی پیشکش کو ٹھکرانا 259
۴۔امام خمینیؒ کا اپنے اعمال پر خوش ہونا 259

۵۔ دین اور سیاست کے جوڑ پر رضاخان کی عالم برزخ میں ناراضی 260
۶۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی حالت بیماری میں نماز کے بارے بخاری کے بیانات 260
یاداشت شمارہ 35 261
۱۔ معصیت چھوڑنے کا پختہ ارادہ 261
۲۔ راہ خدا کی آسانی 261
۳۔ رزق حلال کیلئے نسخہ 261
۴۔ درس اور نماز جماعت میں ٹکراؤ 261
۵۔ آیت اللہ خوئی اور آیت اللہ قاضی کا رابطہ 262
6۔ جمہوری اسلامی کو نقصان سے بچانے کیلئے اقدام 262
۷۔ فقہ کی تدریس پر تاکید 262
یاداشت 36 263
۱۔ مناسک میں احتیاط 263
۲۔ دعا میں دل اور زبان کی ہمراہی 263
۳۔ زید بن علی زین العابدین علیہما السلام کے مقامات 263
۴۔ رضاخاں کا جانشیں 265
۵۔ مؤثر ذکر 265
۶۔ حجاج کی رضایت حاصل کرنا 265
۷۔ غیبت اور امام عصر علیہ السلام کا موجود ہونا 265
۸۔ زندگی کے آخری سال میں تدریس اور روزہ داری 266
۹۔ آیت اللہ قاضی کی کرامت 266
۱۰۔ مرحوم آخوند اور وحدتِ وجود کے قائلین 266
۱۱۔ آخوند خُراسانی کی دقت نظر 267
۱۲۔ شرح منظومہ شیخ محمد حسین اصفہانی 267
۱۳۔ امام عصر علیہ السلام سے توسل 267

یاداشت 37 269

ا۔ بعض شیوخ الاسلام کا قاصر ہونا 269

۲۔ انقلاب کی کامیابی میں اللہ پر اعتماد کرنے کا اثر 269

3۔ ایک نابینا شخص قرآن کی آیات کو دیکھتا ہے 269

۴۔ سحر اور طلسم کے بطلان کے لئے دستور العمل 270

5۔ زیارت عاشورہ کو مرتے دم تک پڑھنا 271

مترجم کی وضاحت 271

حصہ چہارم 273

ا۔ آخوند خراسانی، ملا محمد کاظم 273

۲۔ آذری قمی، احمد 275

۳۔ آشتیانی، سید جلال الدین 276

۴۔ آملی، شیخ محمد تقی 277

۵۔ ابن ابی الحدید 278

۶۔ ابن عربی 280

۷۔ اراکی، شیخ محمد علی 281

۸۔ اشعری، میرزا علی اصغر 282

۹۔ اشعری، شیخ محمد حسین 283

۱۰۔ اشعری قمی، ملا محمد طاہر 284

۱۱۔ اصطہباناتی، شیرازی محمد باقر 285

۱۲۔ اصفہانی، سید ابوالحسن 286

۱۳۔ اصفہانی، نجفی محمد حسین 287

۱۴۔ الٰہی طباطبائی، سید محمد حسن 287

۱۵۔ امام جمعہ سید محمود 288

۱۶۔ امین، عاملی سید محسن 289

۱۷۔انصاری، شیخ مرتضی 289
۱۸۔ بادکوبہ ای، سید حسین 290
۱۹۔ بحر العلوم سید مہدی 291
برغانی قزوینی، محمد تقی 292
۲۱۔ برقعی، سید عیسیٰ 292
۲۲۔برنابا (بارنابا) 293
۲۳۔ بروجردی حاج آقا حسین 294
۲۴۔بروجردی، حاج آقا منیر الدین 295
۲۵۔ بنی صدر، سید نصر اللہ 295
۲۶۔ بہاؤالدینی، سید رضا 296
۲۷۔ بہبہانی، سید عبداللہ 296
۲۸۔ بہبہانی، سید محمد 297
۲۹۔ بہجت، علی 299
۳۰۔ پہلوانی (سعادت پرور)، حاج شیخ علی 299
۳۱۔ تبریزی، مرزا رضی 300
۳۲۔ تہرانی مرزا عبد العلی 301
۳۳۔ تہرانی (شیخ العراقین) شیخ عبد الحسین 301
۳۴۔ تیمور تاش، عبد الحسین 302
۳۵۔ جعفری، محمد تقی 303
۳۶۔حائری یزد، آقا شیخ مرتضی 304
۳۷۔ حائری یزدی، حاج شیخ عبد الکریم 305
۳۸۔حافظ عثمان 306
۳۹۔ حجت کوہ کمرہ ای، سید محمد 308
۴۰۔ حسینی، شیخ عز الدین 309

۴۱۔ حلاج، حسین منصور 309
۴۲۔ حلی، سید صالح 310
۴۳۔ خراسانی، سید محمد رضا 310
۴۴۔ خراسانی، میرزا سید ہادی 310
۴۵۔ خرقانی، سید اسد اللہ 311
۴۶۔ خفیف، ابو عبد اللہ 312
۴۷۔ خلخالی، شیخ نصر اللہ 312
۴۸۔ خلیلی تہرانی، میرزا محمد حسین 313
۴۹۔ خمینی، سید مصطفیٰ 314
۵۰۔ خوانساری، سید احمد 315
۵۱۔ خوانساری، سید محمد تقی 316
۵۲۔ خوئی، سید ابو القاسم 317
۵۳۔ خوئی کربلائی، شیخ ابو القاسم 318
۵۴۔ خیاط، شیخ رجب علی 318
۵۵۔ راوندی، قطب الدین 318
۵۶۔ رحمانی ہمدانی، احمد 319
۵۷۔ رشتی (گیلانی)، میرزا حبیب اللہ 320
۵۸۔ رضوی کشمیری، سید عبد الکریم 320
۵۹۔ رضوی کشمیری، سید حسن 321
۶۰۔ رضوی کشمیری، سید مرتضیٰ 322
۶۱۔ زاہدی، حاج شیخ ابو الفضل 323
۶۲۔ زنجانی، سید احمد 324
۶۳۔ زنجانی، ملا قربان علی 324
۶۴۔ سبزواری، حاج ملا ہادی 326

۶۵۔ شوشتری، شیخ اسد اللہ 327

۶۶۔ شوشتری، قاضی نور اللہ 327

۶۷۔ شہر ستانی، سید محمد علی ھبۃ الدین (ہبۃ اللہ) 329

۶۸۔ شہیدی، میرزا فتاح 329

۶۹۔ شیخ بہائی 330

۷۰۔ شیخ حر عاملی 331

۷۱۔ شیخ طوسی 332

۷۲۔ شیخ مفید 333

۷۳۔ شیرازی، سید میرزا علی 333

۷۴۔ شیرازی، شیخ محمد کاظم 334

۷۵۔ شیرازی، میرزا سید مہدی 335

۷۶۔ شیرازی، میرزا محمد تقی 336

۷۷۔ شیرازی (میرزای شیرازی) سید محمد حسن 337

۷۸۔ صاحب الزمانی، حاج شیخ ابراہیم 338

۷۹۔ صدر، سید حسن 339

۸۰۔ صدر اصفہانی، سید اسماعیل 340

۸۱۔ طالقانی، شیخ مرتضی 341

۸۲۔ طاہر شمس، شیخ جلال 342

۸۳۔ طباطبائی یزدی، سید محمد کاظم 343

۸۴۔ طبرسی، فضل بن حسن 343

۸۵۔ عبد الحمید عثمانی (سلطان عبد الحمید دوم) 344

۸۶۔ عبد الناصر جمال 345

۸۷۔ عثمان طہٰ 345

۸۸۔ عراقی (اراکی)، آقا ضیا الدین 346

۸۹۔ عراقی (اراکی)، شیخ عبدالنبی 347
۹۰۔علامہ حلی 347
۹۱۔علامہ طباطبائی، سید محمد حسین 348
۹۲۔ غروی، اصفہانی، شیخ محمد حسین 349
۹۳۔ غروی اصفہانی، میرزا مہدی 350
۹۴۔ غزالی، محمد 351
۹۵۔ فاضل (حاج فاضل)، حاجی محمد علی 352
۹۶۔ فاضل شربیانی، محمد 352
۹۷۔ فشارکی، سید محمد 353
۹۸۔ فہری، سید احمد 354
۹۹۔ قاضی، آقا سید علی 355
۱۰۰۔ قدوسی، علی 355
۱۰۱۔ قرنی گلپائیگانی، علی 356
۱۰۲۔ قزوینی، شیخ مجتبیٰ 357

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے سامنے اس وقت کتاب زم زم عرفان ہے اس کتاب کو آیت اللہ محمدی ری شہری نے تالیف کیا ہے ۔ یہ کتاب حقیقت میں ایک عارف شخصیت کا زندگی نامہ ہے۔ البتہ معروف معنوں میں زندگی نامہ نہیں ہے کہ فقط ان کے حالات زندگی لکھ دیئے جائیں بلکہ اس حوالے سے کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جو معلم اخلاق تھے، جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ و اصول میں برجستہ ترین مجتہدین میں ان کا شمار ہوتا تھا اور آخر میں مراجع تقلید میں ان کا شمار ہوا اس کے ساتھ ساتھ جہاں وہ روایتی انداز میں مختلف علوم حاصل کرتے تھے اور ہر میدان میں ترقی کی آخری منزل کو چھو لیتے تھے وہاں انہوں نے عرفان کی منزلیں بھی طے کیں اور حقیقت آشنا ہوئے اور ایک عبد کے لئے جتنی منزلیں طے کرنا ممکن ہوتا ہے ان کو طے کرنے میں جدوجہد کی اور آخر اُسی بڑے مقام پر پہنچے کہ جس کا تصور عام حالات میں کسی شخص کے لئے نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخصیت سے میری مراد آیت اللہ محمد تقی بہجت ہیں۔ آیت اللہ بہجت کی زندگی درس اور وعظ و نصیحت ہے۔ ان کے حوالے سے آیت اللہ ری شہری نے اپنی یادداشتیں تحریر کی ہیں اور ان سے مختلف ملاقاتوں میں جو کچھ ان کے بیانات تھے جو انہوں نے سوالات کئے اور جو جوابات لئے ان سب کو انہوں نے قلمبند کیا ہے۔

ہمارے عزیز شیخ امین صاحب جو معراج کمپنی کے نام سے کتابیں شائع کر رہے ہیں اور مصباح القرآن ٹرسٹ کے اہم رکن ہیں اور منتظر فاونڈیشن سے بھی امام زمانہ (عج) کے حوالے سے کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں، ان کا طرہ امتیاز ہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ وہ عظیم شخصیات جنہوں نے تعلیم وتربیت، اخلاق و عرفان کے میدان میں جو بھی اپنا عظیم سرمایہ چھوڑا ہے ان کا ترجمہ کروا کر اسے بھی اردو زبان میں شائع کر رہے ہیں جیسا کہ شہید مطہریؒ کی متعدد کتابیں اُردو میں ترجمہ کروا کر شائع کی ہیں۔ اسی طرح شہید باقر الصدر او دیگر علمی شخصیات کی کتابیں بھی شائع کر چکے ہیں۔

آپ کی کوشش ہے کہ آیت اللہ محمد تقی بہجت کے حوالے سے بھی جو تحریری مواد موجود ہے وہ بھی شائع کیا جائے۔

آیت اللہ بہجت کی کوئی ذاتی تحریر شدہ کتاب ابھی تک سامنے نہیں آئی البتہ اگر ان کا کچھ تحریری مواد تھا بھی تو وہ اس کے شائع کرنے کے حق میں نہیں تھے جیسا کہ آپ کے بعض بیانات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ جنہوں نے خواہش کی کہ آپ کی کتابیں شائع کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ بہت سارے بزرگوں کی کتابیں موجود ہیں جن کو شائع نہیں کیا گیا۔ پہلے ان کو شائع کیا جائے۔ جب وہ ختم ہو جائیں گی تو پھر دیکھا جائے گا۔ ایک مرتبہ جب ایک ناشر نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: پہلے مجھے مار ڈالو پھر کتابوں کو شائع کرو۔ گویا آیت اللہ بہجت نام ونمود سے دور تھے اور گمنام زندگی گزارنا ان کا معمول تھا۔ اسی لئے ایسی شخصیت سے گفتگو کرنا پھر اس گفتگو کو قلمبند کرنا یہ آیت اللہ محمدی ری شہری کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور ظاہر ہے ایسی شخصیت کی زندگی کے مختلف پہلو افراد اور معاشرے کی تعلیم وتربیت میں بہت موثر ہوتے ہیں؛ بالخصوص نوجوان نسل اور علم کے طلبگار اس سے استفادہ کرتے ہیں کیونکہ انسان جتنا علوم حاصل کرلے اسے تربیت کی بہر حال ضرورت ہوتی ہے اسی لئے جتنا علم بڑھتا جاتا ہے تو اسے اپنی کم علمی کا اندازہ ہوتا جاتا ہے۔ آیت اللہ امام خمینیؒ اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود فرماتے تھے کہ میں تو ایک چھوٹا سا طالب علم سمجھتا ہوں۔ آیت اللہ محمدی ری شہری کا یہ کام ہم جیسے کم علم افراد کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے اور ہمارے لیے وعظ و نصیحت ہے اور یہ کام ہماری تربیت اور علم کے ساتھ ساتھ معرفت اور حقیقت کی شناخت کے ساتھ عمل انجام دینے میں مددگار ہوگا اس کتاب کا عنوان "زمزم عرفان" ہے۔ اس کے تین حصے ہیں: حصہ اول میں مختلف عناوین ہیں، جن میں قرآن و حدیث، فقہ و اصول، اخلاقی و عملی اقدار، فلسفہ و عرفان، کشف و کرامت، حجاج، امام خمینیؒ، انقلاب اسلامی، سیاست اور خصوصی ہدایت ورہنمائی شامل ہیں۔ اس حصے میں آغا بہجت کے فرزند شیخ علی بہجت کا آغا بہجت کی زندگی کے بارے میں انٹرویو بھی شامل ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ یادداشتوں پر مشتمل ہے آیت اللہ محمدی ری شہری ہر سال آیت اللہ بہجت سے ملاقات کرتے رہے اور جو کچھ وہاں گفتگو ہوئی اس کو یادداشت کے طور پر لکھتے رہے یہ تقریبا47 یادداشتیں ہیں۔

اس کتاب کے تیسرے حصے میں ان علمائے عظام کے احوال ہیں جن کا تذکرہ آیت اللہ بہجت نے اپنی گفتگو میں کیا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ جو اردو میں ہم نے ترجمہ کیا ہے اس کے اچھے نتائج سامنے آئیں اور تشنگانِ علم و عرفان اس سے استفادہ کر سکیں اور ہمارے لیے یہ اُخروی سرمایہ کا سامان بنے۔آمین !

سید افتخار حسین نقوی نجفی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

ابتدائیہ

رہبر اسلام حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای مقام رہبری کی جانب سے حج کی امارت کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ میرا فقیہ نامدار، عالم و عارف حضرت آیت اللہ محمد تقی بہجت سے قریب سے واسطہ پڑا۔ آپ علم و عمل، پارسائی اور عرفان کا ایک اسوہ اور نمونہ ہیں۔ ان سطور کو اس وقت سے لکھنا شروع کیا جب میں حوزہ علمیہ قم [1] میں آغا بہجت کے پیچھے نمازِ جماعت میں شرکت کرتا تھا اور اجمالاً ان سے آشنائی تھی لیکن آپ کے معنوی کمالات و مقامات سے مجھے کوئی زیادہ آگاہی نہیں تھی۔

۱۳۶۹/۱۲/۲۸ ہجری شمسی کو میری ملاقات رہبر معظم سے ہوئی ان کے سامنے اپنا مدعا پیش کرنے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک رضاکار کی طرف متوجہ کیا جس نے رہبر کی خدمت میں خط لکھا تھا جس میں اس نے عراق کی بعث حکومت کی طرف سے مسلط کی گئی جنگ اور قید و اسیری کے دوران بہت زیادہ مراقبت و مواظبت کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص انعامات ملے اس کیلئے ایسے حالات پیش آئے کہ معرفتِ حق کیلئے اسے ایک راہنما کی ضرورت پڑی تو اس نے رہبر کی خدمت میں یہ خط لکھا اور رہبر سے چاہا کہ وہ ان کی مدد کیلئے کوئی رہنمائی فرمائیں ۔ انہوں نے اسے جواب دیا کہ میں وہ نہیں ہوں کہ جس سے تم اس میدان کی رہنمائی چاہتے ہو۔ اس کے لئے تم آغا بہجت کے پاس جاؤ۔ رہبر معظم کا اس رضاکار کے لئے یہ کہنا اور اس کے علاوہ بھی میں نے آیت اللہ بہجت کے حوالے سے جو کرامات سن رکھی تھیں یہ سب سبب بنا کہ میں کسی موقع کی تلاش میں رہا کہ اس عالم برجستہ کے قریب ہو سکوں اور ان سے استفادہ کروں۔ مجھے ۱۳۷۰ ہجری شمسی حج بیت اللہ کی ذمہ داری دی گئی ہے، یہ بہت بھاری ذمہ داری تھی اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ میں حج کی عبادت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کروں اور حج کے ایام کو زیادہ مفید بناوں تو اس فقیہ بصیر آیت اللہ بہجت سے اس سفر کا زاد لینے کے لئے میں ہر سال خانہ خدا جانے سے پہلے اور جب میں سفر سے واپس آتا تھا

[1] یہ کوئی ۱۳۴۰ شمسی کی بات ہے جب میں رے شہر میں حوزہ علمیہ برہان سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے ایک سال بعد قم گیا تھا۔

توان کی خدمت میں شرف یاب ہوتا تھا اور مختلف حوالوں سے ان سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ اس طرح جو یادیں ہیں (۱۳۷۰ ہجری شمسی سے ۱۳۸۷ ہجری شمسی تک) ان کو میں لکھتا رہا اور ''زم زم عرفان'' کے نام سے میں نے اسے جمع کیا۔ میری ملاقاتیں جو اس عظیم شخصیت سے ہوئیں یہ کوئی ایک گھنٹہ کی ہوتی تھیں۔ ان ملاقاتوں میں بہت سارے مطالب زیر بحث آتے تھے۔ ان میں قرآن، حدیث، فقہ واصول، عرفان، کشف و کرامات اور جو علما گزر چکے ہیں ان کی کرامات، حج اور حجاج کی سرپرستی، امام خمینی علیہ الرحمہ اور انقلاب اسلامی ایران، اور کچھ سیاسی امور کا بھی تذکرہ ہے۔ وہ ان تمام امور کے بارے میں بیان کرتے تھے اور بہت سارے کاموں کے حوالے سے اذکار اور اعمال کی طرف رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ میں ان مطالب کو جو کہ بہت عمدہ و اعلیٰ ہوتے تھے، ان سے ملاقات کے دوران اور بعض ملاقات کے بعد لکھ لیتا تھا۔ البتہ یہ واضح رہے جو ان سے ملاقات ہو رہی ہوتی تھی اسے باقاعدہ ریکارڈ کیا جاتا تھا۔ اس کا حجم اس کتاب سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت آیت اللہ بہجت کی وفات سے چند مہینے پہلے ان کی رہنمائی کے حوالے سے جو اپنی یادداشتیں تھیں میں نے ان کو منظم کیا تاکہ کچھ اور یادداشتوں کے ساتھ اکٹھا کرکے انہیں ایک کتاب زندہ ترین یعنی بہترین تربیت دینے والی یادداشتوں کے عنوان سے نشر کرسکوں۔ لیکن آپ کی جدائی کا وقت آگیا اور جہان تشیع خاص کر علمی مراکز آپ کے وجود کی برکات سے محروم ہو گئے۔ (سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے)۔

یہ کتاب نشر ہونے کے لئے تیار نہیں ہوئی تھی دوسری طرف یہ تھا کہ آپ نے جو رہنمائی لی تھی اور جو اس عارف عظیم کی میرے پاس یادیں تھیں ان سب کا میرے اوپر بڑا حق تھا کہ وہ فقہ و اصول، فلسفہ، اخلاق عرفان کے بڑے استاد تھے اور سب جوان طالب علموں کے لئے خصوصی اور تشنہ گان علم کے لئے ایک جاذبیت رکھتے تھے تو میں نے یہ سوچا کہ ان کے حوالے سے جو کچھ میرے پاس ہے اسے ایک علیحدہ کتاب کی شکل میں ترتیب دوں اور شائع کروں۔ اس طرح میں نے اس کتاب کے مطالب کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے میں آیت اللہ بہجت نے جو رہنمائی دی ان کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ مختصر تجزیہ اور کچھ آیات اور روایات جو اسی موضوع سے مناسب تھیں

ان کا اضافہ بھی کیا ہے اور اسی طرح ان کی جو رہنمائی دوسری کتابوں میں درج تھی، ان کو بھی نقل کیا ہے اور اس طرح میری یادداشتوں کی تکمیل ہوئی ہے اور یہ کوئی دس ابواب پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ان کے فرزند حجت الاسلام آقائے علی بہجت سے ان کے والد کے بارے میں انٹرویو پر مشتمل ہے جو ۱۳۸۸/۹/۱۲ ہجری شمسی بمطابق ۱۴ ذوالحجہ ۱۴۳۰ ہجری قمری میں آپ سے لیا گیا۔ ہماری یہ گفتگو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ [1]

تیسرا حصہ ان یادداشتوں پر مشتمل ہے جو ۱۳۷۰ سے ۱۳۸۷ شمسی تک کی ہیں۔

چوتھے حصے میں ان علمائے کرام کے مختصر حالات زندگی ہیں ، جن کا تذکرہ گفتگو کے درمیان آیت اللہ بہجت نے کیا ہے۔ ان علماء کا تذکرہ ان کے ناموں کے ابجد کی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

چند اہم نکات

اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے چند ضروری نکات پر توجہ دینا ضروری ہے۔

۱۔ شخصیات کی تعریف و ستائش میں اعتدال

پہلا نکتہ یہ ہے کہ جب ہم بڑی شخصیات میں سے کسی شخصیت کی تعریف و تمجید اور اس کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس میں افراط و تفریط سے احتراز کرتے ہیں اور اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

[1]. **ضروری وضاحت**: البتہ یہ ہماری جو ابتدائیہ ہے اس کے بعد مختصر سا آیت اللہ بہجت کا زندگی نامہ بھی آئے گا اور اسی طرح اس کے پہلے حصے سے لے کر تیسرے حصے تک آیت اللہ حاج علی بہجت کی نگرانی تصحیح بھی کی گئی ہے اور انہوں نے جو وضاحتیں کی ہیں، اس کو حاشیہ میں علامت (ع) کے ساتھ لکھا ہے اور کچھ وضاحت وہ بریکٹوں میں (ب) کا نشان لکھ کر دی گئی ہے۔ وہ علی محمد بروجردی (جو آخری سالوں میں آیت اللہ بہجت کے ہمراہ تھے اور جب آقائی بہجت گھر سے باہر آتے تھے تو ان کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے) کی طرف سے دی گئیں حاج شیخ علی بہجت نے بھی جن کی تائید کی وہ بھی اسی میں شامل ہیں۔

قلما ینصف اللسان فی کثیر قبیح او احسان

ترجمہ: ”بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ زبان برائی یا نیکی کو نشر کرنے میں انصاف سے کام لے“ [1]

بعض اوقات انسان کا جس شخصیت کے ساتھ گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی تعریف کرتے وقت افراط اور غلو میں چلا جاتا ہے اور اس کو عصمت مطلقہ تک پہنچا دیتا ہے۔[2]

عقیدت کی وجہ سے وہ راضی نہیں ہوتے کہ اس شخصیت کے بارے میں کسی قسم کی تنقید سنیں یا کریں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جو ان بزرگ ہستیوں کے بعض اشتباہات کی طرف اشارہ کرتے کرتے اس شخصیت کے جو کمالات ہیں یا اس کی جو خوبیاں ہیں وہ بھی مورد سوال قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی شخصیت کے حوالے سے افراط اور تفریط اس شخصیت کے حق میں بے انصافی ہو گی۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ اعتدال کو اختیار کریں، حق پر رہیں اور حق گرائی اور حق گوئی اختیار کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مروی ہے:

ایاك ان تنصب رجلاً دون الحجة فتصدقه فی کل ما قال [1]

ترجمہ: ”اس بات سے پرہیز کرو کہ غیر معصوم کو ایسے مقام پر پہنچا دو کہ وہ جو کچھ کہے اس کی تصدیق کرنے لگے جاؤ۔“

1 غرر الحکم حدیث 24، 67

2 عصمت مطلقہ یعنی ہر قسم کے گناہ اور اشتباہ اور بھول چوک سے محفوظ ہونا یہ صرف پیغمبروں اور ان کے اوصیاء کا خاصہ ہے لیکن صرف گناہ سے محفوظ رہنا یہ اللہ کے اولیاء میں بھی ہے۔

غیر معصوم کے کلام میں خطا کا احتمال

آیت اللہ بہجت عظیم شخصیات کے اقوال اور ان کے نظریات کے جائزہ لینے اور ان میں دقت کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "جو گفتگو غیر معصوم کی ہو جتنا بھی وہ بڑا آدمی ہو ہمیں چاہئے کہ ہم ۱۰۰ فیصد اس پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ اس میں خطا اور غلطی کا احتمال دیں۔ معصوم کے کلام میں بھی ستر توجیہات ہوتی ہیں لہٰذا معارض و صوارف (مختلف معانی سے جو انصراف ہو رہا ہوتا ہے) میں جستجو کیے بغیر ان کے کلام کے ظاہر پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا پہلی توجہ اس پر رہے کہ جو شخص بھی کوئی بات سمجھنا چاہتا ہے تو اس پر ضروری ہے کہ ہر وہ بات جو سنے یا دیکھے تو اس میں خطا اور غلطی کا احتمال دے۔ فقط یہ کہ اس کا کہنے والا بڑا صاحب کلام ہے اور عظیم انسان ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ اس پر اعتماد کیا جائے لہٰذا یوں نہ کہا جائے کہ دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکتے بس اسی پر ہی کرنا ہے کیونکہ وہ سب جتنے بھی بڑے مقامات پر ہوں معصوم ہر گز نہیں ہیں۔ ایک بزرگ استاد سے نقل کرتے ہیں کہ جس مسئلے میں بھی غور کرو تو اچھی طرح اپنی آنکھوں کو کھول کر رکھو۔[1]

کسی شخص کی عظمت اس کے اشتباہ کرنے میں مانع نہیں ہوتی

اس امر پر توجہ رہے جو چیز اشتباہ سے روکتی ہے اور غلطی سے روکتی ہے وہ عصمت و معصومیت کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ لہٰذا بزرگ شخصیات کی علمی و عملی جلالت اور عظمت ان کے اقوال اور نظریات کے بارے میں تنقید، تبصرہ اور بحث میں رکاوٹ نہیں ہے۔ آیت اللہ محمد تقی بہجت اس بارے میں فرماتے ہیں کہ غیر معصوم جتنا بڑا عالم ہو، جتنا جلیل القدر ہو وہ غلطی سے خالی نہیں ہے لہٰذا ان کے اقوال میں شک اور ان کی آراء میں خطا کا احتمال اس وجہ سے نظر انداز نہ کر دیا جائے کہ اس کا مقام بلند ہے اور وہ عظیم ہے۔ بلکہ جو باتیں مسلمات اور واضحات میں سے ہیں اگر اس بزرگ کی رائے ان کے مطابق ہو تو قبول کریں اور جو مشکوکات ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ:

[1] (حوالہ: در محضر آیت اللہ العظمی بہجت جلد ۱، ص ۲۷۲)

نعتقد بما اعتقد به جعفر ابن محمد و المهدی علیهم السلام

ترجمہ: "جو امام صادق علیہ السلام اور امام مہدی علیہ السلام عقیدہ رکھتے ہیں ہم بھی وہی عقیدہ رکھتے ہیں۔"

مرحوم شیخ مفید علیہ الرحمہ بہت ہی جلیل القدر حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے سر کا تاج ہیں وہ عالم ذر کے منکر تھے۔[1]

جبکہ عالم ذر میں عہد و میثاق لینا تسلیم شدہ بات ہے اور خود مبدأ عہد یعنی عہدہ و پیمان کا آغاز ہی کافی ہے عالم ذر کے وجود کی دلیل کے طور پر کہ یہ عالم تھا، ہے اور ہوگا۔ یہ اقرار (قالوا بلیٰ)[2] (ان سب نے کہا کہ جی ہاں!) بلاوجہ انسانوں نے نہیں کہا یہ مخلوق کا خالق سے تعلق ہے کہ وہ خالق سے وابستہ ہیں لہٰذا تجلی کو انہوں نے مشاہدہ کیا اور اللہ کی ربوبیتِ حق کا اقرار کیا"[3]

آیت اللہ بہجت کی گفتگو میں سے یہ دو نکات ہیں بہت حکیمانہ ہیں۔ اس کتاب میں آیات اور احادیث کا سہارا بھی لیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے کے لئے اطمینان کی وجہ بنے بعض مقامات پر کوئی ایسا نقطہ یا وضاحت جو بندہ ناچیز کی نگاہ میں تھی اس کو بھی ہم نے درج کر دیا ہے۔

۲۔ زندہ شخصیات کی جلالت و عظمت

اہل البیت علیہم السلام کی رہنمائی کے نتیجے میں علما ربانی کا احترام ان کی زندگی میں ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ

اکرموا العلماء، فانهم عند الله كرماءُ

---

1 تصحیح الاعتقاد، ص ۸۰، بحار الانوار جلد ۶ ص ۲۵۲، ۲۵۳، جلد ۵۸ ص ۸۰، ۱۲۲

2 سورہ اعراف آیت ۱۷۲

3 در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، صفحہ ۲۶۳

ترجمہ: "علماء کی عزت کرو کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک صاحب عظمت ہیں۔"[1]

واضح ہے کہ جو بڑے علمی مقام پر فائز ہیں ان کی زندگی میں ان کا احترام وجہ بنے گا کہ عوام ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور نوجوانوں کا معنویت اور دینی معارف کی وسعت سے زیادہ گہرا تعلق پیدا ہو جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ بہت ساری شخصیات جب زندہ ہوتی ہیں تو ان کو پہچانا نہیں جاتا۔ آیت اللہ بہجت اس بارے فرماتے ہیں " اخوند ملا مرحوم کلی ہمدانی اور آخوند ملا فتح (سلطان آبادی) جو کہ اب مرحوم ہو چکے ہیں، ان کی تعریف آسان ہے مگر جب وہ زندہ تھے ہم ان کے ساتھ کیسا رویہ رکھتے تھے؟ کیا تمام وہ باتیں جو اس وقت ہم ان کی تعریف کرتے ہیں اس وقت بھی ان کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ ہم رکھتے تھے یا فقط ان کے مرنے کے بعد ان کی تجلیل و تکریم کر رہے ہیں۔"[2]

قابل افسوس ہے کہ آیت اللہ بہجت خود بھی ان شخصیات میں سے ہیں کہ جب تک وہ زندہ تھے تو جیسا ہونا چاہئے تھا ویسے ان کی پہچان نہ ہو سکی اور اس طرح ان سے جو استفادہ کرنا چاہئے تھا وہ بھی نہ ہو سکا البتہ ایک سنت حسنہ گذشتہ سالوں میں ہماری سوسائٹی میں رائج ہو گئی ہے کہ جو بڑی شخصیات ہیں ان کی زندگی میں ان کی تکریم کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ بہرحال اس میں نقائص ہیں جن کے دور ہونے سے ایک بڑا ثقافتی خلاء انشااللہ پر ہوگا۔

۳۔ یادداشتوں میں شخصیات کے القاب کا حذف کر دینا

میں نے جو یادداشتیں آیت اللہ بہجت کی گفتگو سے متعلق لکھی ہیں یہ بالکل ان کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ جہاں تک میرے حافظے نے مدد کی میں نے وہی تعبیر درج کی۔ خصوصاً اشخاص

[1] دانش نامہ، عقائد اسلامی، جلد ۳ ص ۴۳۶، حدیث ۳۰۸۳۔ (اس معنی میں احادیث کو دیکھنے کے لئے دانش نامہ جلد ۳ ص ۴۳۶ اور ۴۶۴ ملاحظہ فرمائیں)

[2] در محضر آیت اللہ بہجت، جلد ۲، ص ۳۷۷

کے بارے میں انہی کو میں نے درج کیا۔ لہٰذا ان شخصیات کے القاب اور عناوین یادداشت کے متن میں ذکر نہیں کئے۔ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ آیت اللہ العظمی (یعنی بڑی نشانی) کا عنوان اہل البیت علیہم السلام کی روایت میں امیر المومنین کے لئے بولا گیا ہے [1] اور جیسا کہ زیارت امیر المومنین میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

السلام علیك یا آیة الله العظمی [2]

''آپ پر سلام ہو اے اللہ کی سب سے بڑی نشانی''

انا الحجة العظمیٰ والایة الکبری [3]

''میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حجت اور اس کی بزرگ ترین نشانی ہوں۔''

امام باقر علیہ السلام کی حدیث میں ہے:

کان امیر المومنین، صلوات الله علیه، یقول: ما لله آیة هی اکبر مِنی [4]

ترجمہ: امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ اللہ کی کوئی بھی ایسی نشانی نہیں ہے جو مجھ سے بڑی ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں کامل ترین انسان وہ پیغمبر ہو یا امام، معصوم وہی اللہ کی بڑی نشانی ہوتا ہے کیونکہ پورا جہاں اللہ کا جلوہ اور اللہ کی نشانی ہے۔ اور اس میں کوئی شک

[1] آیت اللہ بہجت فرمایا کرتے تھے کہ نجف اشرف میں ایک عظیم بزرگ ہستی موجود تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے سارے القاب اٹھا لئے گئے ہیں اور فقط ایک لقب جو ''ابوتراب'' ہے وہ امیر المومنین علیہ السلام کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اور پھر بڑی لطیف مسکراہٹ سے فرماتے کہ یہی لفظ ''آیت اللہ'' وہ بزرگ عالم اپنے لئے پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔

[2] امالی شیخ صدوق، ص ۹۲، حدیث ۶۷

[3] تفسیر القمی، ج ۲، ص ۴۰۱

نہیں کہ کامل ترین جلوہ الہٰی وہی ہے جو انسانوں میں کامل ترین ہے۔ اس لئے میں جرات نہیں رکھتا کہ آیت اللہ العظمی کے عنوان کی تشریح کر سکوں۔ جو مراجع تقلید ہیں بزرگ ہستیاں ہیں ان سے میری عقیدت ہے اور ان کا بڑا مقام ہے میں ان کے لئے فقط لفظ آیت اللہ ہی لکھتا ہوں۔ البتہ جو آیت اللہ العظمی لکھتے ہیں تو وہ اس کے اطلاق پر کہ وہ آیت اللہ العظمی مطلق نہیں ہیں بلکہ اس نسبت سے ہیں کہ فلاں سے برتر ہیں تو اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے۔

۴۔ امام خمینیؒ کی جانب سے ایک تعمیری نکتہ

امام خمینی نے اپنی بابرکت زندگی کے اختتام سے تقریباً چار ماہ پہلے علماء کرام، مراجع تقلید، طلاب علمی مراکز آئمہ جمعہ و جماعت کے سامنے ایک اہم خطاب کیا۔ اس میں انہوں نے بہت ہی غیر معمولی اور دقیق باتیں مجتہد کے لئے پیش کیں۔ اس خطاب کی روشنی میں ہم مرجعیت کے کامل ترین نمونے کے حقیقی چہرے کو پہچان سکتے ہیں اس پیغام میں تھا کہ :

"میں اجتہاد جواہری اور فقہ سنتی کا عقیدہ رکھتا ہوں اور اس سے تخلف اور پیچھے ہٹنے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اجتہاد اسی طرز پر صحیح ہے۔ زمان اور مکان یہ دو عنصر اجتہاد کو معین کرتے ہیں۔ ایک مسئلہ جس کا قدیم زمانے میں ایک حکم تھا بظاہر وہی مسئلہ سیاست، سوسائٹی اور معیشت کے حوالے سے ممکن ہے ایک نیا حکم پیدا کرے۔ اس معنی میں کہ سیاسی، اجتماعی، اقتصادی روابط میں اگر ظاہری طور پر قدیم نظر سے دقت کریں تو اس پہلے موضوع میں فرق نہیں ہو گا لیکن اب حقیقت میں نیا موضوع آیا ہے اور نیا موضوع نیا حکم چاہتا ہے، مجتہد کو چاہئے کہ وہ اپنے زمانے کے مسائل پر گرفت رکھتا ہو۔ عوام، نوجوان حتی کہ عوام بھی اسے قبول نہیں کرتے کہ ان کا مرجع اور مجتہد کہے کہ میں سیاسی مسائل میں کوئی رائے نہیں دیتا۔ اس وقت مکاریوں اور دھوکے بازیوں پر مشتمل ثقافت پورے عالم پر حاکم ہے جس سے آشنائی، اقتصادی بصیرت اور دقت نظری اور جو رائج اقتصادی نظام سے آگاہی، رائج سیاست کی شناخت، سیاستدانوں کے فارمولوں اور ان کی موقعیت کی سمجھ اور سرمایہ داری و کمیونزم کے خصائص و نقائص سے آشنائی ایک جامع مجتہد کی خصوصیات میں سے ہے۔ ایک

مجتہد کو باہوش، زیرک اور صاحب فراست ہونا چاہئے اسے ایک عظیم اسلامی سوسائٹی کی رہنمائی کرنی ہے بلکہ غیر اسلامی سوسائٹی اور اجتماع کو بھی اس نے ہدایت دینی ہے۔ جہاں خلوص، تقویٰ، زہد مجتہد میں ہوں وہاں وہ مدبر بھی ہو۔ حقیقی مجتہد کی نظر میں حکومت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پوری فقہ کا عملی فلسفہ ہے۔ حکومت اجتماعی، سیاسی، عسکری، ثقافتی مشکلات کے حل کیلئے عملی فقہ کا نام ہے۔ انسانی کی پیدائش سے موت تک فقہ ایک حقیقی تھیوری اور کامل انسانی ادارہ ہے۔ بنیادی ہدف یہ ہے کہ ہم کس طرح فقہ کے محکم اصولوں کو سوسائٹی میں نافذ کریں اور جو بھی مشکلات ہیں ان کا جواب دے سکیں یہ اصل بات ہے۔" [1]

اس گفتگو میں ایک جامع مجتہد کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں ان پر اگر توجہ رہے تو مرجعیت کا کامل ترین نمونہ ہمارے زمانے میں امام خمینیؒ خود ہیں اور دیگر مراجع جس قدر اس ماڈل کے قریب تر ہوں گے تو وہ زیادہ کمال حاصل کر پائیں گے۔ یہ بات معلوم رہے کہ ہماری امام خمینیؒ کے حوالے سے معرفت فقط ان کے سیاسی، علمی اور عملی پہلوؤں پر مشتمل ہے لیکن ان کے جو معنوی مقامات اور اسرار ہیں ان میں رازداری کا پہلو پایا جاتا ہے جس کی معرفت ہمیں نہیں ہے۔ [2]

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ امام خمینی کے اسرار میں جانتا ہوں کہ جن کو میں نے ابھی تک نہیں کہا اور آئندہ بھی نہیں کہوں گا۔ [3]

جی ہاں ! باصلاحیت اور مستعد جوان طلاب آیت اللہ بہجت کے "زمزم عرفان" سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں اور خود کو مرجعیت کے اس کامل ترین نمونہ کے قریب کر سکتے ہیں اور انقلاب اسلامی کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک لے جانے میں زمینہ فراہم کر سکتے ہیں۔ میں خود بھی انفرادی طور پر ان کی رہنمائی سے بہت استفادہ کیا ہے اور آئندہ بھی کروں گا۔ میں نے باقی

---

[1] صحیفہ امام، جلد ۲۱، ص ۲۸۹

[2] صفحہ ۲۶۵، ارتباط سری باامام خمینی یادداشت شمارہ ۲۰، بند ۹

[3] یادداشت شمارہ ۲۰، بند ۱۰

اساتذہ اور صاحب حق افراد سے زیادہ اس بزرگوار ہستی کو یاد رکھا ہے۔ مجھے بات یہ نہیں بھولتی کہ آیت اللہ بہجت سے میری آخری ملاقات تھی میں نے ان سے رہنمائی اور نصیحت کا تقاضا کیا گویا انہیں معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ اس لئے انہوں نے یوں فرمایا: یہ بتاؤ کہ اب تک جو میں نے کہا ہے کیا تم نے اس پر عمل کیا ہے؟ میں نے کہا: حتی المقدور۔ تو انہوں نے ایک جملہ فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ایسا نہ ہو کہ تمہارے اندر جو طاقت ہے وہ اس حتی المقدور سے زیادہ ہو؟" اللہ تبارک و تعالیٰ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ مجھ سراپا حقیر اور گناہ گار کو توفیق دے کہ اس عظیم مربی اخلاق و عرفان کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہو سکوں اور مجھے اپنے سامنے انبیاء، اولیاء اللہ اور اس بزرگ ہستی کے سامنے شرمندہ نہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

محمدی ری شہری

شب ۲۳ ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۰ ہجری قمری

بمطابق ۲۱ شہریور ۱۳۸۸ ہجری شمسی[1]

---

[1] یہ بات ذہن میں رہے کہ اس کتاب کی پہلی تحریر اسی تاریخ کو مکمل ہوئی ہے لیکن اس کا جو دوسرا اور چوتھا حصہ ہے (جو آیت اللہ بہجت کے فرزند اور علماء کی زندگی نامہ سے متعلق ہے) وہ اس کے بعد مکمل ہوا ہے۔

آیت اللہ بہجتؒ کا مختصر زندگی نامہ

آیت اللہ بہجتؒ ۲۵ شوال ۱۳۳۴ہجری قمری (بمطابق ۲ شہریور ۱۲۹۵ ہجری شمسی) صوبہ گیلان کے قصبہ فومن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کربلائی محمود ایک متدین کاروباری شخصیت، پڑھے لکھے انسان اور فومن کے قابل اعتماد افراد میں سے تھے۔ وہ مرثیہ گو بھی تھے۔ [1]

آیت اللہ بہجت نے ابتدائی تعلیم فومن کے ایک اسکول سے حاصل کی اور دینی علوم کی ابتدائی تعلیم بھی اپنے شہر کے فضلاء سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۴۸ہجری قمری میں اپنی حوزوی تعلیم مکمل کرنے کیلئے عراق روانہ ہو گئے عراق میں پہلے چار سال وہاں رائج علوم حاصل کئے اور اس کے ساتھ ساتھ شہر کے بڑے اساتذہ جیسے آیت اللہ میرزا مہدی شیرازی، آیت اللہ حاج شیخ ابوالقاسم خوئی (یہ معروف آغا خوئی کے علاوہ ہیں وہ سید تھے اور یہ غیر سید ہیں) سے علمی اور معنوی فیض حاصل کیا۔ ۱۳۵۲ہجری قمری میں کربلا سے نجف پہنچ گئے۔ نجف میں سطوح عالی کے دروس مکمل کئے آپ کے اساتذہ میں شیخ مرتضی طالقانی، آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئی، آیت اللہ ہادی میلانی، سید محمد مہدی، سید محمود شہرودی، سید علی محمد بروجردی اور دیگر علماء شامل ہیں۔ درس خارج کیلئے میرزا حسین نائینی، آقا ضیاء الدین اراکی، شیخ محمد حسین غروی اصفہانی (کمپانی)، شیخ محمد کاظم شیرازی اور آقا سید ابو الحسن اصفہانی کے دروس میں شریک ہوئے۔ اسی زمانے میں فلسفہ آیت اللہ سید حسین بادکوبہ ای سے پڑھا۔ سفینۃ البحار کی تدوین میں مرحوم حاجی شیخ عباسی قمی کی مدد بھی کی اور اس کتاب کے حدیث کے کچھ حصے آپ نے لکھے۔ یعنی ان کی جمع آوری آپ کے سپرد تھی۔ آیت اللہ بہجت نے تہذیب نفس کے مراحل وہ اپنی جائے پیدائش یعنی فومن میں ہی بچپن میں طے کر لئے تھے اور اس وقت وہاں پر ایک عالم تھے شیخ احمد سعیدی، انہی سے پڑھتے رہے اور ۱۷سال کی عمر میں کربلا میں آیت اللہ سید محمد حسن الہی طباطبائی (جو علامہ سید محمد حسین طباطبائی کے بھائی تھے) کے ذریعہ

---

[1] ان کے مرثیوں کا مشہور مجموعہ "مکن اے صبح طلوع یعنی اے صبح طلوع مت ہو!" ہے۔

عارف ربانی آیت اللہ سید علی قاضی سے آشنائی ہوئی پھر جب نجف پہنچے تو سید قاضی کے شاگردوں کے حلقہ عرفان سے منسلک ہو گئے۔ اس طرح کئی سال تک فقہ اور اصول کے علاوہ سیر و سلوک معنوی میں آیت اللہ محمد حسین اصفہانی سے بھی بہرہ مند ہوتے رہے۔ آیت اللہ بہجت ۱۳۶۴ ہجری (بمطابق ۱۳۲۴ ہجری شمسی) واپس فومن آگئے اور شادی کرنے کے بعد واپس عراق جانے کا ارادہ کیا کچھ عرصہ کیلئے وہ بی بی معصومہ قم سلامہ علیہا کی زیارت کیلئے قم گئے اور اپنی زوجہ کا پاسپورٹ بنوایا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اسی دوران انہیں معلوم ہوا کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ خبر بھی انہیں ملی کہ نجف اشرف میں ان کے اساتذہ میں سے آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی اور آیت اللہ حاج حسین قمی بھی فوت ہو گئے ہیں۔ لہٰذا آپ نے قم ہی میں حسین بروجردی (جو نئے نئے قم میں آئے تھے) اور سید محمد کوہ کمرہ ای کے دروس میں جانا شروع کر دیا۔ اور فقہ و اصول کی اعلیٰ سطح کی کتابوں اور منظومہ سبزواری کی تدریس کا سلسلہ جو نجف میں شروع کیا تھا یہاں پر بھی جاری رکھا۔ [1]

---

[1] **ایک وضاحت**: آیت اللہ بہجت جب شروع شروع میں قم میں آئے تو کوچہ حرم (یعنی حرم اور مدرسہ حجتیہ کے درمیان کے علاقہ میں سکونت اختیار کی اور اس کے بعد کوچہ آقا سید اسماعیل بازار میں رہائش اختیار کی۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ ہجری شمسی کے آغاز میں مدرسہ حجتیہ کے شمالی کونے میں ایک مکان میں منتقل ہو گئے اور بعد میں انہوں نے عربستان محلّہ (مسجد امام سجاد علیہ السلام سے پچاس میٹر پر) گزردائی عابدین (مدرسہ مہدیہ مرحوم اسلامیان کے مدمقابل) بھی رہائش اختیار کی۔ شیخ علی آقا بہجت بتاتے ہیں کہ میرے والد آیت اللہ تقی بہجت جب قم میں آئے تو ۱۳۳۳ ہجری شمسی تک پانچ گھر تبدیل کئے جو سب کرائے پر تھے اور یہ ایسے گھر ہوتے تھے کہ جن میں دو کمرے ہوتے تھے اور پھر ۱۳۳۳ شمسی کے بعد سے ۱۳۴۰ ہجری شمسی تک چار گھر بدلے جن کے دو یا تین کمرے ہوتے تھے اور سب کرائے پر تھے۔ اس طرح سولہ سال قم میں گزر گئے اور نو گھر کرائے پر لئے۔ پھر اس طرح ہوا کہ ان کے رشتہ داروں میں سے تہران کے بازار کے جو سربراہ تھے انہوں نے ۱۳۴۰ شمسی میں آیت اللہ بروجردی کے آخری ایام میں انہی کے حکم سے آیت اللہ بہجت کو گھر مہیا کئے تو آیت اللہ بہجت نے محلّہ ارک میں ایک سستا ترین چھوٹا سا گھر منتخب کیا اور پھر اسی گھر میں تدریس بھی ہوتی تھی۔ وہیں نماز باجماعت بھی ہوتی تھی اور پھر یہ گھر جب شہر کو وسعت دینے لگے تو بلدیہ کی طرف سے اس کو خرید لیا گیا اور اس گھر کو خراب کر دیا گیا اور ان کی آخری زندگی کے سال انہوں نے ایک اور گھر یعنی کوچہ آقازادہ میں قیام کیا۔

دوسری بات: آیت اللہ بہجت حوزہ کی سطوح عالی کی نجف و کاظمین میں تدریس کیا کرتے تھے۔ حاج شیخ علی محدث زادہ قمی اس بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سطوح عالیہ کے معروف اور فاضل مدرسین میں سے تھے اور میں نے نجف اشرف میں ان سے کفایہ پڑھی۔ آیت اللہ سید مہدی روحانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان سے مکاسب پڑھی اور آیت اللہ سید عبدالکریم اور موجودہ مراجع سے ایک شخصیت نے رسائل اور مکاسب عراق میں ان کے پاس پڑھیں۔ نجف اور کاظمین میں یہ دروس دیتے تھے اور منظومہ سبزواری بھی پڑھاتے تھے اگرچہ ان مطالب پر کبھی اظہار نہیں کرتے تھے کہ میں نے یہ ساری کتابیں پڑھائی ہیں۔

آیت اللہ بہجت نے فقہ اور اصول کا درس خارج قم آنے کے بعد ابتدائی سالوں میں شروع کر دیا تھا اور جو فقہ کا درس وہ ساٹھ سال سے زائد عرصہ تک بغیر وقفہ کے آخر عمر تک جاری رہا۔ [1]

ان کے درس خارج کی جگہ قم میں پہلے تو مدرسہ فیضیہ اور مدرسہ خان کے کمروں میں تھی (۱۳۲۵ ہجری شمسی تقریبا) پھر ان کا ذاتی گھر تھا (۱۳۴۰ ہجری شمسی سے) اس کے بعد ان کے گھر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد تھی (مسجد حاج سقا) اس کے بعد مسجد فاطمیہ کے سامنے ایک اور چھوٹی سی مسجد تھی (مسجد حضرت قلی ترک) اور آخر میں یعنی ۱۳۷۴ کے بعد مسجد فاطمیہ میں پڑھاتے تھے جس کو مسجد خانم کہتے تھے۔

آیت اللہ بہجت کی گھر کے اندر روزانہ درس کی روش یہ تھی کہ درس شروع کرنے سے پہلے چند منٹ کے بعد گزشتہ بزرگ اولیاء اللہ کے حالات کو نصیحت کے عنوان سے بیان کرتے تھے۔ آیت اللہ بہجت اگرچہ مشہور فقیہ تھے اور ان کے درس خاج فقہ و اصول کو تین سال گزر چکے تھے جب آیت اللہ سید احمد خوانساری کی ۱۳۶۲ ہجری شمسی میں رحلت ہوئی تو بہت سارے لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ توضیح المسائل شائع کرنے کیلئے راضی نہیں ہوئے اور مرجعیت کو بھی قبول نہیں کیا۔ پہلی دفعہ آپ کی توضیح المسائل ۱۳۷۰ ہجری شمسی میں مقلدین کے اصرار پر مرحوم کمپانی کی کتاب "ذخیرۃ العباد" کے اوپر حاشیہ لگا کر دی اور بہت ہی محدود تعداد میں نشر ہوئی اور بعد میں جب آیت اللہ محمد علی اراکی ۱۳۷۳ ہجری شمسی میں وفات پا گئے اور تمام مدرسین حوزہ علمیہ قم نے انہیں

[1] **تیسری وضاحت:** جیسے ہی یہ شروع میں قم میں آئے تو اس وقت انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی کہ درس پڑھیں۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ طالب علموں کو چاہئے کہ وہ مصروف رہیں۔ اسی لئے قم کے بزرگ مراجع کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ ان دنوں حوزہ قم میں غیر معمولی رونق تھی۔ آیت اللہ بروجردی کے درس کی بہت زیادہ شہرت تھی۔ اس وقت آپ سے تقاضا کیا گیا کہ آپ اصول کا درس خارج دیں۔ آیت اللہ جلال طاہر شمس ان کے درس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے جس درس میں بھی شرکت کی وہ علمی وسعت اور دقت اس میں نہ تھی۔ آیت اللہ طاہر شمس کے علاوہ آیت اللہ سید محمد روحانی، سید جلال آشتیانی اور موجودہ مراجع تقلید میں سے ایک اس درس میں موجود تھے جو چند مہینوں سے زیادہ نہیں تھا بعض علماء نے بتایا کہ ان کا درس بہت دقیق تھا اور ان کے درس میں شرکت کے لئے ضروری تھا کہ فلسفے سے بھی آگاہی ہو جو فلسفے سے آگاہ نہیں تھے وہ اس درس سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ آپ نے اصول و فقہ کے کئی درس خارج دیئے اور فقہ کا دورہ ان ابتدائی سالوں میں شروع ہوا اور آخر تک جاری رہا۔ ضمناً آپ نے اپنی اولاد اور بعض دوستوں اور اپنے اساتذہ کے بیٹوں اور خاص کر جن کے حقوق آپ پر تھے ان کو خصوصی طور پر فقہ و اصول اور فلسفہ کا درس پڑھاتے تھے۔

اپنے بیانیے میں مرجع قرار دیا تو اس وقت بھی رسالہ عملیہ کو خود سے چھاپنے کیلئے اقدام نہیں کیا ،بلکہ فرمایا کہ تھوڑا انتظار کرو تاکہ سارے بزرگ علماء اپنے رسالہ عملیہ چھاپ لیں۔ اگر کوئی نہ بچا اور انہوں نے دوسروں کی تقلید نہ کی اور صرف میری تقلید کرنے پر اصرار کیا تو پھر میرے فتاویٰ کو نشر کردیں۔اس طرح رسالہ عملیہ عمومی افراد کے لئے چند ماہ بعد شائع ہوا۔ [1]

آیت اللہ بہجت کی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ''بہجت الفقیہ''، ''جامع المسائل'' اور ''مباحث الاصول'' شامل ہیں۔آیت اللہ سید ذوالقرنین کشمیری آیت اللہ جلال طاہر شمس، سید جلال الدین آشتیانی، علی محدث زادہ، علی قرنی گلپایگانی، سید ابراہیم، علی اکبر مسعودی، محمد تقی مصباح، سید مہدی روحانی، حسن احمد فقیہ (یزدی)، علی سعادت پرور (پہلوانی) اور حوزہ کے دیگر علماء واساتذہ کو آیت اللہ بہجت کی شاگردی کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ عالمِ فرزانہ اور عارفِ زمانہ اتوار کے دن ۲۷ اُردی بہشت ۱۳۸۸ ہجری شمسی (۲۲ جمادی الاول ۱۴۳۰ ہجری قمری) اپنے معبود کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے اور ۲ دن بعد آپ کے جسد مبارک کو مومنین نے بہت بڑی تعداد میں اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور تشیع جنازہ کی۔ آیت اللہ عبد اللہ جوادی آملی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے حرم اطہر میں آپ کو دفن کیا گیا۔

یہ مختصر حالات ہیں اور باقی آپ کی عظمت اور آپ کی کرامات اور آپ کا کیا مقام تھا کس طرح آپ نے تشنگانِ راہِ حقیقت کے لئے پیغامات چھوڑے ہیں، تو انشا اللہ جو بعد میں مطالب درج ہوں گے، اس سے قارئین استفادہ کریں گے۔

---

[1] **وضاحت:** یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیعیت کی لمبی تاریخ ہے اس میں ایسے بزرگان گزرے ہیں کہ وہ اپنے لئے مرجعیت کے منصب کو یا قبول کرتے تھے یا بالکل رد کردیتے تھے۔ یہ پہلے عالمِ صالح ہیں شیعہ مرجعیت کے کہ جنہوں نے یا تو شیعہ قیادت اور زعامت کو قبول نہیں کیا اور قبول کیا تو کمترین واجب کے طور پر اور اپنے خاص افراد کے لئے انہوں نے قبول کیا۔ تاکہ جو ان کی ایک ذمہ داری ہے اس سے بھی فرار نہ کریں اور عمومی قیادت اور سربراہی کو بھی قبول نہ کریں یعنی جتنا واجب ہے اتنا ذمہ لیں اور کہ ان کے عام مقلدین کا دائرہ جو ہے وہ وسعت نہ پائے۔

باب اول

فصل اول: قرآن

آیت اللہ بہجت جس اہم نکتے پر بار بار تاکید فرماتے تھے وہ یہ تھا کہ قرآن مجید پر خصوصی توجہ دو اس کے بارے آپ نے فرمایا کہ "مرحوم شیخ عبد الکریم حائری فرماتے ہیں کہ "اہل سنت نے اہل البیت علیہم السلام کو چھوڑ دیا اور شیعوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دو گروہوں نے ان دو چیزوں کو چھوڑ دیا ہے۔ قرآن اور عترت تو اکٹھے ہیں۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک کو چھوڑے تو دوسرا خود بخود ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں اکٹھے ہیں اور ان میں اتحاد ہے۔ یہ جدا ہو ہی نہیں سکتے۔" [1]

آیت اللہ بہجت قرآن کے حوالے سے غیر معمولی اہتمام کیا کرتے تھے۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں (یعنی آیت اللہ ری شہری) حافظ قرآن ہوں تو یہ سبب بنا کہ میری ان کے ساتھ کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت ساری نصیحتیں اور وصیتیں مجھے کیں جن کو میں یہاں پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ قرآن حفظ کرنے کے بارے میں تاکید

۱۳۸۳ ہجری قمری حج میں تبلیغ کے لئے جس موضوع کو میں نے مد نظر رکھا تھا وہ قرآن تھا۔ حج سے پہلے جب میں آیت اللہ بہجت سے ملاقات کے لئے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو کہو کہ قرآن حفظ کرنے پر توجہ دیں اور اس کے لئے باقاعدہ پروگرام ترتیب دیں، روزانہ پانچ آیات حفظ کریں اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ شیطان کہتا ہے مشکل ہے بلکہ ایسا کرنا محال ہے۔

---

[1] در محضر آیت اللہ بہجت، جلد ا، س ۱۱۱

ایک شخص (گیلانی جو مشہد کے اہل علم میں سے تھا) کہتا تھا کہ میں نے دو تین ماہ قرآن پڑھااور اتفاقی طور پر بغیر توجہ کے معلوم ہوا کہ میں قرآن کا حافظ ہو گیا ہوں۔ حالانکہ میرا ارادہ قرآن حفظ کرنے کا نہیں تھا۔ اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا کہ "جو قرآن پڑھتا ہے تو نبوت اس کے دونوں پہلوؤں میں سرایت کرتی جاتی ہے لیکن وہ ایسا شخص ہوتا ہے کہ اس پر وحی نہیں ہوتی" [1]

البتہ شرط یہ ہے کہ قرآن اہل البیت علیہم السلام سے جدا نہ ہو اور اہل البیت علیہم السلام قرآن سے جدا نہ ہوں۔ [2]

اسی طرح آپ سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ "خدا جانتا ہے کہ اس سرچشمہ و منبع رحمت الٰہی سے استفادہ کرنے کے لئے قرآن کا حفظ کرنا کتنا اہمیت رکھتا ہے۔" [3]

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اہل البیت علیہم السلام سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں قرآن حفظ کرنے کی بہت ساری برکات ذکر ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ انسان دائمی عقل سے استفادہ کرتا ہے، وہ ہر نقصان سے محفوظ رہتا ہے، امامت جماعت کے لئے ترجیح حاصل کرتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا بدن خراب نہیں ہوتا اور بہشت کے بلند ترین درجات اس کو ملتے ہیں۔

۲۔ حفظ قرآن کے مراتب

قرآن کے مراتب ہیں۔ جن میں الفاظ کو حفظ کرنا قرآن حفظ کرنے کا نچلا ترین مرتبہ ہے۔اس مرتبہ میں بھی الفاظ اور قرآن کی عبارات روح کا حصہ بن جاتی ہیں اور طبعًا اس کی اپنی برکات اور اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے بالاتر مرتبہ یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کے معانی کا اپنی جان اور روح میں نفوذ کریں اور انسان میں ایک معنوی تبدیلی پیدا ہو جائے اور قرآن کے مفاہیم اور

---

[1] (المصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۵۵)

[2] یادداشت شمارہ ۲۸، بند ۸

[3] در محضر آیت اللہ بہجت ج ا ص ۱۱۴

روح کی گہرائی میں جتنا نافذ ہوتا جائے گا اسی حساب سے حافظ قرآن بلند ترین مراتب کو پاتا جائے گا ۔ آیت اللہ بہجت نے اس نکتہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا کہ حفظ قرآن کے حوالے سے ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ حفظ کا جو بلند ترین مرتبہ ہے اسے حاصل کر لو۔ [1]

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے ابن ابی حدید کے حوالے سے فرمایا کہ انہوں نے نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۲۱ کے ضمن میں اس خطبے کے فصاحت و بلاغت کا وصف بیان کرتے ہوئے لکھا:

"قسم اس ذات کی جس کی قسم تمام امتیں اٹھاتی ہیں کہ یہ خطبہ میں نے پچھلے پچاس سال سے ایک ہزار سے زیادہ مرتبہ پڑھا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اس خطبے کو پڑھا ہو اور اس نے میرے اندر خوف، نصیحت اور خشیت پیدا نہ کی ہو، میرے دل میں اضطراب پیدا نہ کیا ہو، کبھی میں نے اس میں تامل نہیں کیا مگر میرے رشتہ داروں، دوستوں اور جاننے والوں میں سے جو گزر چکے ہیں ان کی یاد آ جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص جس کے بارے میں علی علیہ السلام بات کر رہے ہیں، میں ہی ہوں۔" [2]

لہذا جب نہج لبلاغہ انسان میں اس قدر اثر چھوڑتا ہے تو قرآن مجید تو حافظ کے لیے اس سے بھی زیادہ برکات رکھتا ہے۔ [3]

---

[1] یاداشت نمبر 30 بند نمبر 5

[2] دانشنامہ جلد 3 صفحہ 375

[3] در محضر آیت اللہ ج ۲ ص ۲۸۱

(جاحظ جو علماء اہل سنت میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین علی علیہ السلام کے فلاں خطبے کا چالیس مرتبہ مطالعہ کیا ہے اور ہر دفعہ اس سے نئی بات نکلی ہے، قرآن بھی اسی طرح ہے۔ جتنی دفعہ انسان قرآن کا مطالعہ کرے، اس میں غور و تدبر کرے، اس کی آیات میں توجہ کرے، اسے نئی بات ملتی ہے جو پہلے اسے نہیں ملی ہوتی۔ میرے خیال میں اس ملاقات میں آغا بہجت نے بھی جاحظ کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن میں نے بہت جستجو کی لیکن جاحظ کی تحریروں میں ایسی کوئی بات موجود نہیں پائی۔ احتمال ہے کہ ان کی مراد ابن ابی الحدید ہو۔ البتہ حاحظ کی جو کتب ہیں، ان میں مزید دقت اور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔)

قرآن فہمی کے مراتب

قرآن فہمی کے بھی حفظ کی طرح مراتب ہیں۔ امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول روایت میں اس آسمانی کتاب کی فہم اور سمجھ کے چار مراتب بیان ہوئے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: کتاب خدا چار چیزوں پر مشتمل ہے: عبارت ،اشارہ ، لطائف اور حقائق ۔ عبارت عوام کے لئے ہے، اشارے خواص کے لئے ہیں، لطائف اولیاء کے لئے اور حقائق انبیاء کے لئے ہیں۔[1]

انہوں نے ایک اور ملاقات میں فرمایا کہ اللہ تعالی سے یہ طلب کرو کہ جو تم نے قرآن حفظ کیا ہے وہ پوری طرح تمہارے اندر موثر ہو۔[2]

ایک اور گفتگو میں آپ نے فرمایا جیسا حق بنتا ہے اور جس کی ضرورت بھی ہے ہم قرآن سے اس طرح استفادہ نہیں کرتے مسلمان عمومی طور پر اہل البیت علیہم السلام کی شان کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں بعض یہ بات نقل کرتے ہیں کہ "ہم حرم گئے اور ہم نے حرم میں جا کر سلام کیا تو ضریح کے اندر سے ہم نے سلام کا جواب سنا"۔ یا وہ کہتے ہیں کہ "ہم نے آئمہ علیہم السلام سے گفتگو کی، اسی طرح قرآن جو اہل بیت علیہم السلام کے ہم پلہ ہے اس میں بھی اختلاف کرتے ہیں یعنی کچھ تو اہل بیت علیہم السلام کو بالکل ہی نچلی سطح پر لے آتے ہیں اسی طرح قرآن کے بارے بھی لوگوں کے درجات میں اختلاف ہے۔[3]

اہل علم میں جو خواص ہیں اور اولیائے الہی ہیں انکا یہ ہنر ہے کہ وہ قرآن کے اشارات اور لطائف سے بھی آشنائی رکھتے ہیں اور مقتضائے حال کے مطابق استفادہ کرتے ہیں۔[4]

---

[1] عوالی الآلی جلد 4 صفحہ 105 ، بحار الانوار میں یہ روایت امام حسین علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی نقل ہوئی ہے۔

[2] یادداشت نمبر 22 نمبر 2

[3] سورہ کہف، آیت ۲۱

[4] (فہم قرآن کے مراتب کے بارے میں زیادہ آشنائی کیلیئے دانشنامہ قرآن و حدیث جلد 1 صفحہ 41 تا 52 تک پڑھ سکتے ہیں)

اس کی توضیح کیلئے بہتر ہے کہ آیت اللہ بہجت نے جو دو مناظرے بیان کئے ہیں ان کو یہاں بیان کیا جائے۔

(الف) قبور کی تعمیر پر قرآن مجید سے استدلال

فیصل بادشاہ نے مکہ مکرمہ میں تہران کے بعض علماء کو دعوت دی ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں قبروں کے اوپر تعمیر کھڑی کرنے کے بات ہوئی۔ شیخ بہاؤالدین نوری (جو شیخ عبدالنبی نوری کے بیٹے تھے) نے فیصل بادشاہ سے کہا کہ اگر ہم قرآن سے دلیل لے آئیں تو قبول کر لوگے؟ فیصل نے جواب دیا۔ جی ہاں! تو شیخ بہاؤالدین نے یہ آیت پڑھی۔

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا

ترجمہ: ''ان کے بارے میں جن (مومنین) کی رائے غالب رہی انہوں نے کہا: ہم تو ان (کے غار) پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔''[1]

تو فیصل نے یہ سن کر جواب دیا تھا: ایسا لگتا ہے کہ ہم نے اس آیت کو کبھی سنا ہی نہیں ہے۔

ب: امام علیؑ کے پاؤں سے تیر نکالنے کا واقعہ

کرمان یا کردستان کے گورنر نے پہلوی حکومت کے زمانے میں عید غدیر کی رات یا دن کو جشن منعقد کیا۔ اس میں مردوخ کردستانی شیخ محمد بھی شریک تھا۔ مداح نے امیر المومنین علیہ السلام کی منقبت میں جو اشعار پڑھے تو اس میں انہوں نے آپ علیہ السلام کے پاؤں سے حالت نماز میں تیر نکالنے کا واقعہ بھی پڑھا اور یہ کہ آپ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے تو اس وقت مردوخ جو اس محفل میں موجود تھا اس نے گورنر سے بلند آواز میں کہا کہ جناب گورنر! یہ

---

[1] سورہ یوسف آیت نمبر ۲۱

بات جو کہہ رہے ہیں کیا یہ افسانہ اور کہانی نہیں ہے ؟ وہ گورنر کہتا ہے اس شخص نے محفل میں جب یہ اعتراض کیا ہے وہ بھی اتنی بڑی جمعیت اور لوگوں کے سامنے ۔ تو گویا میرے سر پر ایک پہاڑ کا بوجھ آگیا ہو۔ للذا میں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ ہم جشن منائیں اور اس کا جواب نہ دیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اگر جواب نہ دیا گیا تو یہ اسلام اور مذہب کی شکست ہے۔ دوسری طرف دیکھا کہ وہ عالم ہے میں تو اہل علم میں سے نہیں ہوں تاکہ اس کا جواب دے سکوں اور اس سے بحث اور مناظرہ کروں۔ اسی دوران گویا کہ مجھے الہام ہوا اور فورا میرے ذہن میں ایک بات آئی۔ میں نے کہا آپ نے قرآن پڑھا ہے ؟ اس نے کہا کہ ہاں ! تو میں نے ایک آیت پڑھ دی کہ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔

فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ۔

ترجمہ: ”جب انہوں نے اسے (یعنی یوسف علیہ السلام کو) دیکھا تو اسے بڑا حسین پایا تو سب کے سب نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا حاشا للہ، یہ انسان تو نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔“

زلیخا کی مجلس میں ایک مخلوق کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ عورتیں اپنی انگلیاں کاٹ لیتی ہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہ منظر کہاں اور جو نماز میں امیر المومنین علیہ السلام کے لیے تجلیات آتی ہیں وہ کہاں۔ ان دونوں کا تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ جب وہ جمال یوسف کو دیکھنے میں محو تھیں تو بے اختیار اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تو امیر المومنین علیہ السلام نماز کی حالت میں انوارِ الٰہی کی تجلیات کے سامنے اور حضرت حق تعالی کے جمال و جلال کا مشاہدہ کرتے ہوئے محو ہوں اور تیر پاؤں سے نکل جائے اور وہ متوجہ بھی نہ ہو تو یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں ہے۔ جیسے ہی یہ بات کہی تو گویا اس کے منہ پر ایک پتھر آگا ہو اور اس نے اپنا سر نیچے کر لیا اور کچھ بھی نہ کہا۔ [1]

۴۔ قرآن کی زندگی کا احساس

قرآن کا زندہ ہونا ایک ایسا موضوع ہے جو متعدد حدیثوں میں آیا ہے اور اس کے بارے بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث ہے کہ فرمایا:

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت جلد ا صفحہ ۲۵

" قرآن زندہ ہے یہ مردہ نہیں ہے آیت زندہ ہے آیت مرتی نہیں ہے۔" اگر آیت کسی قوم کے بارے میں اتری ہو اور اس قوم کے مرنے سے وہ آیت بھی ختم ہو جائے تو قرآن بھی ختم ہو جائے گا بلکہ قرآن آنے والوں کے لئے بھی ہے اور اسی طرح جانے والوں کے لیے بھی یہ جاری و ساری ہے۔[1]

جی ہاں قرآن زندہ جاوید ہے کبھی اس پر موت نہیں آ سکتی۔ لیکن بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر شخص قرآن کے زندہ ہونے کو سمجھ نہیں سکتا۔اسی لئے آغا بہجت حفظ قرآن کی اہمیت کے ضمن میں تاکید فرماتے تھے کہ کوئی ایسا کام کرو کہ احساس کر سکو کہ قرآن زندہ ہے اور قرآن سے نئے نکات کو سمجھو۔[2]

قرآن کے زندہ ہونے کے احساس کی چابی

ایک شخص قرآن کے زندہ ہونے کا احساس کر سکتا ہے اس طرح کہ اولاً وہ قرآن کے زندہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور دوسری بات یہ کہ علمی اور عملی نظر سے اس احساس کے حصول کیلئے زمینہ سازی کرے یقینی طور پر جو معارف الٰہی کے بیکراں سمندر میں نفوذ کرتا ہے تو اس کے لئے معرفت کے نئے موتی نکلتے ہیں۔آغا بہجت اس بارے فرماتے ہیں کہ یہ جو آیت ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ[3]

" وہ لوگ جو ہماری خوشنودی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں تو یقینی طور پر ہم ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔"

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۵ ص ۴۰۳، حدیث ۲۱

[2] یادداشت شمارہ ۲۷، بند ۳

[3] سورہ عنکبوت ۲۹

بظاہر اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے ہدایت الٰہی اور ایک شخص کا جہاد ان دونوں کے مراتب ہیں۔ جہاد جس مرتبہ کا ہوگا اور جتنی بندے کی کوشش ہو گی تو ہدایت الٰہی اسی مقدار میں اس کے ساتھ ہو گی۔

یہ ذمہ داری کو عملی جامہ پہنانے کے موارد سے بھی ہے کہ مجاہدت اور جدوجہد اور کوشش کی جو اقسام ہیں قرآن کو اسی حوالے سے تلاوت کریں۔ یعنی ہر تلاوت کے بعد جو اس سے پہلے استفادہ کیا ہے اس نئی تلاوت میں اس کے علاوہ استفادہ کریں۔ اسی طرح ہر نماز سے جو فیض پایا ہے تو اگلی نماز جو پڑھی جائے اس سے نیا فیض پایا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بغیر کمی و زیادتی کے فقط اسی کا تکرار ہو۔ بظاہر وہی شکل ہو اور ہماری سیرت پر اس کا اثر نہ ہو۔ ''لنھدینھم''، یعنی ہم انہیں قراان وسنت سے کچھ چیزیں سمجھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہیں کہ ہر دفعہ جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اسے ایسا تازہ مطلب سمجھ آتا ہے جو پہلی مرتبہ نہیں سمجھا تھا۔ نماز بھی اسی طرح ہے ہر مرتبہ تم نئی چیز کو سمجھو گے جو پہلے تم نے نہیں سمجھی تھی وگرنہ انسان جب ایک دفعہ نماز پڑھتا ہے تو باقی نمازیں اسی پہلی نماز کا تکرار ہی ہونگی۔ کیا یہی حکم دیا گیا ہے کہ نماز انسان بجالائے اور پتہ ہی نہ ہو کہ نماز کا حکم کس لئے دیا گیا ہے؟ ہمیں امر ہوا ہے تو یہ کس لئے ہوا ہے کیا جس چیز کو ہم جانتے ہیں اور جس سے ہم پڑھا ہے دوبارہ اسی کو پڑھیں شب و روز پانچ مرتبہ تکرار کریں؟ یہ عجیب بات ہے! بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ ہمیں سمجھائے کہ ہر دفعہ جب نماز بجالاتے ہو تو توجہ رہے اس امر کی طرف کہ کچھ حاصل کرو کوئی مطلب سمجھو ایسا مطلب جو پہلے نہیں سمجھا۔ قرآن کی سورتوں اور آیتوں کی تلاوت میں بھی یہی ہے کہ جو چیز پہلے حاصل نہیں کی وہ حاصل کرو۔[1]

۵۔ حفظ قرآن اور اس پر عمل

قرآن پر عمل کرنا اور اس کے نورانی انفرادی اور اجتماعی احکام کو زندگی میں لاگو کرنا اس آسمانی کتاب کے تمام پیروکاروں کی ذمہ داری ہے لیکن بغیر کسی شک کے خداوند تعالیٰ اس کلام کی

[1] (در محضر آیت اللہ بہجت جلد ۲)

حفاظت کرنے والوں میں خود شامل ہے اور دوسروں سے زیادہ اس کی نگہداری کر رہا ہے۔ اللہ کو انتظار ہے کہ اس پر عمل ہو۔ اس بارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

"تحقیق حاملین قرآن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پوشیدہ انداز میں اور کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع کریں اور اسی طرح انہی کو پوشیدہ یا سرعام نماز و روزہ بجالانے کا حق حاصل ہے۔"[1]

ایسے حفاظ قرآن جو اس پر عمل نہیں کرتے ان کے متعلق رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

"ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ قرآن کو حفظ کریں گے مگر اس کے الفاظ حفظ کریں گے اور اس کے احکام کو ضائع کریں گے۔ تو وائے ہو ان پر کہ جو انہوں نے حفظ کیا اور وائے ہو ان پر کہ انہوں نے اس کو ضائع کیا۔[2]

آغا بہجت کو ایک ملاقات میں بتایا کہ میں حافظ قرآن بھی ہوں تو آپ نے فرمایا کہ حافظ قرآن کو باعمل بھی ہونا چاہئے ورنہ اسی حدیث کا مصداق ہو گا۔[3]

میں نے آغا بہجت فرماتے ہیں کہ تیمور لنگ خود کو مجتہد سمجھتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ خود قرآن سے احکام کا استنباط کر سکتا ہے۔ وہ حافظ قرآن بھی تھا بلکہ اس میں یہ خاصیت بھی تھی کہ وہ آخر سے اول (الٹی طرف سے) بھی قرآن پڑھ سکتا تھا۔ ایک جنگ میں اس کا بیٹا قتل ہو گیا اس نے جب دشمن کے گھر پر غلبہ حاصل کر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا تو اپنے بیٹے کے قاتل کو قتل کیا اور اس خون کو پی گیا۔ (نعوذ باللہ)۔ میں نے ایسا مجتہد اور حافظ قرآن نہیں دیکھا۔ اس کا جنگ میں رویہ یہ

---

[1] میزان الحکمہ ج ۹ ص ۳۴۴، حدیث ۱۶۶۵۲

[2] کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۱۱، حدیث ۲۹۱۲۰

[3] یادداشت شمارہ ۱۲

ہوتا تھا کہ اگر دشمن تسلیم ہو جاتا تو ٹھیک وگرنہ اسے کافر قرار دے کر اُس کی جان و ناموس کو مباح قرار دیتا تھا۔ [1]

۶۔ حفظ قرآن اور ذکر میں مداومت

قرآن کو حضور قلب کیساتھ پڑھنا یاد خدا کا کامل ترین مصداق ہے۔ اس صورت میں قاری قرآن جہاں اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے وہاں اس کے فلسفہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق عمل سے بھی آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ قرآن کا پڑھنا ذکر سے افضل ہے۔ [2]

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حافظ قرآن تمام محفوظات کو برقرار رکھنے کے لئے اسے جاری رکھے۔ وہ مجبور ہے کہ اس کا تکرار کرے۔ اسی لئے آغا بہجت نے ایک ملاقات میں ذکر اور ذکر کے تکرار کے اثرات کے بارے میں بتایا کہ کس طرح انسان یقین اور لقاء اللہ کی منزل کو پہنچتا ہے اور کئی بار حفظ قرآن کی اہمیت کو بیان کیا اور فرمایا کہ حفظ قرآن سے ذکر کے تکرار اور یقین کے مرتبے کو پانے کے لئے استفادہ کرو۔ [3]

۷۔ حفظ قرآن میں دوام کے لئے رہنمائی

آغا بہجت نے ایک ملاقات میں پوچھا کہ روزانہ کتنا قرآن پڑھتے ہو؟ تو میں نے کہا میں تو ایک جزو پڑھتا ہوں تو فرمایا ایک جزو ہی کافی ہے۔ [4]

ایک اور ملاقات میں انہوں نے فرمایا: ”تمہارے جو محفوظات (حفظ) ہیں ان کا اس طرح تکرار کرو کہ اکتا نہ جاؤ۔ ایک جزو کو شب و روز میں پڑھنا کافی ہے اور اس کے بھی تین حصے کر لو

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲ ص ۲۱۲،۲۱۱

[2] اعلام الدین، ج ۱۰۲، بحار الانوار ج ۹۲ ص ۲۰۰ حدیث ۱۷

[3] یادداشت نمبر ۲۹ بند ۷

[4] یادداشت شمارہ ۳۱

۔ایک شخص بیان کرتا تھا کہ ۸۰ سال کی عمر میں اس طرح ہو گیا ہوں کہ ایک جزو کو بھی نہیں تکرار کر سکتا۔" [1]

اسی طرح انہوں نے ایک دفعہ اس حدیث کی جانب اشارہ کیا:

" قرآن کو محفوظ کرکے رکھو کیونکہ ایسا نہیں کروگے تو تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا"۔ [2]

پھر فرمایا کہ اگر حافظ قرآن شب و روز میں ایک جزو سے کمتر پڑھے تو بھول جائے گا (البتہ زیادہ قوی حافظہ اس قید سے مستثنیٰ ہے) ور ایک جزو سے زیادہ پڑھے تو تھکاوٹ کا باعث ہوگا۔ [3]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ شب و روز میں ایک جزو سے زیادہ پڑھنا عام افراد کیلئے تھکاوٹ کا باعث ہے اور بعض علماء ہیں کہ وہ شب و روز میں ایک پورا قرآن پڑھ لیتے ہیں۔آغا بہجت نے فرمایا: میرزا مہدی شیرازی ماہ رمضان المبارک ، جس میں راتیں لمبی ہوتی تھیں تو حرم امام حسین علیہ السلام میں صبح تک قرآن کا ایک ختم پورا کرلیتے تھے اور جب دن لمبے ہوتے تھے تو اس دن پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ [4]

اس بارے میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے ان قریبی سالوں میں آقائے میرزا سید مہدی شیرازی جیسا کسی کو نہیں پایا کہ سامرا میں ایک ماہ رمضان میں شب روز میں ایک ختم قرآن کرتے تھے نماز صبح حرم عسکرین میں پڑھتے ہیں اور صبح کو فریضہ نماز کے بعد گھر نہیں جاتے تھے بلکہ قرآن

---

1 یادداشت نمبر ۲۷ بند ۳
2 المستدرک علی الصحیحین، ج ۱ ص ۷۳۹، حدیث ۲۰۳۲
3 (در محضر آیت اللہ بہجت جلد ۱ ص ۱۱۶)
4 (یادداشت شمارہ ۳۱)

کی تلاوت شروع کر دیتے اور حرم سے باہر نہیں آتے تھے مگر تجدید وضو کے لئے۔ اس طرح ایک شب و روز میں رات کو سحری تک یا صبح سے شام تک قرآن ختم کر لیتے تھے ان کو پورا قرآن حفظ تھا۔[1]

۸۔ تلاوت کے وقت خشوع اور تدبر

حضور قلب، قرآن کریم کے مفاہیم پر غور و فکر اور تلاوت کے دوران خشوع و خضوع قراءت قرآن کے ایسے آداب ہیں جن کی صراحت خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ.[2]

''یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اُتارا ہے، یہ بابرکت ہے تاکہ اس کی آیات میں تدبر کرو اور جو صاحبان عقل ہیں وہ اس سے نصیحت حاصل کریں''

ایک اور آیت میں ہے کہ

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ[3]

ترجمہ: کیا مومنین کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا سے اور نازل ہونے والے حق سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ایک طویل مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے؟ اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔

[1] (در محضر آیت اللہ بہجت جلد ۱ ص ۱۳۶)
[2]

آغا بہجت نے فرمایا کہ تبریز میں ایک شخص بہت ہی کمالات رکھتا تھا اور روزانہ قرآن کا ایک صفحہ یا ایک ورق پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں مجھے دی ہیں ایک یہ ہے کہ میں سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری میں روتا ہوں دوسری یہ ہے کہ قرآن پڑھنے میں سستی اور کاہلی نہیں کرتا۔ میرا نظریہ ہے کہ یہ کلام بہت عظمت والا ہے قرآن کی اتنی عظمت ہے کہ خدا فرماتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ[1]

ترجمہ: تحقیق ہم نے قرآن کو تذکر کے لئے آسان بنایا تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔

۹۔ قرآن کی کرامات

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن کے نازل کرنے کی حکمت انسان کی ہدایت اور انسانی معاشرے کے ایک اعلیٰ نمونہ کی تاسیس ہے لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی بہت زیادہ برکات اور اثرات ہیں۔

اہل البیت علیہم السلام کی احادیث میں میں قرآن مجید کے ہدایتی پہلو کے علاوہ اس کی بہت ساری برکات اور کرامات اور خاص قرآن سورتوں کے اثرات و برکات کا تذکرہ ہوا ہے متعدد مفسرین نے نیچے دی گئی آیت کو قرآنی کرامات اور برکات کی طرف واضح اشارہ قرار دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ [2]

---

[1] گویا قسم اٹھائی گئی ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے تاکہ لوگ اس کے وسیلے سے تذکر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اللہ تعالیٰ کے کاموں کو یاد کریں کیا کوئی ایسا ہے جو قرآن سے یہ بات سیکھے اور اللہ پر ایمان لے آئے؟ (تفسیر المیزان، ج ۹، ص ۱۱۴)

[2] (سورہ رعد آیت ۳۱)

کچھ مفسرین کے مطابق "لَو" کا جواب آیت کے آغاز میں جملہ محذوف (لَکان ھذا القرآن) ہے۔ لہٰذا اس بناپر آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ بتحقیق اگر قرآن ایسا ہو جس کے وسیلہ سے پہاڑوں کو چلایا جائے، زمین کو کاٹا جائے، مردوں سے بات کروائی جائے تو یہی وہ قرآن ہے۔" البتہ متعدد مفسرین نے جس میں علامہ طباطبائی بھی شامل ہیں، اس معنی کو سیاق کے خلاف سمجھا ہے اور "لَو" کا جواب جملہ "لَمَا آمنوا بہ" کو قرار دیا ہے (یعنی اس پر بالکل ایمان نہ لاتے)۔

کچھ مفسرین نے ان دونوں احتمالات کو درست سمجھا ہے۔ تو اس طرح یہ معنی حقیقت کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ آیت اللہ بہجت اس بارے میں فرماتے ہیں کہ کیا "لو" کا جواب اس جملہ (لَکان ھذا القرآن) کے علاوہ ہے اور جملہ (بل للہ الامر جمیعاً) یعنی سارا امر اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کا اعجاز صرف ان غیر معمولی عادات کو توڑنے کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

آیت اللہ بہجت نے ایک اور موقع پر اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر ہماری بصیرت والی آنکھ ہو تو خداوند عالم کے فرمان (وَلَو ان قرآناً) کو ہم قدر مسلم جان لیں لیکن اگر چشم بصیرت نہ ہو تو خواہش نفسانی ہمارے اوپر غالب آجاتی ہے اور قرآن کے اس قسم کی معجزات اور کرامات کو اسی طرح محال سمجھتے ہیں جس طرح فلسفہ اور منطق میں دور اور تسلسل کو محال جانا جاتا ہے۔

ایک آغا تھے جس کو میں نے دیکھا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ صاحب کرامت ہیں، اس کے مرنے کے بعد مجھے خبر ہوئی چند آیات مجھے نہیں معلوم کہ اس کو پڑھائی گئی تھیں یا وہ جانتا تھا وہ ان کو ترتیب دیتا تھا اور پھر جو پھل چاہتا تھا اگرچہ اس پھل کا موسم نہ بھی ہوتا تو وہ پھل حاصل کر لیتا تھا۔ ایک آدمی نے بتایا کہ اس نے ایک دفعہ آلو بخارہ حاضر کر لیا جبکہ آلو بخارہ کا موسم بھی نہ تھا۔

بلند ترین انعام اور اللہ کی سب سے بڑی سماوی و غیبی کتاب یہی قرآن ہے۔ اب ہم کس طرح اس کے ساتھ رویہ اپنائیں کہ ہم اس سے بہرہ مند ہو سکیں؟ [1]

آیت اللہ بہجت کی اس بات کی تائید میں بہت ساری چیزیں لائی جاسکتی ہیں ان میں سے آیت اللہ سید جعفر سیدان نے ایک بات نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: مشہد میں جن دنوں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میری گردن کے پیچھے ایک خاص قسم کا پھوڑا نکل آیا۔ میں ڈاکٹر شاملو (جو پروفیسر ڈاکٹر شاملو کے والد تھے) کے پاس علاج کے لئے گیا اور انہی دنوں آقا شیخ مجتبیٰ قزوینی کے درس اشارات میں شرکت کرتا تھا۔ یہ درس وہ اپنے گھر میں دیا کرتے تھے۔ ایک دن درس کے دوران پھوڑے کی وجہ سے بہت تکلیف تھی جب درس ختم ہوا تو انہوں نے کہا بیٹھ جاؤ میرا تم سے کام ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ مسلسل اپنی گردن پر ہاتھ پھیر رہے ہو۔ میں نے انہیں سارا واقعہ بتایا کہ اس قسم کا پھوڑا ہے اور ڈاکٹر کے پاس بھی گیا ہوں مگر بہت درد ہے۔ انہوں نے اپنی انگلی پھوڑے کے گرد گھمانا شروع کر دی اور پڑھا۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

ان ابرموا امرا فانا مبرمون [2]

"کیا انہوں نے کوئی بات ٹھان لی ہے، ہم نے بھی کچھ ٹھان لیا ہے۔"

جیسے ہی میں ان کے گھر سے باہر نکلا تو پھوڑے کا کوئی نشان ہی نہیں تھا۔ اسی طرح ایک اور آدمی جس کی سچائی پر مجھے اطمینان ہے کہ میں ایک آدمی کو پہچانتا ہوں جو بعض اوقات مُردوں سے بات کرتا تھا۔ ایک خاص آیت قبر پر جا کر پڑھتا تھا اور پھر مردے سے بات کیا کرتا تھا۔

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۳

[2] زخرف آیت ۷۹

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ سیاحت کے لیے گئے ہوئے تھے کہ سمندر کے کنارے پہنچے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے پورے یقین کے ساتھ بسم اللہ پڑھی اور اسی طرح جس طرح خشکی پر چل رہے تھے پورے یقین کامل کے ساتھ پانی پر چلے اور جو آدمی آپ کے ساتھ تھا، وہ بھی یقین کے ساتھ بسم اللہ پڑھ کر پانی پر چل رہا تھا۔ جب وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے پیچھے چل رہا تھا تو اس کے ذہن میں آیا میں بھی اس نبی خدا کی طرح پانی پر چل سکتا ہوں تو میرے اور عیسیٰؑ میں کیا فرق ہے۔ میرے اوپر عیسی کی کیا فضیلت ہے۔ جیسے ہی یہ خیال اس کے ذہن میں آیا اور وہ خود پسندی میں گرفتار ہوا، اس کا یقین ٹوٹا تو پانی میں غرق ہونے لگا۔ آواز دی یا عیسیٰ میری مدد کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے کھینچ کر باہر لے آئے اور اس سے پوچھا تم نے کیا کہا تھا تو اس آدمی نے ساری بات بتائی جو اس کے ذہن میں آئی تھی۔ [1]

بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی کرامات میں حقیقت ہے حتی کہ قرآن کی چھوٹی سی آیت کے ذریعے پانی پر بھی چلا جا سکتا ہے اور پاؤں تر بھی نہیں ہوتے۔ تاہم قرآن کی کرامات سے بہرہ مند ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ وہ کر سکتا ہے جس نے معنوی کمالات میں کچھ مقامات حاصل کر لیے ہوں۔

(میری زندگی میں بھی ایسے واقعات گزرے ہیں کہ بعض افراد قرآن کی بعض آیات کو خاص بیماریوں کے لئے پڑھتے ہیں یا کسی کو کہتے ہیں کہ یہ آیت ہے اس کا ورد کرو تو اس کی وجہ سے اس بیمار کی بیماری دور ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قرآنی آیت کے ذریعے بیماریوں کا علاج اور ایسی بیماریاں جن کے بارے میں ڈاکٹر جواب دے دیتے ہیں، ان کا علاج ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالی ہمیں یقین کی وہ منزل عطا کرے کہ ہم قرآن کے ان معنوی کمالات اور کرامات پر یقین حاصل کریں اور ان کو حاصل کر کے ان سے استفادہ بھی کریں۔) مترجم

---

[1] الکافی جلد ۲، ص ۳۰۲ حدیث)

۱۱۔ قرآن کی تفسیر اس بنیاد پر کہ ایک لفظ کو کئی معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے

"ایک لفظ کا کئی معانی میں استعمال ہونا" اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو بہت ساری آیات اور احادیث سے مطالب اور معانی لینے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ (اللہ الصمد)[1] کے بارے میں ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے پانچ معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔[2]؛ جبکہ ان معنی میں کوئی قدر مشترک بھی نہیں ہے۔ صمد اسے کہا جاتا ہے کہ جس کی طرف لوگ اپنی ضروریات کے لئے احتیاج رکھتے ہوں اور اس کی طرف رخ کریں۔ اسی طرح صمد وہ ہے جو اندر سے خالی نہ ہو۔ یعنی جو حقیقت پر بسیط ہے۔ ان معانی کا کوئی جامع نہیں ہے اور ان کی کوئی وجہ مشترک ابھی تک کسی نے نہیں کہی اور ایسا بھی نہیں ہے کسی ایک جامع اور مشترک معنی میں استعمال ہوا ہو۔[3]

۱۲۔ آیت الکرسی سے مراد

عرف عام میں آیت الکرسی ان آیات کو کہا جاتا ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ

---

[1] سورہ اخلاص آیت نمبر 2

[2] الکافی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳، بحار الانوار ج ۳ ص ۲۲۰

[3] در محضر آیت اللہ بہجت جلد ۱ صفحہ ۲۹۱،۲۹۲

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [1]

علما کے درمیان اس بارے بحث موجود ہے کہ آیت الکرسی صرف پہلی آیت یعنی آیت نمبر: ۲۵۵ ہے یا بعد والی دو آیات بھی اس کا حصہ ہیں؟

معلوم ہوتا ہے لفظ "آیۃ" میں موجود "تا" وحدت کا معنی ادا کرتی ہے۔ لہٰذا آیت الکرسی ایک ہی آیت ہے اگر کوئی نقلی دلیل آیت الکرسی کے وحدت یا تعدد کے بارے میں موجود نہ ہو تو لفظ آیت الکرسی کا اطلاق ایک ہی آیت پر ہوتا ہے۔ بہت ساری احادیث ہیں جو بتاتی ہیں کہ آیت الکرسی ایک آیت ہے ایک سے زیادہ نہیں۔ کچھ احادیث جو واضح کرتی ہیں کہ آیت الکرسی فقط ایک آیت ہے۔ [2] اور کچھ دیگر بھی اس معنی کو ادا کرتی ہیں۔ [3]

مفسرین فقہاء نے بھی اسی ایک آیت کے بارے میں تشریح کی ہے کہ بطور احتیاط وصیت کرتے ہیں کہ ہم ھم فیھا خالدون تک پڑھیں۔ [4]

آیت اللہ بہجت نے اس بارے میں فرمایا نیمہ شعبان کی رات کے لئے چار رکعت نماز وارد ہوئی ہے ہر رکعت میں سورہ الحمد کے بعد ایک ہزار مرتبہ آیت الکرسی پڑھنی ہے۔

جبل عامل لبنان کا ایک عالم اس بارے میں بیان کرتا ہے کہ میں نے اس نماز کو مغرب اور عشاء کے بعد شروع کیا لیکن صبح کی اذان تک فقط میں ایک رکعت پڑھ سکا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز معصوم سے وارد ہوئی ہو لیکن اس کو انجام دینے کا امکان ہی نہ ہو؟ اس کا راستہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آیت الکرسی کو پڑھیں اور پھر رات کی گھڑیاں ہیں اس کا حساب کریں اور پھر دیکھیں ہر

---

[1] سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۵ تا ۲۵۷

[2] امام جعفر صادق سے منقول اسماعیل بن عباد کی حدیث ۔ کافی جلد ۸ صفحہ ۲۹۰ حدیث نمبر ۴۳۸

[3] ابوذر کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ الخصال صفحہ نمبر ۵۳۰ حدیث نمبر ۵۱۳

[4] تحریر الوسیلہ جلد ۱ صفحہ ۹۶، جواہر الکلام جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۲۱۵

گھنٹے میں کتنی دفعہ پڑھ سکتا ہے اور پوری رات میں کتنی پڑھ سکتا ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نماز کو پوری رات میں پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ البتہ سال میں راتیں چھوٹی بھی ہوتی ہیں اور لمبی بھی۔ پھر دعا و زیارات بھی پڑھنی ہوتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم یہ کہیں کہ آیت الکرسی سے مراد وہی پہلی آیت ہے (هم فیها خالدون) تک نہیں ہے۔[1]

جس کے بعض موارد میں خالدون کو پڑھنے کی قید لگائی گئی ہے۔ کیونکہ آیت میں اصل یہ ہے کہ یہ ایک آیت ہو۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ بعض احادیث سے یہ اشارہ ملتا ہے یا وہم پیدا ہوتا ہے کہ آیت الکرسی تین آیات پر مشتمل ہے[2]، لیکن سند اور معنی کے اعتبار سے اس قسم کی احادیث دوسری قسم کی احادیث کے ساتھ معارض نہیں ہیں جن کی طرف پہلے اشارہ ہوا ہے۔

تو اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آیت الکرسی وہی ایک آیت ہے۔ لیکن بعض فقہاء کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ (هم فیها خالدون) تک پڑھا جائے اور جن روایات اور احادیث سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آیت الکرسی (هم فیها خالدون) تک ہے اور جن میں یہ تصریح ہے کہ فقط ایک آیت ہے تو ان کا آپس میں ٹکراؤ نہیں ہے۔ لہٰذا اصل تو یہ ہے کہ یہ ایک ہی آیت ہے لیکن اضافہ (هم فیها خالدون) تک پڑھنا بھی ٹھیک ہے لہٰذا وہ نماز جس میں ہزار مرتبہ آیت الکرسی پڑھنے کا حکم آیا ہے یا سو مرتبہ پڑھنا ہے تو وہاں فقط وہی ایک آیت پڑھی جائے تو بھی کافی ہو گا۔ (مترجم)

---

1 بقرہ آیت ۲۵۵

2 تفسیر القمی جلد ۱ صفحہ ۸۴، بحار الانوار ج ۱۰۲ صفحہ ۲۴۴ حدیث نمبر ۷، بحار الانوار جلد ۹۹ صفحہ نمبر ۵۶، ۳۸، حدیث نمبر 45، بحار الانوار جلد ۹۱ صفحہ ۲۷

۱۳۔ خوش خط اور اغلاط سے محفوظ قرآن

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں ایسا قرآن جو خوش خط اور اغلاط سے پاک چھپا ہو ملنا مشکل ہوتا ہے۔ سلطان عبدالحمید عثمانی کے زمانے میں حافظ عثمان نے یہ ضمانت دی تھی کہ جس قرآن کو اس نے چھاپا ہے اگر اس میں کوئی غلطی ڈھونڈے تو اس کو دولیرا انعام دیا جائے گا۔ قم میں میں نے حافظ عثمان کے لکھے ہوئے قرآنی نسخے دیکھے۔ معلوم نہیں وہ کاپی تھی یا اصل۔ بہرحال اس قرآن کا باقی قرآن سے امتیاز یہ ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہے اور حکومت عثمانی کی ضمانت ہے کہ اس چھاپ میں کوئی غلطی نہیں ہے لیکن یہ قرآن عام لوگوں کی دسترس میں نہیں ہے۔ [1]

۱۴۔ قرآن کی سورتوں کے ساتھ مکی اور مدنی لکھنا

قاری قرآن کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس سورہ کو وہ پڑھ رہا ہے وہ سورہ مکی ہے یا مدنی۔ کیونکہ قرآن کے معارف اور معانی کو سمجھنے میں یہ موثر اور مفید ہے۔اسی لئے آیت اللہ بہجت کا یہ نظریہ تھا کہ ضروری ہے کہ قرآن کی سورتوں کے ساتھ مکی اور مدنی لکھا جائے۔ وہ قرآن جو آیت اللہ مشکینی کی نگرانی میں چھپا تھا، اس میں یہ خصوصیت موجود نہیں تھی۔اسی لیے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آقای مشکینی نے میرے لیے دو قرآن بھیجے ہیں، ایک قرآن ایسا تھا جس میں سورتوں کے ساتھ مکی یا مدنی ہونا لکھا ہوا تھا اور ایک وہ تھا کہ جس میں نہیں لکھا ہوا تھا تو آپ ان سے کہہ دیں کہ جس میں سورتوں کے ساتھ مکی اور مدنی لکھا ہوا ہے وہ مجھے پسند ہے اور جس میں مکی اور مدنی نہیں لکھا ہوا وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔ لہٰذا سورتوں کے ساتھ مکی اور مدنی لکھا جائے۔ [2]

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت جلد ا صفحہ نمبر ۷۰، ۷۱۔

حافظ عثمان جو تھا اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن عبدالحمید عثمانی کے زمانے کا ہے لیکن جو عثمانی حکومت کے دور میں حکومت کی مہر اور دستخطوں سے چاپ ہوئی اس قرآن میں کوئی غلطی نہیں ہے وہ اب بھی مصر، شام اور ترکی میں چھپتا ہے۔

[2] یادداشت شمارہ ۲۳، بند ۳، یادداشت شمارہ ۲۸ بند ۹

یہ بات ذہن میں رہے کہ کچھ سورتیں ہیں جن کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور کچھ سورتوں کی بعض آیات کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور بعض مدینہ میں۔ مثلاً زیادہ آیات فرض کرو مدنی ہیں تو ایک یا چند آیات مکی ہیں یا زیادہ آیات مکی ہیں اور ایک یا دو آیات مدنی ہیں تو اس میں اختلاف نظر موجود ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس سورہ کے ساتھ مکی لکھا ہوا ہو تو اس کی ساری آیتیں ہی مکی ہو یا جس کے ساتھ مدنی لکھا ہوا ہو تو اس کی ساری آیات مدنی ہوں اور یہ بھی نہیں ہے کہ جس سورۃ کے ساتھ مکی یا مدنی لکھا گیا ہو اس میں اختلافِ نظر موجود نہ ہو۔ البتہ کلی طور پر مدنی اور مکی لکھنا قاری کے لیے اس سورہ کے مطالب کو سمجھنے میں بہت ہی مددگار ہے۔ باقی اختلافِ نظر کو تفسیر میں رجوع کر کے حل کیا جاسکتا ہے۔ (مترجم)

فصل دوم حدیث

اس فصل میں ایسے نکات کو اکٹھا کیا گیا ہے جو آغا بہجت نے کچھ حدیثی منابع یا راویوں کی شناخت کے بارے میں یا کچھ احادیث کے معنی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیے۔

۱۔ مضمون اور معنی کے معیار پر روایات کا جائزہ لینا

آغا بہجتؒ کا نظریہ تھا کہ کچھ احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں سند کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ ضرورت ہی نہیں ہے کہ ان کی سند کے پیچھے جائیں بلکہ اس کا متن، معنیٰ اور مضمون اتنا مضبوط ہو کہ اسی سے ہم اس حدیث کے صحیح ہونے کو جان سکتے ہیں اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث معصوم سے ہی مروی ہے۔ ایک ملاقات میں انہوں نے فرمایا کہ کچھ احادیث ایسی ہیں جن کی سند کی ضرورت نہیں بلکہ متن اور مضمون کی مضبوطی اس کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے۔ جیسے مناجات خمسہ عشر (پندرہ مناجات ہیں جو امام علی زین العابدین سے منقول ہیں) یا دعائے صباح (صبح کے وقت پڑھی جانیوالے دعا) یا وہ روایت جو خلقت عقل کے بارے میں ہے۔ مجھے اس پر یقین ہے اور متاخرین کی کتابوں میں میں نے دیکھا ہے، لیکن یہ مجھے یاد نہیں کہ کہاں دیکھا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے۔

لما خلق العقل قال له أقبل فأقبل، ثم قال له أدبر فأدبر، فقال تعالى: وعزتي وجلالي ما خلقت خلقا هو أكرم علي منك، بك أثيب وبك أعاقب، وبك آخذ وبك أعطي.[1]

ترجمہ: جب اللہ نے عقل کو خلق کیا تو اسے حکم دیا آگے بڑھ۔ عقل آگے بڑھا تو اللہ تعالی نے اس سے کہا کہ میں کون ہوں؟ عقل نے کہا مَیں ہوں اور تُو تُو ہے۔ اللہ تعالی نے حکم دیا: پیچھے ہٹ جا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اللہ نے اسے کہا کہ میں کون ہوں؟ اور تو کون ہے؟ تو عقل نے کہا کہ میں عبد ذلیل ہو اور تو جلالت و عظمت والا رب ہے۔

---

[1] یادداشت نمبر ۲۰، بند ۴

اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل جب نور کے سامنے آیا تو اس نے محسوس کیا کہ میں کچھ ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ نور حق تعالی کا آئینہ دار ہے اور وہ خود کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لئے کہتا ہے کہ میں میں ہوں اور تو تو ہے۔ لیکن جب وہ پیچھے آتا ہے اور محض اندھیرے اور تاریکی میں چلا جاتا ہے تو اسے سمجھ آتی ہے کہ اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تو وہ کہتا ہے میں عبد ذلیل ہو اور تو جلالت و عظمت والا رب ہے۔ کیونکہ جب آئینہ سامنے ہو تو وہاں نہیں جانتا کہ وہ خود کچھ بھی نہیں ہے بلکہ اس نور کی وجہ سے وہ آیا لیکن جب اس سے پیچھے جائے تو پیچھے کچھ بھی نہیں ہے۔ آیت اللہ بہجت نے بات میں اضافہ کیا کہ کیا اس روایت کو سند کی ضرورت ہے؟ یہ تو توحید اور عقل کے حکم کی طرف سے رہنمائی ہے۔ [1]

آیت اللہ بہجت نے مجھے کہا کہ تم اس روایت کا منبع اور حوالہ تلاش کرو لیکن میں نے بہت زیادہ کوشش کی۔ ابھی تک متاخرین کی کتابوں میں اس کے مصدر اور منبع کو نہیں تلاش کر سکا۔ [2]

اسی طرح آغا بہجت دعائے صباح کے متن کو نص کے صحیح ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے۔ مرحوم سید مرتضی کشمیری ماہ رمضان میں مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد دو گھنٹے تعقیبات پڑھتے

---

[1] (یادداشت نمبر ۲۵ بند ۴)

[2] وضاحت: سند کی جستجو میں دو مختلف متن سامنے آئے البتہ معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

۱۔ ایک متن اس طرح ہے کہ: ما خلق اللہ تعالی العقل وقفه بین یدیه۔۔۔۔۔ (اسرار التوحید، تصحیح شفیعی کدکنی صفحہ نمبر ۳۰۷، ۷۷۳) یعنی جب اللہ تعالی نے عقل کو خلق کیا تو اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔ اللہ نے اس سے کہا میں کون ہوں تو وہ حیران ہو گیا۔ تو اللہ تعالی نے اسے اپنی وحدانیت کے نور کا سرمہ ڈالا۔ پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو عقل نے کہا آپ ایسے معبود ہیں جس کے علاوہ کوئی لائقِ عبادت نہیں ہے۔ بس عقل کے لئے اللہ کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں تھا سوائے خود اللہ کی اپنی معرفت کرانے کے۔

۲۔ دوسرے متن میں حضرت جبرائیلؑ سے ان کی خلقت کے آغاز کے متعلق منقول ہے کہ اللہ تعالی نے کئی مرتبہ سوال کیا کہ میں کون ہوں اور تو کون ہے؟ ہر دفعہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کو خطاب کرکے اس طرح جواب دیتے تھے کہ میں میں ہوں اور تو تو ہے تو کبریائی کی سطحوں میں وسیلہ سے جلتا ہے اور قرب کی بلندی سے گرتا ہے۔ یہاں تک کہ فریادرس عالم ارواح اور عالمِ ارواح کے مددگار، کونین کے مولا علی علیہ السلام ظاہر ہوتے ہیں اور جبرئیلؑ کو تعلیم دیتے ہیں کہ جبریل اس طرح جواب دو کہ تو جلالت والا مالک ہے میں ذلیل اور حقیر عبد ہوں۔ جب جبرائیل نے یہ جملہ کہا آپ تو بعد و فراق کی آگ میں جلنے سے چھٹکارا پا گیا۔ (الفوائد الرضویہ قاضی سعید قمی ص ۱۱، الانوار النعمانیہ جلد ۱ ص ۱۵)

تھے۔ ان سے نقل ہوا ہے کہ وہ نماز صبح کی تعقیب میں دعائے صباح کو اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ اس کی سند کے بارے میں اطمینان نہیں تھا کہ آیا یہ معصوم سے جاری ہوئی ہے یا نہیں؟ جبکہ دعائے صباح کا متن خود اہل البیت علیہم السلام کے گھرانے سے صادر پر ایک سچا گواہ ہے کہ یہ دعا کسی اور سے صادر نہیں ہو سکتی کہ جسے غلط طریقے سے ذکر شدہ دعاؤں میں ڈال دیا گیا ہو۔ [1]

قابل توجہ نکتہ

آیت اللہ محمدی ری شہری لکھتے ہیں کہ متن کی قوت اور حدیث کے مضمون کی وجہ سے اس حدیث کو صحیح اور معصوم سے منتقل سمجھنے میں یہ قابل توجہ نکتہ ہے کہ ہر متن جو صحیح اور مضبوط بھی ہو تو لازمی نہیں کہ ہم کہیں کہ یہ معصوم ہی نے کہا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بات صحیح ہو لیکن معصوم نے اسے نہ کہا ہو۔ معصومین علیہم السلام سے جو بھی کلمات جاری ہوئے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن اس کے برعکس نہیں کہہ سکتے کہ ہر وہ بات جو صحیح ہے وہ معصوم نے ہی کہی ہے۔ اس کے لئے کچھ قرائن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں کوئی خاص شخص کسی قرینہ یا نشانی سے اس روایت کے معصوم

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲ ص ۹۱،

قابل توجہ امر یہ ہے کہ آیت اللہ بہجت کا یہ نظریہ تھا کہ دعا اللہ سے ہم کلام ہونا ہے اور جو دعائیں منقول ہیں ان کے پڑھنے کا کوئی خاص وقت اور جگہ نہیں ہے جیسے قرآن کو سر پر رکھ کر ائمہ کے ساتھ توسل کرنا بہت عمدہ اور عظیم عمل ہے مگر اس کا تعلق فقط شب قدر سے نہیں ہے یہ ہماری بیچارگی ہے کہ ہم محروم ہیں اور فقط شب ہائے قدر میں ایسا کرتے ہیں اور اس سے فیض لیتے ہیں۔ دعا ہمیشہ کے لئے ہے فقط یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس مقصد کے لئے ہے اور کون سی جگہ کے لئے ہے؟ اسی طرح ممکن ہے کہ انسان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے کلام سے اس طرح مانوس ہو جائے کہ وہ ان کے کلام کو ان کے غیر کے ہاں بھی پڑھی ہو تو اس کو بھی تلاش کرکے موجود پائے۔ جیسے مرحوم کربلائی کاظم ساروقی (جو ایک بستی میں جاہل اور ان پڑھ شخص تھا اللہ تعالی کے عنایت اور اللہ کے اولیاء کی کرامات سے وہ ایک ہی لمحہ میں کل قرآن کا حافظ ہو گیا تھا) بہت سارے بکھرے ہوئے فقہی مطالب کے درمیان لکھی ہوئی ایک آیت کو دیکھتا تھا تو بغیر متن کے مطالعہ کیے صرف دیکھ کر اس آیت پر جا کر ہاتھ رکھ دیتا تھا کہ یہ آیت ہے۔ وہ کہتا تھا کہ قرآن نور رکھتا ہے باقی ساری سطریں سیاہی سے لکھی ہوئی ہیں اور وہ سیاہ ہیں۔ جو نہیں چمک رہی ہوتی جب کہ قرآن کی آیت چمک رہی ہوتی ہے تو اس لیے میں اس پر ہاتھ رکھ دیتا ہوں۔ علی بہجت کہتے ہیں کہ میں نے اس کا یہ عمل خود دیکھا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل البیت علیہم السلام کا کلام بھی ایسے ہی ہے۔ یعنی جو ان کے کلام اور ان کی گفتگو کے انداز سے مانوس ہو تو بہت ساری بکھری ہوئی دعاؤں میں اس پر ہاتھ لگاتے ہیں جو دعا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی معصوم علیہ السلام سے صادر ہوئی ہو۔

سے صادر ہونے کا یقین حاصل کرلے تو وہ روایت خاص اسی شخص کے لئے دلیل ہے اور اسے اس پر عمل بھی کرنا ہوگا لیکن باقی افراد کے لئے ایسا نہیں گا۔"

۲۔ دعاے عرفہ میں اضافہ جات کی نسبت امام حسینؑ کی طرف دینا

آغا ری شہری فرماتے ہیں کہ میں نے آیت اللہ بہجت سے سوال کیا کہ سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب "الاقبال" میں امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب دعائے عرفہ میں کچھ اضافہ جات بیان کئے ہیں تو ایک اضافہ جو اصل دعا میں نہیں ہے۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ آغا بہجت نے فرمایا: میرے دوستوں میں سے ایک نے اپنے دوست کی بات نقل کی کہ میں نے روز عرفہ اس دعا کو ان اضافہ جات کے ساتھ پڑھا۔ اور پھر خواب میں ابن طاؤس کو دیکھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جو اضافہ ہے میں نے لکھا ہے تو اس طرح سید ابن طاؤس نے یہ بات قبول کی کہ یہ اضافہ ان کی جانب سے ہے۔ [1]

ایک اور مقام پر آغا بہجت نے فرمایا: "مرحوم سید ابن طاؤس نے ائمہ علیہم السلام کی راویات اور دعاؤں کا اس طرح احاطہ کیا ہوا تھا کہ وہ پہلے شخص تھے جو بعض اوقات خود سے بھی دعا انشاء کردیتے تھے۔ دعا عرفہ کے ذیل میں بھی جو اضافہ ہے یا تو وہ روایت ہے یا خود سید نے اضافہ کیا ہے۔ بہرحال اس کے مضمون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ توحیدی مطالب ہیں جو متعارف علوم سے بالاتر ہیں۔"[2]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ دعا عرفہ کا جو دوسرا حصہ ہے (الٰهی أَنَا الفقير) سے شروع ہوتا ہے اور دعا کے آخر تک، یہ مضمون کے اعتبار سے حسبِ ظاہر پہلے حصے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔

---

[1] (یادداشت، شمارہ ۱۹)

[2] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲ ص ۴۱۱

یہ اس دعائے عرفہ کا ایک جزو ہے اور امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے یا نہیں؛ اس کے متعلق چند آرا ہیں۔

۱۔ مرحوم فیض کاشانی اپنی کتاب ''المحجة البیضا'' میں ان جملوں کو امام حسین علیہ السلام کے کلام سے نسبت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں '' امیر المومنینؑ کے فرزند امام حسین سید الشہداء علیہ السلام نے فرمایا کہ کس طرح کسی چیز سے تیرے وجود پر استدلال ہو جبکہ وہ خود اپنے وجود میں تیری محتاج ہے۔''

ممکن ہے ہم اس سے یہ استنباط کریں کہ مرحوم کاشانی مطمئن تھے کہ یہ حصہ دعائے عرفہ ہی کا حصہ ہے۔

۲۔ کچھ علماء اس دعا کے مضبوط متن، گہرے اور بلند مطالب کو نشانی قرار دیتے ہیں کہ یہ امام حسین علیہ السلام سے صادر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ عالم ربانی آیت اللہ سعادت پرور (پہلوانی)اس دعا کے امام حسین علیہ السلام سے صادر ہونے کے بارے میں متن کی مضبوطی کو بنیاد بناتے ہیں۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے میرے لئے (یعنی ری شہری کیلئے) یہ بات کہی کہ ''کون ہے جو اس قسم کے حقائق کو بیان کرے؟ ہم نے ایک عمر فلسفہ اور عرفانی مسائل میں گزار دی ہے اور کوشش کی ہے۔ ہم نے دن رات سرمارا ہے سردی گرمی میں مصروف رہے مگر ہم اس قابل نہیں ہوئے اور نہ ہی اس قسم کی بات کر سکتے ہیں''

۳۔ آیت اللہ عبد اللہ جوادی آملی فرماتے ہیں کہ قرائن اور شواہد موجود ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعائے عرفہ سید الشہدا علیہ السلام سے ہی صادر ہوئی ہے۔

ا۔ سید ابن طاؤس جو شیعہ امامیہ کے بزرگان میں سے ہیں ۔انہوں نے اپنی قیمتی کتاب ''اقبال الاعمال'' میں اس دعا کو نقل کیا ہے اور ان کے نقل کرنے میں

کوئی خدشہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر چہ بناء برنسیان اس کتاب کے بعض نسخہ نویسوں نے ہاتھ سے لکھے گئے نسخوں میں دعائے عرفہ کے اضافہ جات کو نہیں لکھا لیکن استاد بزرگوار مرحوم علامہ شعرانی نے لکھا ہے: آستان قدسی رضوی کی لائبریری میں "اقبال الاعمال" کاایک قدیمی اور معتبر نسخہ موجود ہے جس کو میں نے دیکھا تواس میں دعاکا ذیل (اضافہ) بھی موجود تھا۔

۲۔ اس نورانی دعاکے بلند اور اعلیٰ مطالب گواہ ہیں کہ یہ دعا امام معصوم علیہ السلام کی زبان سے جاری ہوئی ہے۔

۳۔ دعائے عرفہ کے آغاز میں عمومی مطالب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا۔ اللہ کی ذات اقدس کے سامنے مشکلات کو رکھنا اور اپنی علمی اور مادی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھنا وغیرہ یہ ایسے مطالب ہیں جو دعائے عرفہ کی مباحث میں بلند پایہ اور چوٹی کے مطالب ہیں دعاکے اختتامی حصہ میں جو مطالب ہیں اُن کی امام حسین علیہ السلام کے دوسرے مقام پر گفتگو سے شباہت پائی جاتی ہے۔[1]

۴۔ علامہ مجلسی نے اس حصہ کے ماثور ہونے کی تردید کی ہے اور ساتھ ہی اس احتمال کو قوی قرار دیا ہے کہ یہ جملے بعض صوفیا مشائخ سے صادر ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کو کفعمی نے "البلد الامین" میں اور سید ابن طاؤس نے "مصباح الزائر" میں ذکر کیا ہے لیکن ان دونوں کے آخر میں تقریبا ایک صفحہ یعنی (الٰھی انا الفقیر وفی غنائی) سے آخر دعاتک میں کچھ جھکاؤ ہے۔ یہ حصہ "اقبال الاعمال" کے بعد بعض قدیم نسخوں میں بھی موجود نہیں ہے۔اس صفحہ کی عبارت معصومین علیہم السلام کی دعاؤں کے ساتھ بھی

[1] نیم نگاہی، بہ شرح آیت اللہ جوادی آملی بر دعائے عرفہ، سید جواد حسینی، میقات حج ص ش ۴۲، ص ۱۸۵

سازگار نہیں ہے۔ بلکہ صوفیا کے ذوق اور مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ اسی لیے بعض فضلاء نے یہ کہا ہے کہ آخری صفحہ مشائخ صوفیا کے اضافہ جات میں سے ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہ اضافہ یا توان مشائخ کی کتابوں سے لایا گیا ہے اور سید ابن طاووس حقیقت حال سے بے خبر تھے اور وہ ان جملوں کو کتاب اقبال الاعمال میں لے آئے یا کچھ افراد نے اقبال الاعمال میں اسے لکھ دیا۔ جیسا کہ انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ یہ آخری صفحہ اقبال الاعمال اور المصباح الزائر کے قدیمی نسخوں میں موجود نہیں ہے۔اسی دوسری رائے کا زیادہ احتمال موجود ہے (یعنی بعض افراد نے اقبال الاعمال میں اضافہ کیا ہے) البتہ اللہ تعالی حقیقت حال سے آگاہ ہے۔ [1]

۵۔ مرحوم سید جلال الدین ہمائی اپنے "مولوی نامہ" کے مقدمہ میں ایک حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ ایک نیا نکتہ ہے کہ شاید اس حقیر سے تم پہلی بار سن رہے ہو۔ یہ سارے جملے بعینہ بغیر کسی کمی اور اضافہ کے میں نے "کتاب العطائیہ" کے قدیم نسخے میں دیکھے ہیں جو ابن عطا اللہ تاج الدین ابوالفضل محمد بن محمد اسکندرانی شاذلی کے عرفانی مقامات اور دعوات پر مشتمل ہے جو ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی وفات ۷۰۹ ہجری قمری میں ہوئی ہے مجھے یقین ہے کہ اس بارے میں خلط ہوا ہے البتہ اس کی تفصیل اس حواشی کے دائرہ سے باہر ہے۔ واللہ اعلم [2]

۶۔ آیت اللہ سید محمد حسین حسینی تہرانی اپنی کتاب "اللہ شناسی" میں یہ جملے ابن عطاء اللہ اسکندرانی کے قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان جملوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ اس بارے میں

[1] بحار الانوار جلد 95 صفحہ ۲۲۸

[2] مولوی نامہ، ج ۲ ص ۱۸۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مرحوم سید ابن طاؤس جن کی وفات ۵ذوالقعدہ ۶۶۴ہجری میں ہوئی ،نے یہ جملے ابن عطاء اللہ جن کی وفات جمادی الثانی ۷۰۹ہجری قمری میں ہوئی، سے لئے ہوں اور پھر ان کی امام حسین علیہ السلام کی طرف نسبت دے دی ہو ان دونوں بزرگان کی سن وفات کے درمیان چوالیس سال اور سات ماہ کا فاصلہ ہے۔ گویا سید ابن طاؤس نے ان دعاؤں کے لکھنے والے یعنی ابن عطاء اللہ سے تقریباً آدھی صدی پہلے وفات پائی۔ للذا حتمی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ روزہ عرفہ میں امام کی دعا کے ساتھ ان جملوں کا الحاق کتاب اقبال الاعمال میں سید طاؤس کی وفات کے بعد ہوا ہے۔ لہٰذا علامہ مجلسی کا دوسرا احتمال یقینی ہے کہ یہ تبدیل ہوا ہے۔ان کا پہلا احتمال کہ یہ صوفیاء کی بعض کتابوں میں آیا ہے اور ابن طاؤس نے حقیقت حال سے غفلت کی وجہ سے کتاب میں لکھ دیا، یہ صحیح نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ عالم و عارف سید ابن طاؤس کی شان اور عظمت کے خلاف ہے کہ وہ اپنی کتاب میں کسی صوفی کے جملے درج کر دیں اور ان کو پتہ بھی نہ چلے اور پھر امام کی جانب اس کی نسبت دے دیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سید نے اپنی کتاب مصباح الزائر میں درج نہیں کیا اور اسی طرح جو اقبال الاعمال کے پرانے نسخے ہیں جو ان کی زندگی میں موجود تھے، ان میں بھی نہیں ہے اور ان کے بعد یہ جملے بڑھا دیے گئے۔ لیکن چونکہ علامہ مجلسی کتاب "حکم عطائیہ" (سید عطا اللہ اسکندرانی کی کتاب سے) سے بے خبر تھے اور مؤلف کے زمانہ تالیف سے آگاہ نہیں تھے اس لیے ان سے اشتباہ ہوا۔

خلاصہ بحث یہ ہے یہ دعا بہت عمدہ ہے اور اس کے مضامین بہت اعلی وارفع ہے اور اس کو ہر وقت پڑھا جاسکتا ہے اور ہر موقع پر اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اس پوری دعا کی نسبت سیدالشہداء علیہ السلام کی طرف دینا یہ درست نہیں ہے۔ [1]

یہ بات قابل غور ہے کہ شیعہ بزرگ علماء اور محققین نے دعا کے جس حصہ کی سیدالشہداء علیہ السلام سے منسوب ہونے کی نفی کی ہے ،وہ ابتدائی نہیں ہے اور یہ ضمنی طور پر اشارہ ہے کہ دوسرا حصہ کی نسبت میں احتمال موجود ہے۔ جیسے مستدرک الوسائل ، جامع احادیث شیعہ میں ذکر کیا ہوا ہے۔

دعائے عرفہ کے منابع کا جائزہ

دعائے عرفہ کا پہلا مصدر و منبع سید ابن طاؤس (متوفی ۶۶۴ق) کی کتب الاقبال اور مصباح الزائر ہیں ان کے بعد ان کے فرزند علی (متوفی ۷۱۱ ہجری قمری) نے اس دعا کو "زوائد الفوائد" میں "الاقبال" سے نقل کیا ہے۔ البتہ کفعمی (متوفی ۹۰۰) نے بلد الامین میں اس دعا کو مصباح الزائر سے نقل کیا ہے۔علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ق) نے اس بھی اس دعا کو سید ابن طاؤس کی مصباح الزائر سے نقل کیا ہے اور دعائے عرفہ کا اصلی حصہ منقول ہے لیکن اس کا جو آخری حصہ ہے (الٰھی انا الفقیرفی غنائی تا آخر) اس میں ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں ہے۔اب ہم ان کتابوں میں اس حصہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ اقبال الاعمال

دعائے عرفہ کا ذیلی حصہ کتاب "اقبال الاعمال" کے تمام چاپ شدہ نسخوں میں موجود ہے لیکن کچھ مخطوطہ نسخوں میں ایسا نہیں ہے۔اس کتاب کے 43 خطی نسخوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ [1]

[1] اللہ شناسی جلد 1 صفحہ 272، 271.

دس سے زائد نسخوں میں اصل دعائے عرفہ موجود ہی نہیں ہے اور چند نسخوں میں دعا کا ذیلی حصہ (اضافہ) موجود نہیں ہے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ الاقبال کے قدیم ترین نسخہ (جو کتابخانہ آستان قدس رضوی میں موجود ہے اور 957 ہجری قمری میں لکھا گیا) میں دعائے عرفہ کا ذیلی حصہ موجود نہیں ہے۔

۲۔ مصباح الزائر

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کی مصباح الزائر میں دعائے عرفہ کا ذیلی حصہ نہیں ہے اور مصباح الزائر کا قدیم ترین نسخہ جو کتابخانہ آیت اللہ مرعشی میں محفوظ ہے جو ۱۰۲۴ ہجری کا لکھا ہوا ہے اس میں اصلا دعائے عرفہ ہی موجود نہیں۔[2]

اگرچہ مصباح الزائر کے کافی نسخوں میں اصل دعائے عرفہ موجود ہے۔[3]

۳۔ زوائد الفوائد

یہ کتاب علی ابن علی طاؤس (سید ابن طاؤس کے فرزند) کی ہے اس میں دعائے عرفہ کو الاقبال سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ اس کے تین مخطوطہ نسخے موجود ہیں۔ جن کی کتابت کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ ان تین نسخوں میں ایک میں دعائے عرفہ موجود ہی نہیں اور ایک حصے میں دعا کا ذیلی حصہ موجود نہیں اور ایک میں اصل اور ذیل دونوں حصہ موجود ہیں۔ یعنی اصل دعا بھی ہے اور ذیلی حصہ بھی۔[4]

---

[1] فہرستگان نسخہ ہای خطی حدیث علوم حدیث شیعہ ج ۸ ص ۱۳۔

[2] فہرستگان نسخہ ہائے خطی حدیث وعلوم حدیث شیعہ ج ۱۰ ص ۱۳

[3] بررسی متن، سند، شروح، ص ۳۲، ۳۳۔

[4] بررسی متن، سند، شروح، ص ۲۲، ۲۴

۴۔ البلد الامین

کفعمی نے اس کتاب میں دعائے عرفہ کو مصباح الزائر سے نقل کیا ہے لیکن اس کا ذیلی حصہ ذکر نہیں ہے۔[1]

اسی طرح علامہ مجلسی نے دعائے عرفہ کے نقل کے لیے زاد المعاد کو مباح قرار دیا ہے۔

۵۔ بحار الانوار

علامہ مجلسی نے اس کتاب میں دعائے عرفہ کو نقل کیا ہے لیکن اس کے ذیلی حصے کو نہیں لکھا اور فرماتے ہیں کہ مصباح الزائر میں نہیں ہے اور الاقبال کے جو بعض قدیمی نسخے ہیں ان میں بھی نہیں ہے۔[2]

نتیجہ بحث

ان مطالب کو سامنے رکھ کر دعائے عرفہ امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کے حوالے سے چند نکات قابل توجہ ہیں۔

۱۔ جیسا کہ پہلے ہم نے وضاحت کی ہے کہ متن کی قوت، مضبوطی اور صحت یہ اکیلا اور تنہا قرینہ نہیں بنتا کہ یہ کہا جائے کہ یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام سے صادر ہوئی ہے۔

۲۔ یہ دعا ساتویں ہجری شمسی یعنی سید ابن طاؤس سے پہلے کسی مصدر میں نہیں دیکھی گئی بلکہ جیسا کہ بیان ہوا کہ دعا کا جو ذیل ہے وہ اس دعا پر مشتمل قدیم ترین نسخہ جو آستان قدس رضوی میں موجود ہے اور ۷۹۵ ہجری میں لکھا گیا ہے اس میں بھی موجود نہیں ہے۔

[1] البلد الامین صفحہ ۳۵۲

[2] بحار الانوار جلد ۹۵ صفحہ ۲۲۷

۳۔ دعا کے اس ذیلی حصہ اور امام حسین علیہ السلام کی دیگر مقامات پر گفتگو کے معنی اور مضمون سے کوئی شباہت نہیں پائی جاتی ہے۔[1]

لہٰذا اس لحاظ سے دعا کے ذیلی حصہ کو امام حسین علیہ السلام کی جانب نسبت دینا صحیح نہیں ہے اور یہ احتمال کہ اس حصہ کو سید ابن طاؤس نے اضافہ کیا ہے جیسا کہ آیت اللہ بہجت کی گفتگو میں بیان ہوا ہے بعید نہیں ہے۔

اس احتمال کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید ابن طاؤس نے اس دعا کو مستقل طور پر انشاء کیا ہے اور اس کے معانی کی گہرائی اور عرفات کی سرزمین اور روز عرفہ سے مناسبت کے باعث اسے دعائے عرفہ کے آخر میں قرار دیا ہے۔ یا پھر ان کے بعد دوسروں نے اسے الاقبال میں ڈال دیا ہے۔ واللہ العالم !

۳۔ صحیفہ سجادیہ کے نسخوں میں تنوع

آیت اللہ بہجت نے صحیفہ سجادیہ کے نسخوں کے تنوع اور ان کے مختلف ہونے کے بارے میں فرمایا : صحیفہ سجادیہ کے آٹھ تک صحیفے بتائے گئے ہیں۔ پانچ کو ہم نے بھی تلاش کر لیا تھا۔ پانچواں صحیفہ سید محسن آملی کا تھا جو ہمارے زمانے تک موجود تھا۔ ایک اور صحیفہ حاجی میرزا علی شہرستانی کا تھا"۔[2]

ظاہراً آیت اللہ بہجت کا صحیفہ سجادیہ سے مقصود وہ مختلف کتابیں ہیں جو کہ مؤلفین نے امام سجاد علیہ السلام کی دعاؤں کو اکٹھا کرنے کیلئے تالیف کی ہیں۔

---

[1] دانشنامہ امام حسین جلد 13 صفحہ 14

[2] یادداشت شمارہ ۳۰ بند ۴

۴۔ وقت وفات رسول اکرم ﷺ کی نماز کے متعلق امام بخاری کا متناقض بیان

صحیح بخاری اہل سنت کے ہاں احادیث کی معتبر ترین کتاب ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ تا ۲۵۶ق) نے احادیث کو اکٹھا کیا ہے۔ اس کتاب کی احادیث کے سقم کو ثابت کرنے کیلئے بہت سارے دلائل موجود ہیں۔[1]

ان دلائل میں سے ایک وہ تناقص ہے جو اس کتاب کی احادیث کے درمیان موجود ہے۔[2]

آیت اللہ بہجت نے ان کمزوریوں کا ایک نمونہ بتایا کہ "صحیح بخاری میں پیغمبر اکرم ﷺ کی مرض الموت کی حالت میں آپ ﷺ اور ابو بکر کی نماز کو تین طرح سے نقل کیا گیا ہے۔ جب امام بخاری سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کس طرح تین طرح سے تم نقل کر رہے ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ تینوں عنوان جو آپ نے نقل کئے ہیں وہ درست ہوں؟

تو امام بخاری نے جواب دیا کہ میں تو وہاں موجود نہیں تھا البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دوسری طرح اور بعض دیگر طریقے سے بتاتے ہیں۔[3]

مطلب کی وضاحت

صحیح بخاری نے یہ واقعہ حضرت عائشہ سے تین طرح سے نقل کیا ہے:

ا۔ سب صحابہ نے ابو بکر کی اقتدا میں نماز پڑھی اور ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔[4]

---

[1] اس بارے میں سیری در صحیحین محمد صادق نجمی اور، القول الصراح فی البخاری وصحیحہ ملا فتح علی شیخ الشریعہ اصفہانی وغیرہ جیسی کتب کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

[2] اضواء علی السنة المحمدیہ، ص ۳۰۷۔ علوم حدیث (فصل نامہ)، ش ۸ ص ۲۳۷

[3] یادداشت نمبر ۳۴ بند ۶۔

[4] صحیح بخاری، ج ۱ ص ۶۳۳ حدیث ۲۳۶۔

۲۔ تمام صحابہ نے ابوبکر سمیت پیغمبر ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔[1]

۳۔ سارے صحابہ اور خود پیغمبر ﷺ نے بھی ابوبکر کی اقتدامیں نماز پڑھی۔[2]

(صحیح بخاری جلد ا، ص ۳۳، حدیث ۲۳۶ اور حدیث ۶۵۱، حدیث ۶۸۰، حدیث ۶۸۱)

ظاہر ہے کہ ایک ہی واقعہ تین طرح کا تو نہیں ہو سکتا اس لئے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں ساری حدیثیں صحیح اور معتبر ہیں؟

۵۔ یونس بن ظبیان کی مدح اور مذمت میں روایات کے درمیان تعارض

امیر المومنین علیؑ کے مختصر دور حکومت کے بعد آئمہ اہل بیت علیہم السلام خاص قسم کے سیاسی حالات کے تحت ظالم حکمرانوں کی حکومت میں زندگی گزارتے رہے اور بہت ہی تنگی اور دباؤ کا شکار رہے اور ان کے صحابہ اور شاگردوں کو بھی ہر جگہ مشکلات کا سامنا تھا۔ اس طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کبھی کبھی اپنے ساتھیوں کی حفاظت کیلئے بظاہر انہیں لعن و طعن بھی کرتے تھے تاکہ دشمن ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اسی طرح کی باتیں آپ کے بعض ساتھیوں جیسے زرارہ کے بارے میں ثابت ہیں۔ جبکہ ان کا نیک اور سچا ہونا یقینی ہے۔ البتہ بعض دیگر موارد میں جیسے یونس بن ظبیان کے بارے میں ایسی روایات قابل بحث و تحقیق ہیں۔ آیت اللہ بہجت یونس بن ظبیان کے بارے میں فرماتے ہی کہ امام رضا علیہ السلام سے جو یونس بن ظبیان کے بارے میں مذمت وارد ہوئی ہے وہ اس کی جان کی حفاظت کیلئے تھی۔ کیونکہ امام صادق علیہ السلام نے یونس کی مدح و تعریف کی ہے۔[3]

---

[1] صحیح بخاری، ج ا ص ۱۵۱ ۲ حدیث ۶۸۰

[2] صحیح بخاری، ج ا ص ۱۵۱ ۲ حدیث ۶۸۱

[3] یادداشت نمبر ۲۰

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یونس بن ظبیان کی مذمت و مدح میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ سند کے اعتبار سے بالکل ضعیف اور کمزور ہیں۔ سوائے ایک حدیث کے جو امام رضا علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے جو صحیح السند ہے۔ جس میں امام رضاؑ نے ان پر لعنت بھی ہے۔[1]

اس لئے بہت سارے علماء رجال اور علماء فقہ یونس بن ظبیان کو ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن جو روایت "جامع بزنطی" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی مدح میں وارد ہوئی ہے اور پھر یہ کہ اس کی روایات میں واضح منفی نکتہ بھی موجود نہیں ہے ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ اس میں بعید نہیں کہ یہ بناء بر مصلحت ہو۔

۶۔ حدیث کے بڑے راویوں کا ثقہ ہونا

آغا بہجت نے ایسے بڑے راویوں کی جن کی باقاعدہ طور پر علمارجال کی طرف سے توثیق نہیں ہوئی۔ اپنے اس بیان میں ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم قدیم اور بزرگ شیعہ راویوں کو چاہیے وہ مسند ہوں یا مرسل، ثقہ شمار کرسکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دن کے مطابق نقل کرتے ہیں اور نقل روایت میں اہمیت رکھتے ہیں اور نقل روایت کو مسئلہ گوئی اور نقل فتویٰ سے بالاتر سمجھتے تھے لہٰذا نقل رایت میں ان کو روایات گھڑنے اور ایسا کرنے والوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔[2]

۷۔ کتابخانہ شیخ طوسی میں "اصول اربعہ مأۃ" کی موجودگی

آیت اللہ بہجت نے ایک گفتگو میں فرمایا کہ کس قدر پست حرکت ہے کہ بغداد میں شیخ طوسیؒ کے کتاب خانے اور ان کی کتابوں کو آگ لگادی گئی۔ اس میں احادیث کے شیعہ منابع موجود تھے اور اس میں گمراہ کردینے والی کتابیں بھی شیخ نے دلائل کی جمع آوری اور دیگر فوائد کیلئے رکھی ہوئی

[1] معجم الرجال الحدیث، جلد ۲۱، ص ۲۰۴

[2] در محضر آیت العظمٰی بہجت، ج ۲، ص ۱۹۸ تا ۱۹۹

تھیں۔ ان تمام کتب کو جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔ اس میں اہل سنت کے حدیثی منابع پر مشتمل بھی کثیر تعداد میں کتابیں موجود تھیں۔ یہ ایک عمومی کتب خانہ تھا۔ اس میں شیخ مفید علیہ الرحمہ کے مخطوطہ بھی تھے جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ اور شیخ طوسیؒ کے علاوہ کسی کے پاس یہ نایاب کتب نہیں تھیں۔ اسی طرح اکثر اصول اربعہ مائۃ یعنی ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی راویات پر مشتمل چار سو بنیادی کتب بھی شامل تھیں کہ جن کا تذکرہ تہذیب اور استبصار میں آیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ظالمین نے اس کتب خانے کو جلا دیا۔[1]

۸۔ سند سمیت چار ہزار احادیث کا حافظ

آغا بہجت نے آغا بروجردی سے یہ بات نقل کی کہ آغا علم الہدی (نقوی) نابینا ہونے کے باوجود سند سمیت چار ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ اسی طرح ملایر میں انہوں نے گھوڑے کے سموں کی آواز کو سنا تو کہا کہ یہ آواز فلاں خان کے گھوڑے کی ہے۔ ایک بار وہ حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا قم کی مسجد میں مرحوم آقا شیخ عبدالکریم حائریؒ کے پیچھے جماعت کی صف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے اذان کہنا شروع کی تو مرحوم علم الہدیٰ نے کہا کہ یہ موذن تو نابینا ہے۔ جب ان سے وضاحت پوچھی گئی تو کہا کہ جو نابینا ہوتا ہے وہ اپنے ارد گرد نہیں دیکھتا اس لئے اس کی آواز ایک سمت سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتی لیکن جو بینا ہوتا ہے وہ اذان میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے۔[2]

۹۔ بحار الانوار کا حفظ کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: ”سید صالح حلی اور شیخ الشریعہ اصفہانی ملا فتح علیؒ، ان دونوں حضرات میں سے ایک ایسے تھے کہ جب ان کے سامنے ایک مطلب پڑھ دیا جاتا تھا تو انہیں یاد ہو جاتا تھا اور دوسرے کیلئے دو بار کوئی مطلب پڑھ دیا جاتا تھا تو اسے یاد ہو جاتا تھا۔ یعنی ایک دوسرے کو

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت ج ۱ ص ۱۸۲

[2] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت ج ۱ ص ۱۸۲

سناتے تھے۔ ایک پڑھتا تھا دوسرا یاد کرلیتا تھا۔ دوسرا پڑھتا تھا تو پہلا یاد کرلیتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے ایک ساتھ بحار الانوار کو حفظ کرلیا تھا۔

۱۰۔ آیت اللہ محمد یزدی کا نقل روایت کرنے کا اہتمام

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ ایک طالب علم نے سوچا کہ حوزہ علمیہ نجف اشرف سے اپنی تعلیم مکمل کرکے ایران واپس چلا جائے۔ وہ سید محمد کاظم یزدی کے پاس گیا اور ان سے عرض کی کہ مجھے حدیث نقل کی سند دے دیں یعنی اجازت دے دیں۔ کافی دن گزر گئے اور اجازت نہ ملی تو وہ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے خود سے کہا کہ میں نے سید سے وجوہات شریعہ لینے کی اجازت نہیں مانگی اور اسی لئے وہ مجھے حدیث نقل کرنے کی اجازت نہیں دے رہے اور پھر معلوم نہیں ہے کہ ایران میں سید کو کوئی پہچانتا بھی ہے یا نہیں۔ للذا جب بھی میں سید کو دیکھتا تھا تو مجھے غصہ آتا تھا۔ چند دن گزر گئے اس کے بعد مرحوم سید نے مجھے اجازت دے دی اور جواب کی تاخیر کے بارے میں انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ اسکی وجہ یہ ہے میں نے اس وقت مکروہ غذا (اوجڑی وغیرہ) کھائی ہوئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کا اثر میرے جسم سے پوری طرح زائل ہو جائے تاکہ میں اولیاء عظام اور بزرگان دین کے سند روایات کے سلسلہ کے ساتھ خود کو جوڑ کر احادیث کے روایات کے راویوں کے گروہ میں شامل کرسکوں اور پھر میں آپ کے لئے روایت نقل کرنے کی اجازت لکھ دوں۔

۱۱۔ تفسیر مجمع البیان کے طرز پر وسائل الشیعہ کی شرح

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ سید حسن صدر نے وسائل الشیعہ کی ۳۰ جلدوں میں سے ایک کی تین جلدوں میں تفسیر مجمع البیان کے طرز پر شرح لکھی۔ یعنی جداگانہ طور پر وہ روایات و اقوال کی سند اور فقہ حدیث کے متعلق لکھا۔ اس کے لئے انہوں نے بہت مہارت اور بڑی محنت سے کام کیا۔[1]

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت ج ۲ ص ۲۷۹

۱۲۔ ایک رپورٹ پر تنقید

کتاب "در محضر آیت اللہ العظمی بہجت" کی جلد اول میں آپ کا ایک قول ہے کہ تعجب کی بات ہے کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے لئے قلم اور ایک ہڈی کا ٹکڑا لے آؤ تاکہ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس کے باوجود ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ یہ بات شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ [1]

مؤلف ری شہری فرماتے ہیں کہ یہی بات ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ (ج ۱۱ ص ۴۹) میں بھی لکھی ہے اور تعجب کی بات ہے کہ وہ اپنے اسی شرح کی جلد ۶ صفحہ ۵۱ پر اسی بات کو بخاری اور مسلم سے نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ تمام محدثین نے اس روایت کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ لیکن شرح ابن ابی الحدید کی طرف رجوع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ انہوں نے اس مقام پر شیعوں کی طرف نسبت نہیں دی اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کو وضع شدہ سمجھا بلکہ اس کے مدمقابل جو حدیث ہے اسے مجعولات بکریہ شمار کرتے ہیں یعنی حضرت ابوبکر کے فضائل میں گھڑی ہوئی حدیث۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی جلد پنجم میں دوات اور ہڈی والی حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو شیخ محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج نے اپنی صحیحین میں لکھا ہے اور اس پر تمام محدثین متفق ہیں۔"

جلد ۱۱ میں ان حدیثوں کو جب شمار کرتے ہیں جو ان کے نزدیک جعلی ہیں تو بکریہ احادیث (جو کہ حضرت ابوبکر کے فضائل میں لکھی گئی ہیں) کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حدیث کہ (میرے لیے ایک دوات اور سفید چیز لے آؤ کہ میں اس میں ابوبکر کے لیے ایک ایسی تحریر لکھ دوں

[1] در محضر آیت اللہ العظمٰی بہجت جلد ۱ صفحہ ۱۵۳

کہ جس کے بارے میں دو بندے اختلاف نہ کریں۔ پھر کہا کہ اللہ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی سے راضی نہیں)

اس حدیث کے مقابلے میں بنائی گئی ہے جو آپ نے مرض الموت میں کہی تھی کہ ''دوات اور سفید چیز لے آؤ کہ میں لکھ دوں تمہارے لئے ایسی چیز جس کی وجہ سے تم میرے بعد گمراہ نہیں ہونگے۔'' مگر وہاں موجود گروہ نے اختلاف کیا اور ایک شخص نے کہا کہ ''ان پہ درد کی کیفیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔''

ظاہراً ابن حدید کے کلام میں جو مذکورہ اشتباہ واقع ہوا ہے اس کی وجہ وہ عنوان ہے جس کے ذیل میں اس بحث کو قرار دیا ہے۔ وہ عنوان یہ ہے ''فصل فی ما وضع الشیعۃ و البکریۃ من الاحادیث''

۱۳۔ ایک اور بیان پر تبصرہ

کتاب ''در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت'' کی جلد دوم میں آغا بہجت نے فرمایا کہ ''مسلم بن حجاج اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے شروع میں کہتے ہیں کہ زہری جو ایک محدث ہیں، اگر اس کے شاگردوں میں سے ایک کہے کہ میرے پاس احادیث ہیں جو کہ میرے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کی ہیں تو اس کیلئے یہ بات قبول نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ احادیث کا مجموعہ جسے وہ روایت کر رہا ہے اسے دوسروں نے بھی نقل کیا ہو۔ ہاں ہر راوی کیلئے مخصوص اضافے ہو سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کی روایت دوسروں کی روایت سے بالکل مغایرت رکھتی ہو۔'' یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ درست کلام کو بعنوان حدیث رسول وضع کرتے تھے جبکہ وہ رسولؐ کی حدیث نہیں ہوتی تھی۔ [1]

[1] صحیح مسلم، ج۱، ص ۱۷

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مسلم، امام باقر علیہ السلام کی روایات پر اس طرح رد پیش کرتا ہے کہ ان احادیث کو ان کے بزرگوں اور محدثین نے نقل نہیں کیا۔ لٰہذا وہ سمجھتا ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں سے نہیں ہے۔[1]

اس کے بارے میں آغا ری شہری فرماتے ہیں کہ یہ جملہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن اس کا تعلق امام باقر علیہ السلام سے نہیں ہے۔ یہ جملہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں آیا ہے لیکن اس بنیاد پر کہ جو کچھ شرح نووی اور دوسری کتابوں میں آیا ہے۔ ابو جعفر ہاشمی سے مقصود ایک اور شخص ہے جو عبد اللہ بن مِسوَر بن عون بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی ہے جو اہل سنت کے رجال میں سے ہے۔ حدیث بیان کرنے والے سب نے اس فرد کو اور اس کی باتوں کو ایک شخص رَقَبہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن کسی نے اسے امام باقر علیہ السلام کی زندگی میں ذکر نہیں کیا ہے۔[2]

یہ جو دو باتیں ہیں ایک ابن ابی الحدید کے حوالے سے اور دوسری مسلم کے حوالے سے جو آغا بہجت نے بیان کی ہیں اسی حوالے سے آغا ری شہری نے تبصرہ کیا ہے کہ وہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آغا بہجت نے نقل فرمائی ہے۔ یہ ایک اچھا انداز ہے کہ ایک اتنی عظیم ہستی ہیں اگر ان سے ایک بات ایسی منسوب ہو گئی ہے جو حقیقت میں نہیں ہے اس کی وضاحت انہوں نے اپنی اس تحریر میں کر دی ہے تاکہ کوئی دوسرا شخص پڑھ کر آغا بہجت کی شخصیت اور ان کی علمیت کوئی منفی تبصرہ نہ کرے اسی لئے آغا ری شہری نے ان دونوں کی وضاحت کر دی ہے۔ (مترجم)

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، ص ۳۲۵

[2] شرح صحیح مسلم نووی، جلد ۱، ص ۱۰۷، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۸، ص ۱۵۴

فصل سوم: فقہ و اصول

آغا بہجت کا نظریہ تھا کہ جو لوگ روحانیت اور علماء کی صف میں آتے ہیں اور امام العصر (عج) کی فوج کے سپاہی کا لباس پہنتے ہیں تو جب وہ اخلاقی اور عملی خود سازی میں مصروف ہوں تو ان کو چاہیے کہ زندگی کے آخری حصے تک علمی مسائل میں مصروف رہیں خاص کر فقہ اور اصول میں کوئی غفلت نہ کریں۔ معنوی مسائل میں مصروف ہونے کے سبب ان علمی مسائل میں سستی نہ دکھائیں۔ اس حوالے سے وہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی جو سید محمد فشارکی کے قریبی ساتھیوں میں سے تھا اس کی ملاقات مرحوم آخوند ملا فتح علی سے حمام کے پاس ہوئی تو ملا فتح علی نے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو؟ اس نے جواب میں کچھ بتادیا تو ملا فتح علی نے کہا کہ یہ تو فقط اصطلاحات ہیں۔ اس کے بعد وہ آدمی درس پڑھنے میں بہت سست ہوگیا۔ مرحوم فشارکی نے اس سے پوچھا کیوں تم درس میں نہیں آتے؟ تو اس نے سارا واقعہ سنایا۔ مرحوم فشارکی نے فرمایا: میرزا شیرازی کی سیرت اس طرح نہیں تھی۔ وہ کہتے تھے کہ درس کو سنجیدگی سے پڑھیں اور کوشش کریں کہ روزانہ جس قدر معنویت میں اضافہ ہو رہا ہوں درس میں بھی اس قدر اضافہ ہو رہا ہو۔ [1]

آغا بہجت خود ایک واضح اور روشن نمونہ تھے کہ علمی اور تحقیقی کاموں کے ساتھ عملی اور عبادتی امور میں بھی مصروف رہتے تھے۔ زندگی کے آخری لمحے تک جبکہ عمر بھی کافی ہو چکی تھی، کمزوری بھی تھی مگر انہوں نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے ترک نہیں کئے۔ اور زندگی کے آخری ایام تک فقہ و اصول کی تدریس کو بھی جاری رکھا حتیٰ کہ سوموار والے دن (یعنی رحلت سے ایک دن پہلے) بھی درس کیلئے جارہے تھے کہ اچانک ان کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے اور دروازے سے واپس گئے۔ میری ان سے جو ملاقات ۱۴ ذیقعدہ ۱۴۲۹ ہجری، حج کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل ہوئی۔ اس میں میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ جی ہاں! میں روزے سے ہوں۔ ظہر تک تو کوئی مشکل نہیں ہوتی لیکن ظہر کے بعد تھوڑا آرام کرتا ہوں۔ اسی طرح ان کا ایک لمبا عرصے سے (تقریبا

[1] یادداشت نمبر ۳۳۔

ے سال) فقہ واصول کا درس معطل تھا تو انہوں نے گزشتہ سال اس کا دوبارہ آغاز کیا۔ اس بارے میں فرمایا کہ میں نے اصول الفقہ کو فقہ کے ساتھ دوبارہ شروع کر دیا ہے البتہ درس کا دورانیہ تھوڑا کم کر دیا ہے۔ [1]

آیت اللہ بہجت نے ایک اور مقام پر علم فقہ کی اہمیت کے بارے میں فرمایا "ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ مصائب و مشکلات کے حل کیلئے ہمیں ایک ختم (عمل) کی تعلیم دیں تو اس شخص نے جواب دیا کہ ایک مجرب ختم (عمل) میرے پاس ہے اور وہ فقہ آل محمد علیہم السلام ہے۔ فقہ کے بارے گفتگو، بحث و مباحثہ اور اس کی تعلیم و تعلم میں پابندی کیساتھ مصروف ہو جاؤ کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے کتنے اچھے اثرات ہیں۔" [2]

طلاب دینی کیلئے آپ کی ہدایات

آغا بہجت علمی مسائل میں مصروف ہونے کی جہاں تاکید کرتے تھے وہاں حوزہ علمیہ کے بارے میں کچھ خصوصی نصیحتیں بھی فرماتے تھے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ا۔ فقہ واصول کی تعلیم میں مداومت

آغا بہجت سے 1385-9-2 ہجری شمسی سفر حج سے پہلے میری ملاقات ہوئی تھی، احوال پُرسی کے بعد بغیر کسی تمہید کے مجھے تاکید کی کہ کم از کم روزانہ ایک گھنٹہ فقہ و اصول کے درس و مباحثہ میں مصروف رہو۔ میں نے یہ بات آغا خامنہ ای سے بھی کہی ہے کہ جتنی بڑی ذمہ داری بھی ہو اس کام کو مت چھوڑیں۔ [3]

---

1 یادداشت نمبر ۳۶

2 (در محضر بہجت، جلد ا، ص ۹۸)

3 (یادداشت، ۳۲، بندا)

اس ملاقات کے دوران اس نکتہ پر تاکید کرتے رہے۔ جب میں نے عرض کیا کہ حج سے استفادہ کے بارے میں کچھ نصیحت فرمائیں تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگو کہ خدا تمہیں فقہ و اصول کی تدریس اور مباحثہ میں توفیق عطا فرمائے اور اس میں کامیابی عطا فرمائے۔[1]

قابل توجہ امر یہ ہے کہ جب میں حج کے سفر سے واپس آیا اور آپ سے ملاقات کی تو پھر تکرار کیا۔ میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ اگر میں فقہ و اصول کا درس شروع کروں تو دار الحدیث میں میرے جو کام ہیں ان میں کچھ خلل واقع ہو گا لیکن مسجد الحرام میں میں نے استخارہ کیا کہ فقہ و اصول کا درس شروع کروں تو استخارہ بہت اچھا آیا ہے اب میں نے اس کے لئے پروگرام بنا لیا ہے انشاء اللہ میں اب یہ کام شروع کر دوں گا (یعنی فقہ و اصول کی تدریس کا)۔[2]

اگلے سال حج کے سفر سے پہلے (17-8-1386 ہجری شمسی) میں آغا بہجت کی خدمت میں پہنچا تو پہلا سوال انہوں نے یہ کیا کہ گذشتہ سال میں نے وصیت کی تھی کہ آپ فقہی و اصولی مباحث شروع کریں۔ تو میں نے کہا کہ آپ کی وصیت کی برکت سے پچھلے سال سے اب تک بہت سارے فقہی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ اسی طرح جب میں حج کے سفر سے واپس آیا اور آپ سے ملاقات ہوئی تو پھر تاکید کی اور فرمایا کہ تدریس ضروری ہے اور یہ شرعی تکلیف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ایک فقہی بحث اور تحقیق کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تحقیق نہیں، درس فقہ پڑھائیں۔[3]

۲۔ ایسے فقہا جن کے فتاویٰ شاذ ہیں ان سے متعرض نہ ہوا جائے

آیت اللہ بہجت نے ایک مقام پر فرمایا کہ عراق میں ایک عالم ایسے بھی تھے جو شراب کو نجس نہیں سمجھتے تھے۔ ایک اور عالم کو جب اس رائے کا پتہ چلا تو دورانِ درس ان کے خلاف بہت ہی سخت لہجہ اختیار کیا اور اس کے بارے میں برے الفاظ کہے۔ لیکن بعد میں انہیں پتہ چلا کہ سابقہ علماء

---

[1] (یادداشت، شمارہ ۳۲، بند ۵)
[2] (یادداشت نمبر ۳۳)
[3] (یادداشت نمبر ۵۳)

کے درمیان ایسے اقوال موجود ہیں جو شراب کی نجاست کے قائل نہیں ہیں۔ للذا وہ کربلا گئے اور اس مجتہد کے دروازے کے آگے کھڑے ہوگئے اور اپنی سواری سے نیچے نہیں اترے اور ان سے کہا کہ میرے درس میں آپ کا فتویٰ نقل کیا گیا اور میں نے اس فتویٰ دینے والے کو برا کہا لیکن میری کوئی شخصی غرض اس سے نہیں تھی نہ ہی کوئی ذاتی مفاد تھا، بلکہ لوگوں کے عقائد کی حفاظت مقصد تھا۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے معاف کر دیں اگر آپ مجھے اجازت دیں تو پھر میں سواری سے اتر آتا ہوں تاکہ پیدل حرم جاؤں۔ اگر نہیں تو پھر میں سواری سے نیچے نہیں اترونگا۔

اسی طرح کا مسئلہ شیخ بہائی کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ مقدس اردبیلی کا ایک فتویٰ تھا کہ انہوں نے خمر کی نجاست میں توقف کیا یا اس کی طہارت کا فتویٰ دیا تو شیخ بہائی نے مقدس اردبیلی کے بارے سخت الفاظ کہے البتہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بڑوں کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔ انسان سے جس حد تک ہو سکتا ہے جن فقہاء کے فتاویٰ شاذ ہیں اور مشہور کے خلاف ہیں تو ان کے بارے کوئی خاص بات زیادہ نہ کی جائے کیونکہ انہوں نے جو فتویٰ دیا ہے تو بعض اصول و ضوابط کو سامنے رکھ کر ہی فتویٰ دیا ہے للذا ان کی تو معذرت قبول ہوگی اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لئے ان سے غلطی بھی ممکن ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور قرائن یا دلائل موجود تھے جس سے وہ غافل رہے ہوں۔ للذا ان کے فتاویٰ سے تعرض کرنے کی صورت میں استاد کی محنت اور استادی کا حق ضائع ہو جاتا ہے اور یہ صورتحال بہت سارے لوگوں کے سامنے آسکتی ہے۔ [1]

۳۔ فتویٰ میں عرف شرعی اور ثانوی عناوین کی رعایت

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑا باب ہے کہ جو چیزیں عرف میں ہیں اور جن کا ثانوی عنوان ہے اولی عنوان نہیں ہے ان کو فتویٰ کے وقت سامنے رکھنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ صاحبِ فتویٰ کی حق گوئی لوگوں کو باطل میں ڈال دے اور ایسی جگہ چلے جائیں کہ جہاں انکا جانا مناسب نہیں ہے۔ تو اس طرح بات نہ کریں اگرچہ مطلب حق ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو وقت کا تقاضا ہے جو شرائط

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۱ ص ۳۴

موجود ہیں ان کو سامنے رکھا جائے۔ شاید حدیث (تیرا دین تیرا بھائی ہے پس تمہیں چاہئے کہ دین کے حوالے سے احتیاط کرو) بھی اسی مورد کو شامل ہے۔

رضا خان پہلوی نے علماء سے کہا کہ فتویٰ دو کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ حجاب سے مستثنیٰ ہیں اور ان کو کھلا رکھنے میں ممانعت نہیں ہے۔ علماء اس کے لئے تیار نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت ان دو کے کھولنے کا مطلب پوری بے حجابی ہوتا تھا۔ للذا علما حاضر ہوئے کہ قتل ہو جائیں گے لیکن اس فتویٰ کو قبول نہیں کرینگے۔ ہم اس قسم کی بڑی آزمائشوں سے خدا کا پناہ مانگتے ہیں۔ [1]

۴۔ صاحب جواہر کا چار آدمیوں کو اجتہاد کی اجازت دینا

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ صاحب جواہر نے فقط چار آدمیوں کو اجتہاد کی سند دی۔ ایک عبد الرحیم بروجردی، دوسرے اخوند ملا علی کنی (تیسرے کا نام یاد نہیں تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ تیسرا شخص سید باقر زنجانی ہوں کیونکہ ان کی سند اجتہاد ریکارڈ پر موجود ہے)۔ [2] چوتھے آقا شیخ عبد الحسین تہرانی صاحب علمیات و عملیات تھے۔ باقی جو اجازت نامے ہیں وہ قضاوت، مرافعات اور مراجعات کے امور سنبھالنے والے لوگوں کیلئے تھے۔ [3]

۵۔ حوزہ کی نصابی کتب کی اصلاح

آغا بہجت فرماتے تھے کہ خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارے علمی مراکز میں جو تعلیمی نصاب ہے وہ کتنا ناقص اور ادھورا ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اصول فقہ میں جو تیسرے مرحلہ کی کتب ہیں ان میں مرحوم شیخ انصاری کی تقریرات یعنی کتاب "مطارح الانظار" ہے، اسی طرح "قوانین" کی دوسری جلد بھی ہے جبکہ یہ دونوں کتابیں قابلِ اصلاح ہیں اور ان کا از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ [4]

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۱، ص ۶۵

[2] مکارم الآثار جلد ۵، ص ۱۸۳۰

[3] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، ص ۴۲۵

[4] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، ص ۳۵۹

فصل چہارم
اخلاقی اور عملی میدان کی اہمیت

جتنے بھی اولیاء خدا ہیں، سیر و سلوک اور انسانی تکامل کے مراحل طے کرنے میں ان کا پہلا اقدام شریعیت کے واضحات پر عمل کرنا ہے یعنی واجبات کو انجام دینا اور حرام کاموں کو چھوڑنا۔ البتہ یہ کام آسان کام نہیں ہے یہی وہی ہے کہ کمتر لوگ ہیں جو اس مقصد تک پہنچتے ہیں۔ آغا بہجت فرمایا کرتے تھے کہ امام خمینی مدرسہ فیضیہ میں درسِ اخلاق دیتے تھے لیکن انہوں نے یہ درس بند کر دیا تھا۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مجھے ایک ایک فرد سے کہنا پڑتا ہے کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو تو اسی لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہ درس ہی ختم کر دوں۔[1]

اخلاقی اور عملی میدان میں اہم ترین رہنمائی

اخلاقی اور عملی میدان میں میں راہنمائی کے حوالے سے آغا بہجت کی چند اہم ترین ہدایات حسب ذیل ہیں:

ا۔ گناہ سے اجتناب

آغا بہجت اپنے سلفِ صالح اور ماضی کے بزرگان کی مانند قرآن اور اہل البیت علیہم السلام کی تعلیمات کی بنیاد پر عملی اور اخلاقی میدان میں گناہ سے اجتناب کو اہم ترین وصیت قرار دیتے ہیں۔ جب ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ آپ نصیحت کریں تو آپ فرماتے تھے کہ ''اس سے بڑی اور کوئی نصیحت نہیں ہے کہ انسان طے کرلے کہ اگر خداوند متعال اسے ایک سو سال بھی عمر دے تو جان بوجھ کر اور

[1] یادداشت نمبر ۷، بند ۲

علم ہوتے ہوئے گناہ نہیں کرے گا۔ اگر ایسی حالت اس کے لئے کوئی پیدا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اسے توفیق دے گا کہ وہ گناہ کی جانب نہ جائے گا۔" [1]

اسی طرح فرماتے ہیں اگر ایک دن بھی ایسا گزرے کہ جس میں ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے خدا راضی نہ ہو تو ہمیں اس پر اللہ کا شکر بجالانا چاہئے۔" [2]

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ "جو سالک ہے اس کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ وہ عزم اور راسخ ارادہ کرے کہ وہ عقیدہ اور عمل میں پوری زندگی (چاہے وہ ہزار سال ہی کیوں نہ ہو) اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا اور نماز اول وقت میں پڑھے گا۔ اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لئے یہی ارادہ اور اس پر عمل کافی ہے۔ [3]

فقیہ عارف ملا حسین قلی ہمدانی نے علمائے تبریز میں سے ایک کو خط بھیجا جس میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ تمام حرکات و سکنات، گفتگو اور عمل وغیرہ میں شریعت کی پابندی کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے جس سے حضرت ملک الملوک جل جلالہ کا قرب حاصل کیا جاسکے اور صوفیاء کے خرافات کے ساتھ سیر و سلوک اللہ جل جلالہ سے دوری کے سوا کچھ نہیں ہے اور اسی طرح ذکر کی کیفیت اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو کہ آئمہ معصومین علیہ السلام نے طریقہ بتایا ہے۔ میں جو عقل اور اقوال آئمہ نقل کرنے میں بھی کمزور ہوں، کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا جو طالب ہے اس کی پوری کوشش اس پر صرف ہو کہ وہ اللہ کی معصیت نہ کرے جب تک وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس کا ذکر کرنا، غور و فکر کرنا اس کے دل میں کوئی تبدیلی نہیں لائے گا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ وہ مقام ہے کہ میرے لیے یہ نکتہ واضح ہوا کہ محبت الٰہی کو چاہنا اور اس حالت میں کوئی معصیت بھی کر رہا ہوں تو یہ ایک فاسد بات ہے (یعنی بے معنی اور غیر ممکن بات ہے) کیونکہ

[1] یادداشت نمبر ۳۵، بندا

[2] یادداشت شمارہ ۲۷، بندا)

[3] یادداشت، شمارہ ۲۷

واضح ہے معصیت نفرت کا سبب ہے۔ نفرت اور محبت دونوں کا الحاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جلد سے جلد سچی توبہ کی طرف آؤ اور سنجیدگی اور پوری توجہ کے ساتھ توبہ کی طرف جلدی کرو۔ [1]

بظاہر تو یہ وصیت بڑی آسان لگ رہی ہے مگر حقیقت میں سیر و سلوک کا یہ اصلی اور بنیادی دستور ہے۔ انسانی کمالات اور اعلیٰ مقامات تک پہنچنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی تمام اولین و آخرین انسانوں کو تقویٰ کی وصیت کرتا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ [2]

بلاشبہ انسانیت کے مقصد کو پانے کے لیے تقوی کے علاوہ اور کوئی قریب ترین راستہ ہوتا تو خود سازی اور تعمیری کردار میں اس کا کوئی وجود ہوتا اور اللہ تعالی اور اس کے پیغمبر تمام لوگوں کی اسی کی جانب رہنمائی کرتے۔ [3]

حدیث رسول اکرم ﷺ میں ملتا ہے کہ

أَلاأَدُلُّكُم عَلى دَائِكُمْ وَدَوَائِكُمْ، أَلاإِنَّ دَاءَكُمُ الذُّنُوب، وَدَوَاءُكُم الاسْتِغْفَار [4]

ترجمہ: ''کیا میں تمہاری ایک بیماری اور اس کا علاج بتاؤں ؟ تو جان لو تمہاری بیماری گناہ کرنا ہے اور اس کا علاج استغفار ہے۔''

اس حوالے سے قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مطلقاً گناہوں کو چھوڑنا اور اس پر قائم رہنا، مراقبت اور دائمی ذکر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے آغا بہجت سے جب کسی نے یہ سوال پوچھا کہ کس طرح میں رازِ حق سے اپنے ذہن کو آشنا کروں؟ جبکہ محرمات کے ترک کرنے میں تو کوئی

---

[1] تذکرۃ المتقین، صفحہ 177 178

[2] سورہ نساء آیت 131

[3] البتہ تقوی کے بھی مراتب ہیں جس کا ہم چھٹے باب کشف و کرامات میں ذکر کریں گے۔

[4] میزان الحکمۃ، ج ۸، ص ۴۶۳، حدیث: ۱۵۲۱۳

مشکل نہیں ہے لیکن فقط محرمات کو ترک کر دینا میری پیاس کو نہیں بجھاتا۔اس کے جواب میں آغا بہجت نے فرمایا کہ "ہمیشہ معصیت کو چھوڑنا اور اس پر قائم رہنا، مسلسل مراقبہ اور ذکرِ الٰہی پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ مراقبہ اور تذکر اعلیٰ مقام کے حصول کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔"

۲۔ نماز پنجگانہ کی اول وقت میں ادائیگی

آیت اللہ بہجت کی دوسری وصیت جس پر وہ بار بار تاکید فرماتے تھے یہ تھی کہ پنجگانہ نماز کو اولِ وقت میں پڑھو۔ ۱۳۸۰ شمسی ہجری میں جب آغا بہجت سے پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے استاد آیت اللہ آقا سید علی قاضی سے یہ بات نقل کی کہ "جو بھی یومیہ واجب نمازوں کو اول وقت میں پڑھے تو وہ تمام معنوی مقامات تک پہنچ جاتا ہے اگر نہ پہنچے تو میرے اوپر لعنت بھیجے۔[1]

اسی طرح ۱۳۸۴ ہجری شمسی میں ملاقات کے دوران اپنے استاد کی اس بات کو نقل کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ (سید علی قاضی نے) یہ نہیں کہا کہ "اچھے انداز سے پڑھو"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اول وقت میں نماز پڑھنا ہی حضورِ قلب کو پیدا کرتا ہے۔[2]

ظاہراً آیت اللہ سید علی قاضی کی اس بات کی اساس ہے قرآن مجید کی یہ آیت شریفہ ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ۔[3]

ترجمہ: نماز کو قائم کرو یہ انسان کو برے اور ناپسندیدہ کاموں سے روک دیتی ہے اور برکات اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے زیادہ عظیم ہیں۔

[1] یادداشت نمبر ۱، بندا
[2] یادداشت نمبر ۳۰، بندا
[3] سورہ عنکبوت آیت ۴۵

یہ آیت صراحت کے ساتھ اعلان کر رہی ہے کہ نماز ہی تمام برائیوں کی جتنی اقسام ہیں ان کے لئے مانع ہے اور انسان کو تقویٰ کی بلندی کی طرف لے جاتی ہے بلکہ اس کی برکات اور اثرات انسان کی تعمیر میں اس سے بہت زیادہ اور عظیم تر ہیں۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کیلئے لغویات سے اجتناب

آیت اللہ بہجت کا نظریہ تھا کہ نماز میں خشوع حاصل کرنے کے لئے جو بات مؤثر ہے وہ یہ ہے کہ لغو سے اجتناب کیا جائے۔ اس بارے قرآنی آیات کو بنیاد بناتے تھے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ [1]

ترجمہ: ”بے شک مومنین کامیاب ہوئے، وہ جو کہ نماز میں خشوع رکھتے ہیں اور جو بیہودہ کاموں سے روگردانی کرتے ہیں۔“

ان کا نظریہ تھا کہ نماز میں خشوع اور اس کے ساتھ ہی لغو سے اجتناب، ان دونوں کے ایک ساتھ تذکرے میں شاید یہ راز پوشیدہ ہو کہ خشوع کے حاصل ہونے میں لغو سے بچنا موثر ہے؛ اس طرح کہ جب تک انسان بیہودہ گوئی اور بیہودہ کاموں سے اجتناب نہ کرے نماز میں خشوع پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔

۴۔ حضور قلب اور اس میں ہمیشگی

یہ ایک قابل توجہ نکتہ ہے کہ ۱۳۷۶ ہجری شمسی میں جب ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ آپ دعا کریں کہ مجھے نماز میں حضور قلب ہو تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ”اس کی دوا ہے دعا اس کے لئے نہیں ہے“۔ [2]

---

[1] سورہ مومنون آیت ۱ تا ۳

[2] یادداشت نمبر ۱۳

ان کی یہ بات اس طرف اشارہ تھی کہ دعا بغیر منصوبہ بندی اور بغیر کوشش کے بے فائدہ اور غیر موثر ہے۔ آغا بہجت کی اس رہنمائی کی روشنی میں چند باتیں سامنے آتی ہیں جو نماز میں حضور قلب کیلئے موثر ہیں:

۱۔ پنجگانہ نماز کو پابندی کیساتھ اول وقت میں پڑھنا
۲۔ غیر اختیاری غفلتوں پر توجہ نہ کرنا
۳۔ عمداً نماز کے دوران متوجہ نہ ہونے سے اجتناب کرنا
۴۔ بیہودہ اور بے مقصد کام اور گفتگو سے اجتناب کرنا

امام خمینیؒ کے استاد کی حضور قلب کے لئے رہنمائی

امام خمینی نے سر الصلوۃ میں اپنے استاد میرزا محمد علی شاہ آبادی سے نماز میں حضور قلب کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ شیخ عارف کامل شاہ آبادی (میری جان ان پر قربان) فرماتے تھے: انسان کو چاہیے کہ ذکر کے وقت اس طرح ہو جس طرح وہ کسی بات کو بچے کے منہ میں ڈال رہا ہے اور اسے تلقین کر رہا ہے یا اس بچے کو بات کرنا سکھا رہا ہے تاکہ وہ بولنا سیکھ جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے قلب کو تلقین کرے اور اس میں بات کو ڈالے۔ جب انسان زبان کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور قلب کو تعلیم دیتا ہے تو ظاہر باطن کی مدد کرتا ہے اور یہ قلب ایک بچہ ہے اس طرح سے اس کی زبان کھل جائے گی۔ پھر باطن سے ظاہر کو مدد ملے گی جیسے بچے کو بات کرنا سکھا رہے ہو تو اسی طرح پہلے آپ اس کے منہ میں بات ڈالتے ہیں، ایک ایک لفظ اس کو کہہ رہے ہوتے ہیں اور پھر اس تلقین کے نتیجے میں جو آپ نے کہا ہے بچہ وہی تمہارے لئے کہہ رہا ہوتا ہے۔ تو اس طرح قلب جو ہے وہ بولنا شروع کر دیتا ہے اور زبان پر وہ بات جاری ہو جاتی ہے۔ ایسا کرنے سے انسان کے اندر ایک چستی، نشاط اور ایک دلچسپی پیدا ہو جائے گی اور ہر قسم کی تھکاوٹ بھی جاتی رہے گی۔ شروع میں معلم سے اس کی مدد ہوتی ہے اور آخر میں وہ معلم کی مدد کرتا ہے۔ اگر انسان کچھ عرصہ نماز واذکار اور دعاؤں میں اس ترتیب سے عمل جاری رکھے تو اسطرح نفس عادی ہو جائے گا اور

اس کے عبادتی اعمال دیگر عادی اعمال کی مانند ہو جائیں گے اور پھر حضورِ قلب کے لئے ان کا محتاج بھی نہیں ہوگا اور اس کے لئے ایک عادی اور طبعی امور کی طرح ہر وقت حضور قلب ہوگا۔[1]

سادہ الفاظ میں اس ہدایت کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نماز گذار کو چاہئے کہ حضور قلب کو حاصل کرنے کے لئے جب نماز میں ذکر کہہ رہا ہے تو اس کے معنی کو اپنے دل میں بٹھائے، اسے تلقین کرے جس طرح ایک بچے کو الفاظ تعلیم دے رہا ہو اور اسے تلقین کر رہا ہو کہو "بابا"۔ اسی طرح نماز گذار اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ دل کو ان الفاظ کے معانی و مفہوم کی تلقین کرے اور اسے سکھائے۔ پس نماز کے معنی میں اس حد تک توجہ ہوگی تو پھر ایک عادت اور روحی ملکہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے معنی نمازی کے دل میں رسوخ کر جائیں گے اور پھر وہی ذکرِ قلبی ہوگا جو زبانی ذکر کا سہارا ہوگا۔

۵۔ عبادت میں خلوت

اہل بیت علیہم السلام کے بیانات اور احادیث مبارکہ میں جس بات کی بار بار تاکید ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ عبادتی امور میں خود نمائی اور ریا سے اجتناب کیا جائے اور انہیں پوشیدہ طور پر انجام دیا جانا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

اعظم العبادة اجرا اخفاھا۔[2]

"عظیم ترین عبادت وہ ہے جو پوشیدہ طور پر انجام دی جائے"

کچھ اولیا اللہ اس قدر اللہ تعالیٰ سے انس میں لذت محسوس کرتے ہیں کہ ان کی خلوت کی عبادت بہت لمبی ہو جاتی ہے اور یہ بات معنوی لذات سے محروم لوگوں کو سمجھ بھی نہیں آسکتی۔

---

[1] سر الصلوۃ، ص ۲۹

[2] قرب الاسناد، ص ۱۳۵، میزان الحکمہ، جلد ۴ ص ۳۳۹، حدیث ۲۵

۶۔ بہشت سے زیادہ لذت بخش

آغا سید احمد فہری [1] (متوفی ۱۳۸۵ ہجری شمسی) جنہوں نے آغا سید علی قاضی کو دیکھا اور ان سے ملے بھی تھے۔ انہی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے آیت اللہ قاضی سے یہ بات خود سنی کہ دو تین دن ہوئے میں سوچتا ہوں اگر بہشت میں انہوں نے ہمیں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی تو ہم کیا کریں گے؟ آغا فہری کہتے ہیں کہ وہ اپنے اس جملے کو ترکی کے شیریں لہجہ میں ادا کرتے تھے۔

۷۔مادّی لذات سے بالاتر

آغا بہجت اولیاء اللہ کے نماز سے لطف لینے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ نجف میں استادِ اخلاق (سید علی قاضی) فرماتے تھے اگر نماز کی لذت کا تمہیں پتہ چل جائے تو تمہیں سمجھ آجائے گی کہ دُنیامیں نماز سے زیادہ کوئی اور لذیذ ترین چیز نہیں ہے۔ آغا بہجت کے بیٹے اس بات کو اپنے بابا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا نمازوں کے بعد ان میں ایک ضعف آجاتا تھا۔ لیکن حرم اہل البیت علیہم السلام کی زیارت اس کے برعکس تھی کہ وہ ان کے نشاط میں اضافہ کرتی تھی یعنی مزید تقویت ملتی تھی۔ اسی لئے ہم نے یہ کوشش کی کہ وہ مستحبی نمازوں کو کم کردیں مگر ہمارے اعتراض کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "اگر دُنیا کے بادشاہوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کی حالت میں انسان کتنی لذتیں حاصل کر رہا ہوتا ہے تو وہ کبھی مادی لذات کی جانب نہیں جائیں گے"۔

۸۔اسرار نماز کی ایک خوبصورت منظر کشی

آیت اللہ بہجت نماز کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں:

نماز بمنزلہ کعبہ ہے تکبیرۃالاحرام اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو پیچھے پھینک کر حرم الٰہی میں وارد ہونا ہے، قیام دو دوستوں کی آپس میں گفتگو ہے، رکوع غلام کا آقا کے سامنے جھکنا ہے۔ سجدہ اپنے آقا کے سامنے پستی اور خضوع کی انتہا ہے اور جب غلام نماز کے آخر میں پہنچتا ہے اور بارگاہ مقدس

[1] آپ آیت اللہ خامنہ ای کے نمائندہ اور زینبیہ میں امام جمعہ تھے۔

الٰہی سے واپس آتا ہے تو سب سے پہلی سوغات جو وہ لاتا ہے وہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے سلام ہوتا ہے۔[1]

آغا بہجت اس قدر اللہ سے مانوس ہونے کی لذت لیتے تھے کہ ان کا بیٹا کہتا ہے کہ ان کی عبادتیں مسلسل شب و روز گیارہ سے بارہ گھنٹے ہوتی تھیں یعنی وہ اذکار، زیارات سارے کاموں میں اسی لئے مصروف رہتے تھے۔

۹۔ خداوند متعال کی طرف سے ایک شبہ کا عملی جواب

آیت اللہ آغا فہری فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنی ہے کہ سید علی اکبر اعمیٰ[2] کہتے تھے کہ دس دن میرے لیے ایک ایسی صورتحال پیش آئی کہ میری کوئی بھی مشکل ہو حل ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ مجھے نماز کی حالت میں یہ شبہ لاحق ہوا کہ کیسے ممکن ہے کہ اویس قرنی وغیرہ جیسے لوگ رات سے صبح تک سجدے میں رہتے ہوں؟ اسی خیال کے ساتھ میں رکوع میں گیا اور میں نے کہا کہ (سبحان ربی العظیم و بحمدہ) مجھے بہت لذت محسوس ہوئی دوبارہ یہ ذکر کیا تو لذت مزید بڑھ گئی اور جتنا زیادہ پڑھتا گیا لذت بڑھتی گئی۔ اس طرح میرا جو شبہ تھا وہ دور ہو گیا کہ جو اہل معرفت ہیں وہ اللہ سے مانوس ہونے میں تھکتے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ معنوی لذت کو محسوس کرتے ہیں۔"

آغا بہجت بیان فرماتے ہیں کہ آغا میرزا حسین خلیل تہرانی[3] نو سال کی عمر میں فرماتے تھے کہ غذا کھانا میرے لیے ایسے ہے جیسے میں کوئی تھیلے میں چیز بھر رہا ہوں اور غذا کھانے کا مجھے کوئی مزہ بھی نہیں آتا، جس چیز سے میں لذت لیتا ہوں وہ نماز ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ وہ نماز صبح

---

[1] نماز و دانش گاہ، جلد ا، ص ۱۰۵

[2] یہ حوزہ علمیہ قم میں طالب علم تھے مدرسہ رضویہ میں ان کا کمرہ تھا اور غیر شادی شدہ تھے، کوئی ۱۳۴۰ ہجری میں میں نے انہیں دیکھا تھا، کبھی میں ان کے کمرے میں بھی جاتا تھا

[3] اس سے مراد میرزا حسین خلیلی تہرانی ہیں جو ۱۳۲۶ ہجری قمری میں وفات پا گئے، یہ مشروطہ کے زمانے میں نجف اشرف کے تین مراجع میں سے تھے اور مشروطیت کے حامی تھے۔ اس کتاب کے چوتھے حصہ میں خلیلی تہرانی، میرزا حسین کے حالات زندگی درج ہیں۔

کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے بالا سر مصلی پر کھڑے ہوتے تھے اور طلوع آفتاب تک نماز میں مصروف رہتے تھے۔[1]

آغا بہجت درج ذیل روایت کی شرح میں فرماتے ہیں۔

حُبِّبْتُ اِلی النِّسَآءِ والطیب و جعلت فی الصلاۃ قرۃ عینی[2]

ترجمہ: ''خواتین اور اچھی خوشبو میری پسندیدہ چیزیں ہیں لیکن نماز میری آنکھوں کا نور ہے''۔

یہ جو چیزیں ہیں جن کی محبوبیت اور لذت تکوینی ہے، لیکن جو نماز کی لذت ہے وہ ان ساری لذتوں سے زیادہ ہے۔ لیکن کیا کریں ہمارا ذائقہ تلخ اور ترش ہو چکا ہے اسی لئے ہم ہر چیز جلد چاہتے ہیں اور نماز میں تاخیر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلدی جلدی نماز سے فارغ ہوں۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ جو شمع پروانے یا شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں ان کو بھی اچھی خوشبو کی تلاش ہوتی ہے اور جنس مخالف سے لذت کا حصول بھی تمام حیوانات میں مشترک ہے لیکن ہم انسان کامل کے امتیازات اور مختصات میں سے ہے کہ وہ نماز سے لذت حاصل کرتا ہے۔[3] نماز سے لذت اور مزہ لینا یہ کامل انسانوں کی خصوصیات میں سے ہے اور یہی وہ راز ہے کہ ان کی عبادت طولانی ہوتی ہے۔

۱۰۔ ایک ہنرمندانہ عمل

وہ افراد جو طولانی عبادت کے ہنر سے بہرہ مند تھے ان میں آیت اللہ بہجت کے استاد حسین اصفہانی (کمپانی) بھی شامل تھے۔ آغا بہجت ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے آغا خمینیؒ نے دریافت کیا کہ محمد حسین اصفہانی کی کرامات کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ تو میں نے کہا کہ ان

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمٰی بہجت، جلد ا

[2] وسائل الشیعہ، چاپ اہل البیتؑ، جلد ۸، ص ۱۱۶

[3] در محضر آیت اللہ العظمٰی بہجت، ج ا ص ۱۰۵

کے بارے میں مشہور تھا کہ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ مغرب اور عشا کی نماز کے بعد سحر تک ایک ہی سجدے میں ہوتے تھے۔امام خمینیؒ نے فرمایا کہ یہ عمل بہت ہی ہنر مندانہ ہے۔ [1]

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہ ہنر مندی خلوت میں ہو سکتی ہے۔ یہی عالم بزرگوار آیت اللہ اصفہانی ایک بار جلوت میں لمبے سجدے میں گئے تو عالم معنوی میں انہیں یہ تذکر دیا گیا کہ پھر ایسا نہ کریں (کہ جلوت میں اتنا لمبا سجدہ کریں)۔

۱۱۔امام حسین علیہ السلام کا دیدار

آغا بہجت آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ حرم امام حسین علیہ السلام میں لمبے سجدے میں چلے گئے ایسی حالت میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ لمبے سجدے اپنی خلوت کیلئے رکھو۔ تو ایک شخص نے شیخ اصفہانی سے پوچھا کہ آپ نے امام حسین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا یا بیداری میں؟ تو فرمایا بیداری سے بھی بہتر حالت میں دیکھا تھا۔

۱۲۔ عبودیت میں محبت کا کردار

اللہ تعالیٰ سے محبت تعمیر نفس اور خود سازی کے لئے کیمیا ہے۔ عبودیت و بندگی کی بنیاد محبت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ [2]

ترجمہ: خدا انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔

---

[1] یادداشت نمبر ۵، بند ۳

[2] سورہ مائدہ آیت ۵۴

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۔[1]

ترجمہ: اور ایمان والے تو سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں اور کاش یہ ظالم لوگ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد جو کچھ سمجھنے والے ہیں اب سمجھ لیتے کہ ساری طاقتیں صرف اللہ ہی کی ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں نہایت شدید ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ [2]

ترجمہ: کہد یجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

پھر بھی بہت سے لوگ اس محبت کے منکر ہیں کہ خدا سے محبت ہوتی ہے یا خدا محبت کرتا ہے۔ وہ بندے کی اللہ سے محبت اللہ کے اوامر کی اطاعت کو قرار دیتے ہیں اور اللہ کی بندے سے محبت اعمال کے ثواب اور جزا کو قرار دیتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ "اللہ کے نزدیک محبوب ترین بندہ وہ ہے خدا تبارک وتعالیٰ جس کی نفس کے اوپر غلبہ پانے کے لئے مدد کرتا ہے اور اس کا لباس زیریں غم ہوتا ہے جبکہ خوف کا اپنا ظاہری لباس قرار دیتا ہے۔[3]

ایک اور ملاقات میں دعائے کمیل کے جملہ (وَقَلْبِيْ بِحُبِّكَ مُتَيَّماً) "یعنی میرا دل تیری محبت میں گرفتار ہو چکا ہے" کے بارے میں فرمایا کہ اس جملے کا موضوع خود بینی کی نفی ہے اور یہ کہ سالک جب پروانہ ہو جاتا ہے اور نور تک پہنچ جاتا ہے تو نور ہو جاتا ہے اور وہ خدا سے چاہتا ہے کہ وہ

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۱۶۵۔

[2] سورہ آل عمران آیت ۳۱

[3] نہج البلاغہ، خطبہ ۸۷، بحار الانوار ج ۲ ص ۵۲

جذبات اور پر کشش چیزوں سے اپنی ذات کو الگ کرے اور بے خود ہو جائے وہ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے اور اپنے آپ کو اللہ کی عظمت میں گم کر دے۔[1]

اسی طرح امیر المومنینؑ کی مناجات "میں نے تجھے لائق عبادت پایا تو تیری عبادت کی"۔[2] کی وضاحت میں فرمایا کہ کیا مناجات پروانہ اور شمع کے مسئلہ کے علاوہ کچھ اور چیز ہے؟آپ یقیناً یہ کہیں گے کہ پروانہ تو شمع کے حسی نور کو دیکھتا ہے ہم کہیں گے یہ حسی مخلوق کا نور اسی غیر حسی نور کی وجہ سے ہی تو ہے۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ایک لیرہ کو تو پسند کرتا ہوں لیکن ہزار لیرہ (کرنسی) کو پسند نہیں کرتا۔[3]

۱۳۔ ریاست واقتدار کا خطرہ

اہل علم کے لئے خطرناک ترین چیز حبّ ریاست ہے۔ امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ "علما کے لئے آفت اور خطرناک چیز ریاست اور مقام و مرتبہ کی محبت ہے"۔[4]

ریاست طلبی دینداری کے لئے بہت خطرناک ہے۔ شیخ کلینی نے امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا کہ "دو بھیڑیئے اگر کسی ریوڑ میں گھس جائیں اور اس پر حملہ کریں وہ ان بھیڑوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا ریاست کی محبت مسلمانوں کے دین کو تباہ کر دیتی ہے"۔[5]

بہت سارے بزرگ علما اس خطرے سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ سے اپنی موت کی تمنا کرتے تھے۔ آغا بہجت فرماتے ہیں کہ حاج آغا حسین قمی جب مرجعیت عمومی کو پہنچے تو انہوں نے کسی سے کہا کہ جاؤ امیر المومنین علیہ السلام سے میری جانب سے یہ درخواست کرو اگر یہ ریاست اور یہ

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، ص ۱۲۱

[2] بحار الانوار ج ۶۷ ص ۱۸۶

[3] (در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ۲، ص ۳۷۱)

[4] (غرر الحکم، حدیث ۳۰۳۹، میزان الحکمہ جلد ۴، ص ۳۱۰ حدیث ۶۹۲۵)

[5] الکافی؛ ج ۲ ص ۲۹۷، حدیث ۱

مرجعیت میری دینداری کے لئے نقصان وہ ہے تو مجھے اٹھالیں۔ پس زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ وہ فوت ہو گئے۔ [1]

یہ خطرناک اخلاقی برائی ہے جس سے بچنا اتنا دشوار اور سخت ہے کہ حدیث میں آیا ہے :
''صدّیقین کے دلوں سے آخری چیز جو نکلتی ہے وہ ریاست کی محبت ہے''۔ [2]

اس بنیاد پر وہ لوگ اس میں کامیاب ہوتے ہیں اور مقابلہ جیت جاتے ہیں جو اللہ کے لئے اس راستے میں کام کریں۔ اور جو اس اخلاقی برائی میں گرفتار ہوتے ہیں تو جب انہیں کوئی مقام یا عہدہ ملتا ہے تو ایسے غرور اور تکبر میں آجاتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر تصور کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنی گفتار اور کردار میں دوسروں سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں اور یہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ کوئی اگر ان سے مذاق میں بھی بات کرلے تو اپنی شان میں توہین سمجھتے ہیں۔ اپنے قریبی دوستوں سے بھی ان کا رویہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے امام علی علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ''اگر آپ کا کوئی دوست ہو اور پھر اس کو کوئی منصب اور عہدہ مل جائے اور تم دیکھو کہ اس عہدہ سے پہلے والی دوستی کا اگر دسواں حصہ بھی محفوظ ہے تو پھر بھی سمجھ لو وہ تمہارا برا دوست نہیں ہے''۔ [3]

۱۴۔ کمال کا اعلیٰ ترین درجہ

اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہونا معنوی کمال کا بلند ترین درجہ ہے جو یقین کی بلند ترین چوٹی پر پہنچنے کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ ثقۃ الاسلام کلینی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے

---

[1] (یادداشت، شمارہ ۲۱)

[2] فتوحات مکیہ، ج ا ص ۴۰۸

[3] دوستی در قرآن و حدیث، ص ۱۷۱، ح ۴۰۸

روایت کی ہے کہ " زہد کا بلند ترین درجہ ورع کا کم ترین درجہ ہے۔ اور ورع کا بلند ترین درجہ یقین کا کم ترین درجہ ہے۔ یقین کا بلند ترین درجہ خوشنودی از خدا یعنی خدا کی رضا کا نچلا ترین درجہ ہے"۔ [1]

امام زین العابدین سے مروی ایک اور حدیث میں آیا ہے: کہ " ناپسندیدہ صورتحال میں بھی اللہ کے فیصلے پر راضی ہو جانا متقین کے بلند ترین درجہ میں سے ہے"۔ [2]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تمام اولیاء اللہ اس اخلاقی قدر کے وصف سے متصف ہوتے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ " جو کام ہو چکا ہوتا تھا اس کے بارے میں رسول خدا ﷺ کبھی بھی یہ نہیں فرماتے تھے کہ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا" [3]

پس جو لوگ انسانی کمالات کے بلند ترین مرتبہ یعنی رضایت کی بلند چوٹی پر فائز ہوتے ہیں وہ زندگی کے تلخ ترین حادثات اور سانحات کو قضائے الٰہی پر محمول کرتے ہیں اور رضا و خوشنودی خدا کے کیمیا سے ان تلخیوں کو شیریں بنا دیتے ہیں۔ گویا زندگی کے سارے واقعات، حالات اور حادثات ان کے لئے رضایت بخش اور ان کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ آغا بہجت قضا الٰہی پر راضی ہونے کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آیت اللہ حاج شیخ علی زاہد قمی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے ماہ رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھ سکتے تھے، کسی نے ان سے کہا کہ دعا کرو کہ تم ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے قابل ہو جاؤ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں دعا نہیں کروں گا۔ اس شخص نے سوال کیا کہ کیوں؟ جواب دیا: قضاء الٰہی کے سامنے تسلیم ہونے کی اہمیت اور اس کی قدر زیادہ ہے۔ [4]

---

1 میزان الحکمت، جلد ۴، ص ۴۷۴، حدیث ۴۷، ۹۴

2 میران الحکمت، ج ۴ ص ۴۷۴، حدیث ۷۴۹۶

3 میزان الحکمت، جلد ۵، ص ۳۹۱، حدیث ۹۰۴۹

4 یادداشت نمبر ۲۹

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے کہ ”جو شخص اللہ کے حسن انتخاب پر اعتماد کرتا ہے تو جو چیز یا جو حالت اللہ نے اس کے لئے قرار دی ہے وہ آرزو نہیں کرتا کہ اس کے علاوہ اس کے لئے کچھ ہو“۔[1]

۱۵۔ احتساب کا عمل

اسلامی روایات میں غیر معمولی طور پر خود سازی پر زور دیا گیا ہے کہ انسان ہر روز نیک اور برے اعمال کا جائزہ لے۔ یہ موضوع اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ

”وہ ہم میں سے نہیں ہے جو روزانہ اپنا احتساب نہیں کرتا۔ اگر اس نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو اللہ سے اور توفیق مانگتا ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اگر برا کام اس سے سرزد ہوا ہے تو اللہ سے معافی مانگتا ہے اور توبہ کرتا ہے“۔[2]

اپنے احتساب میں سخت رویہ اپنانا

اسلامی احادیث میں وصیت وارد ہوئی ہے کہ مسلمان کو چاہئے اپنا جائزہ لیتے وقت بہت ہی دقیق اور سخت گیر ہو۔ حدیث نبوی ہے ”کہ انسان متقی نہیں بن سکتا مگر یہ کہ اپنے بارے اس سے زیادہ سخت حساب کرے کہ جتنا کوئی شریک اپنے دوسرے کاروباری شریک کے ساتھ معاملات کا حساب کرتا ہے۔“[3]

---

[1] (میزان الحکمہ، جلد ۴، ص ۳۷۴، حدیث ۹۹، ۴۷)

[2] میزان الحکمہ، ج ۳، ص ۸۲، حدیث ۴۰۰۳

[3] میزان الحکمہ، جلد ۳، ص ۸۲، حدیث ۴۰۰۵

خود احتسابی کا فائدہ

خود احتسابی سے اصلاح نفس ہوتی ہے اور قیامت کے دن انسان پر سکون ہو گا۔ امام علیؑ سے مروی ہے کہ خود احتسابی کا ثمرہ اصلاح نفس ہے۔"[1]

ایک اور مقام پر فرمایا کہ "اپنی ذات کا خود احتساب کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سختیوں سے محفوظ رہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خیر کی خبریں ملیں۔[2]

بوقت موت خود احتسابی

صاحب مراقبہ علمائے ربانی اور بزرگان دین احتساب کی خصوصی اہمیت کے قائل ہیں۔ آغا بہجت اس سلسلے میں آیت اللہ میرزا حبیب اللہ رشتی کے بارے میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کی موت کا وقت پہنچا تو اس وقت بھی وہ اپنے بارے احتساب اور جائزہ سے غافل نہیں تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرزا حبیب اللہ رشتی کے شاگردوں میں سے ایک کے بیٹے نے (جو شیخ انصاری کے بڑے لائق شاگردوں میں سے تھا شاید اس کا نام شیخ حسن تھا) بیان کیا ہے کہ جب موت کا وقت قریب تھا تو میرزا رشتی اپنا احتساب کر رہے تھے وہ اپنے آپ سے سوال کرتے تھے اور خود ہی جواب دیتے تھے۔ انہوں نے خود سے کہا کہ میرزا حبیب اللہ رشتی تم نے سہم امام کھایا ہے؟ پھر جواب دیا کہ نہیں کھایا۔ میرزا حبیب اللہ کیا تم نے قضاوت کی ہے؟ جواب دیا کہ نہیں کی۔ کہا کیا تم طالبعلموں سے خوش اخلاقی سے پیش آئے؟ یہاں جب پہنچے تو پھر اس کے جواب میں گریہ شروع کر دیا۔

---

[1] میزان الحکمہ، جلد ۳، جلد ۸۴، حدیث ۴۰۰۹

[2] میزان الحکمہ، جلد ۳، ص ۸۴، حدیث ۴۰۱۱

ندامت و شرمندگی سے نجات

انسان اگر اپنا احتساب کرے تو زندگی کے اختتام پر حسرت اور ندامت سے بچ جاتا ہے۔ آغا بہجت اس بارے میں بہت تاکید فرماتے تھے۔ کسی کا نام لئے بغیر فرمایا کہ ایک شیخ کہا کرتے تھے کہ اے کاش! ایسی صورتحال پیدا نہ ہو جو میرے فائدے میں ہو اور نہ میرے نقصان میں۔ یہ وہی الفاظ ہیں جو عمرو عاص کہا کرتا تھا۔[1]

۱۶۔ بدی کے بدلے میں نیکی

کسی کی بدی کے مقابل نیکی کرنا اعلیٰ ترین اخلاقی فضیلت ہے۔ امام علی علیہ السلام سے روایت ہے: کہ "ایمان کے کمال کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ جس نے کسی کے ساتھ برائی کی ہے تو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے بلکہ نیکی سے دے۔[2]

امام علی علیہ السلام اس فضیلت میں بھی باقی تمام فضیلتوں کی مانند سب سے آگے تھے۔ آغا بہجت نے ایک ملاقات میں یہ واقعہ سنایا: "معاویہ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو قتل کردے۔ اور معاویہ نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے علیؑ کو قتل کردیا تو ایک بڑی رقم اسے دے گا۔ وہ آدمی کوفہ آیا لیکن قبل اس کے کہ کوئی اقدام کرتا امام علی علیہ السلام نے اس کی نیت اسے بتادی جس پر وہ شرمندہ ہوا تو امام علیہ السلام نے جناب قنبرؓ سے کہا کہ اس کو راستے کا خرچہ بھی دو اور سواری بھی فراہم کرو تاکہ وہ اس پر واپس شام چلا جائے۔[3]

اس سے بھی بالاتر جب ابن ملجم کو پکڑ کر لایا گیا اور امام علی علیہ السلام شہادت کے قریب تھے تو اس وقت بھی اپنے اس قاتل پر احسان کرتے ہوئے فرمایا کہ

---

[1] (یادداشت، شمارہ ۲۳)

[2] میزان الحکمت، ج۱۰ص ۱۴۵، حدیث، ۱۷۸۸۳

[3] یادداشت، شمارہ ۲۱، بندا

اطیبوا طعامه والینوفراشه[1]

ترجمہ: اس کو غذا بھی اچھی دو اور اسے بستر بھی اچھا فراہم کرو۔

شیعانِ علیؑ کی خصوصیت

حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ برائی کے مقابلہ میں نیکی کرتا ہے۔ امام کے سچے پیروکار وہی ہیں جو برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ برائی کا جواب نیکی سے دیتے ہیں۔

۱۷۔ علم و عمل کے نمونے

آغا بہجت بار بار تاکید کرتے تھے کہ علمائے سلف کے زندگی نامہ معتبر کتب اخلاق کی مانند ہیں۔ جو شخص معنوی امور میں ترقی و تہذیب کا طالب ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی سے فائدہ اٹھائے تو اسے چاہئے کہ جو بزرگ ہستیاں گزر چکی ہیں، ان کی زندگی کا مطالعہ کرے۔[2]

انہوں نے اس سلسلے میں بہت سارے نکات بیان کئے اور علم و عمل کے جو نمونے ہیں ان کا بھی تذکرہ کیا۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

ا۔ علامہ حلیؒ

آغا بہجت علامہ حلی کی تالیفات و کتب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مرحوم علامہ حلیؒ نے فقہ کے نو (۹) دورے لکھے ہیں[3] تبصرہ (تبصرۃ المتعلمین) ان میں سے ایک ہے۔ ان کی جتنی تالیفات ہیں ان میں تکرار نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ فائدے اور خصوصیات ہیں۔

[1] دانشنامہ امیر المومنینؑ ج ۷ ص ۳۴۰

[2] در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت، جلد ا، ص ۱۰۹

[3] معجم مولفی الشیعہ ص ۱۴۳

مثلاً ''تذکرۃالفقہا'' ایک جامع کتاب ہے جس میں اہل سنت کے اقوال اور ان کے اعتراضات کے جوابات بھی ہیں۔ اسی طرح ضروری فتاوی اور روایات کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے شہید رابع مرحوم شیخ محمد تقی قزوینیؒ (شہید ثانی کے بعد متعدد شہداء میں ان کا بڑا مقام ہے) اور صاحب ''احقاق الحق'' شہید ثالث سے سوال کیا گیا کہ فقہ کی بہترین کتاب کونسی ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ علامہ حلی کی کتاب ''تذکرۃالفقہا'' ۔

خود علامہ حلی اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں وہ تمام مسائل موجود ہیں جس پر امامیہ کا اتفاق ہے۔

۲۔ شیخ مرتضی انصاری

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ کیا شیخ مرتضی انصاری کے حالات اور ان کا مقام اس قابل نہیں ہے کہ ان پر رشک کیا جائے ؟ کیونکہ انہوں نے محال امور کو یکجا کیا ہوا تھا۔

علمی میدان میں ان کا یہ حال تھا کہ ایک آنکھ کے ہوتے ہوئے وہ دن رات میں فقہ و اصول کے دو درس خارج دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کثیر التالیف بھی تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ دن کو لکھتے تھے کیونکہ رات کو انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ان علمی امور کے ساتھ ساتھ عبادات کے میدان میں روزانہ نماز جعفر طیار، زیارت عاشورہ اور زیارت جامعہ پڑھتے تھے۔ نماز شب بھی پابندی کیساتھ ان کے معمول کا حصہ تھی۔ ان تمام امور کو یکجا کرنا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دے رکھی تھی اور ان کے اوقات میں برکت عطا کی تھی۔

مرض الموت کے دوران وہ استسقا (یعنی پیاس لگنے کی بیماری) میں مبتلا تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں روبہ قبلہ لٹایا جائے مگر وہ اپنا منہ قبلہ سے پھیر لیتے تھے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ مجھے روبہ قبلہ کرو اور میری ذمہ داری یہ کہ قبلہ سے رخ موڑ لوں۔ جو

عرب وہاں پر موجود تھے۔آپس میں کہنے لگے ان کو تکلیف بڑھاپے کی وجہ نہیں بلکہ کام زیادہ کرنے اور کھانا کم کھانے کی وجہ سے ہے۔ توانہوں نے فرمایا کہ

اَلْمَوْتُ وَالْحَیاۃُ مِنْ عَوارِضِ الْبَدَنِ، وَ السُّوچُ سَوادُ الْوَجْهِ فِی الدّارَینِ

"موت و حیات بدن کے عوارض یعنی بیماریوں میں سے ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ انسان دنیاوآخرت میں سیاہ رکھتا ہو۔" گویا موت اور حیات ان کی نظر میں معمولی بات تھی۔[1]

کیاایک عام آدمی ایسی بات کر سکتا ہے؟ خدا جانتا ہے کہ انسان کس مقام پر فائز ہو تو ایسی بات کر سکتا ہے۔آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ انہوں نے علم و عمل میں امانت ادا کی جو بیت المال کی امانتیں ہوتی تھیں ان کے دولت سرا میں ہوتی تھیں۔اس دور میں بینک کا کوئی نظام نہیں ہوتا تھا۔ایک بار رات کے وقت چور گھر کی چھت سے آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ شیخ کے گھر میں ایک بھینس ہے۔ وہ ڈر جاتا ہے کہ کہیں بھینس اس پہ حملہ نہ کردے۔اس لئے وہ چور چھت سے نیچے نہیں آتا۔ یہ کرامت صرف شیخ انصاری ہی کی نہیں بلکہ بہت سے علمائے کرام کے حوالے سے اسی طرح کی کرامات مروی ہیں۔ ہمارے اندر ایسی کرامات تو نہیں ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ علم و عمل کی کمی کا اقرار ہمارے درد کا علاج ہو۔

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ شیخ انصاریؒ کے ایسے ایسے کلمات ہیں جو ان کے بلند مقامات کو واضح کرتے ہیں کیونکہ جو بلند مقامات پر نہ پہنچا ہو وہ ایسے بیانات نہیں دے سکتا۔ مرحوم سید علی دزفولی شوستری کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شیخ انصاری ان کے درس اخلاق میں جاتے تھے اور وہ خود شیخ انصاری کے درس فقہ میں حاضر ہوتے تھے۔ مرحوم شیخ کے جنازے پر انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے شیخ تم نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ تم اپنے رازوں سے آگاہ کر سکو۔[2]

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج۱، ص ۳۳۹

[2] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج۱، ص ۸۹

۳۔آیت اللہ سید محمد فشارکی

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ مرحوم سید محمد فشارکی سامرہ سے نجف آئے۔ مرحوم آخوند خراسانی اپنے شاگردوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے درس میں شرکت کیا کریں۔ تمام نامور علما جن میں ابوالحسن اصفہانی، شیخ عبد اللہ لنکرانی، آغا ضیا عراقی (جنہوں نے ستائیس سال اخوند خراسانی کے درس میں شرکت کی تھی) سید محمد فشارکی کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ کیونکہ آقائ ضیا عراقی ابوالحسن الاصفہانی سے پہلے اخوند کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ وہ ۱۳۰۵ہجری میں جبکہ آغا ضیا ۱۳۰۳ہجری میں نجف آئے تھے۔ مرحوم شیخ عبدالکریم حائری جو سامرہ سے ان کے ہمراہ تھے، اور مرحوم شیخ محمد حسین اصفہانی اور دیگر علماء فشارکی کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ چنانچہ آغا سید محمد فشارکی نجف کے بڑے اساتذہ میں سے تھے۔ انہوں نے تمام تر مشکلات، ناداری اور فاقہ کا سامنا تو کیا لیکن علم و عمل کے میدان میں بلند ہمت اور عزم کے مالک تھے۔ روحانی طور پر وہ مکمل عارف تھے۔ ایک مرتبہ آغا فشارکی روٹی لینے نان بائی کے پاس گئے تو نان بائی نے یہ کہہ کر مزید روٹی دینے سے انکار کردیا کہ اب آپ پر بقایاجات بہت زیادہ ہو گئے ہیں تب ایک طالبعلم ان کا ضامن بنا کہ وہ روٹی دیدے۔ اور اسے اس کے پیسے مل جائیں گے۔ اس قسم کی پریشانی انہیں علم و عمل سے دور نہ رکھ سکی۔ [1]

۴۔آیت اللہ میرزا محمد تقی شیرازی

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ جب ہم علمائے سلف کے حالات اور اپنے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے سلف کم عمری میں ہی اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ علم و عمل دونوں پر غیر معمولی توجہ دیتے تھے اس لئے غیر معمولی مقام پاتے تھے۔ ان جیسے علماء اب پیدا نہیں ہورہے۔ ہمارے استاد (شیخ محمد کاظم شیرازی جو خود بھی ایک غیر معمولی شخصیت تھے) فرماتے تھے کہ آیت اللہ مرزا محمد تقی شیرازی غیر معمولی

---

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج۱، ص ۹۰

شخصیت کے حامل تھے۔ مرحوم آقا حسین قمی بھی ہمارے استاد کی مانند قائل تھے کہ آغا میرزا محمد تقی شیرازی، سید محمد کاظم یزدی اور آخوند خراسانی سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ سید محمد کاظم یزدی اور آخوند خراسانی دونوں ذہین و فطین تھے، لیکن علمی میدان میں مرزا تقی شیرازی ان سے آگے تھے۔ ہم نے سات سال روزانہ مکاسب کے دو درس (مکاسب محرمہ کی ابتدا سے خیارات کے آخر تک) ان کے پاس پڑھے۔ علم اور تعلیم و تعلّم کے سلسلے میں وہ جو زحمتیں اٹھاتے تھے اور مشقت کرتے تھے ہم میں وہ صفت نہیں پائی جاتی۔ وہ علم کے عاشق تھے۔ [1]

آغا بہجت نے یہ بھی فرمایا کہ کربلا کے علماء کہتے تھے کہ محمد تقی شیرازی مرجع تقلید بن گئے تو ایسا معلوم ہوا کہ ریاست و مرجعیت اس کی کوئی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ ریاست اور قیادت سے بہت دور بھاگتے تھے اور اپنا سر نیچے کیے رکھتے تھے۔ وہ فتوی بھی بہت کم دیتے تھے۔ بہت کم مواقع ہیں کہ انہوں نے فتوی دیا ہو کیونکہ جو عروۃ الوثقی پر ان کا تعلیقہ اور حاشیہ ہے ان سب میں احتیاط کے موارد لکھے ہیں یعنی ان کا زور اس بات پر ہے کہ احتیاط کو ترک نہیں کیا جانا چاہئے۔ صاحب عروۃ الوثقی کے فتاوی کے علاوہ ان کے فتاویٰ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

مرزا محمد تقی شیرازی علوم کے اتنے بڑے متبحر تھے کہ وہ ہر بحث، مناظرہ اور استدلال میں احتیاط سے کام لیتے تھے وہ اس معاملے میں بے بدل اور بے نظیر تھے۔ ہمارے استاد فرماتے تھے کہ کافر کی بحث میں بڑا ہنگامہ برپا کرتے تھے۔ وہ مناظرے میں خوب متبحر تھے۔ [2]

آغا بہجت نے ایک اور جگہ میرزا محمد تقی شیرازی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ فقہی اقوال ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر مخالف میرے سامنے آتے ہیں کہ ان میں ایک کو حتمی

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲، ص ۱۳۲۔
2 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۱، ص ۴۱۸

طور پر اختیار کرنا محال ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس قسم کے معاملات ان کے ساتھ ہمیشہ ہوتے تھے۔[1]

۵۔آیت اللہ سید محمد حسین اصفہانی نجفی

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی نجفی[2] جو مفسر بھی تھے ان کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ اپنے زمانے کے عقلی و نقلی علوم کے جامع تھے۔ ہمارے استاد (شیخ کاظم شیرازی) فرماتے تھے کہ اگر یہ مرزا شیرازی کے بعد زندہ رہتے تو ان کو مرجعیت ملتی، علم و عمل کے مقام پر ان کو دیکھا جائے تو خود فرماتے تھے کہ میں نے مکلّف (بالغ) ہونے کے بعد سے انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ البتہ معصیت کی نیت سے خود کو مبرا نہیں سمجھتا۔[3]

٦۔آیت اللہ شیخ محمد رضا مظفر

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم میں کسی کو شیخ محمد رضا مظفر سے زیادہ محنتی نہیں دیکھا۔ نجف اشرف میں سید محمد کاظم یزدی کے مدرسے میں ان کا کمرہ میرے کمرے کے بالکل سامنے تھا مجھے تقریبا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں لیکن میں سوچتا تھا کہ ان کے پاس شاید تالیفات کیلئے کوئی وقت نہیں بچتا۔ میرے خیال میں وہ "کلیۃ الفقہ" اور "منتدی النشر" (جن اداروں کے وہ خود مؤسس تھے) کے لئے لکھتے تھے۔ لیکن بعد میں میں نے دیکھا کہ ان کی متعدد تالیفات ایسی ہیں کہ جن میں فکر اور تامل کی ضرورت ہے۔ جب ہم اپنا مطالعہ ختم کرلیتے تھے اور چاہتے تھے کہ سوجائیں تو ان کے کمرے کی بتی جل رہی ہوتی تھی اور اسی طرح لکھتے رہتے تھے۔ صبح کی اذان یا اس سے قبل جب ہم اٹھتے تھے تو اس وقت بھی محمد رضا لکھ رہے ہوتے تھے۔

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج۲، ص۲۰۲

2 شیخ محمد حسین غروی اصفہانی (کمپانی) کے علاوہ ہیں.

3 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج۲، ص۲۷۸

اس کے علاوہ روزانہ فقہ واصول کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ استاد بیان کرتے تھے اور وہ لکھتے تھے۔ درس و بحث میں سنجیدہ تھے۔ ان کے بھائی محمد حسن بھی بہت محنتی تھے۔ انہوں نے امامت کی بحث پر مشتمل کتاب ''دلائل الصدق'' لکھی ہے۔ فقہ میں بھی ان کی بہترین کتابیں ہیں لیکن شائع نہیں ہوئیں۔ وہ اپنے بھائی محمد رضا سے بڑے تھے ان کے اور بھی بھائی تھے۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک شیخ صاحب رات کے آخری حصے میں بیدار ہوتے تھے طلوع صبح تک مدرسے کی چھت پر مطالعہ کرتے۔ جب صبح طلوع ہو جاتی تو نماز پڑھ کر چھت پر ہی سو جاتے تھے۔

آیت شیخ محمد رضا المظفر کا یہ معمول آخر تک ایسا ہی تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ''منتدی النشر'' کی تاسیس فرمائی۔ آغا خوئی نے بھی سولہ درس پڑھائے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو درس پڑھانے کیلئے وقف کیا ہوا تھا۔ [1]

۷۔ آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی

آقا بہجت فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں نجف میں تھا تو آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانیؒ ''اُمّ داؤد'' کا عمل [2] کیا کرتے تھے اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس عظیم انسان نے کتنے مقامات طے کئے تھے انہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ

عش یا اباحسن علی رغم العدی   ملك الزمان و آية الرحمن

ترجمہ: ''اے ابوالحسن، دشمنوں کے باوجود بادشاہوں اور آیت رحمان کے طور پر زندگی بسر کرو۔''

---

[1] در محضر آیت اللہ العظمی بہجت ج ۲، ص ۱۴۵

[2] مفاتیح الجنان، اعمال ماہ رجب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اتنی زیادہ دینی اور عمومی ذمہ داریوں، مرجعیت، درس و تدریس اور اموال شرعیہ سے متعلقہ امور کی انجام دہی اور پھر بڑھاپے تک پہنچنے کے باوجود کبھی بھی عمل ام داؤد اور مسجد کوفہ میں اعتکاف کو ترک نہیں کیا۔[1]

مزید فرماتے ہیں کہ سید ابوالحسن اصفہانی کا حافظہ بہت مضبوط اور بے مثال تھا۔ فقہ کے تمام ابواب پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ بغیر مطالعے کے درس خارج دیتے تھے جبکہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ البتہ آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کے شاگرد جیسے آقا شیخ محمد علی بزرگ شاہرودی اور مرزا محمد تقی عاملی جنہوں نے ان کی فقہ کو لکھا ہے۔ شاید مرزا فتاح شہیدی (شارح مکاسب) نے بھی ان کی فقہ لکھی ہے کیونکہ وہ سید ابوالحسن اصفہانی کے بہت عقیدت مند تھے۔ میں خود شاہد اور گواہ ہوں کہ مرحوم شہیدی جب کفایہ کا درس دیتے تھے تو کتاب کو پکڑتے اور پھر فرماتے کہ "یقول علیہ الرحمۃ" اور شرح کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے صاحب کفایہ کے درس میں بھی شرکت کی تھی۔[2]

آیت اللہ بہجت نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ خدا رحمت کرے ہمارے علما پر کہ جنہوں نے اپنی پوری زندگی درس و بحث میں گزاری۔ آغا ابوالحسن اصفہانی عجیب حافظے کے مالک تھے۔ بہت محنتی تھے اور فقہ کے بہت سارے ابواب پر ان کو مکمل عبور تھا اور تمام استفتاءات کا جواب خود دیتے تھے۔ جب صبح سے ایک گھنٹہ گزر جاتا تو فرماتے کہ اب میں نے بیس سوالوں کے جوابات لکھے ہیں۔ ان استفتاءات کا براہ راست خود جواب دیتے تھے۔ نہ ان کی مجلس استفتاءات تھی نہ کوئی دفتر تھا بلکہ سارے کام خود کرتے تھے۔

---

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، جلد ۱ ص ۷۴

2 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت جلد ۲ ص ۳۲۸

۸۔آیت اللہ رضا ہمدانی

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ آیت اللہ رضا ہمدانی بڑے علمی مقام پر فائز تھے۔ بہت متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے شاگردوں میں سے ایک سے میں نے سنا کہ وہ اتنے تواضع کے مالک تھے کہ اپنے ہم عصر علما کے مقابلے میں خود کو ہیچ سمجھتے تھے۔ مرحوم شیخ الشریعہ اصفہانی نے ان کی جنازے کی مشایعت میں فرمایا تھا کہ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمارے زمانے کے علما میں سب سے زیادہ فقہ جاننے والے (فقیہ) تھے۔ کیونکہ اب کوئی مانع نہیں ہے کی ان کی اعلمیت کا اظہار کیا جائے کہ وہ دوسروں سے زیادہ عالم تھے۔ آغا رضا ہمدانی کا علم اور ان کی فضیلت ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوا۔ [1]

۱۸۔ تبلیغ میں کامیابی کا راز

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ ایک آغا صاحب ممبئی گئے اور وہاں دیکھا کہ پورا محلّہ شیعہ ہے مگر نماز کوئی نہیں پڑھتا تھا۔اس نے ان سے کہا کہ کوئی حرج نہیں۔ اگر مہینے میں ایک نماز پڑھ لو تو بھی کافی ہے۔ ایسا فتوی اور ایسا حکم دینے کیلئے جرائت اور یقین چاہئے تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ یہ تو پڑھ ہی لینگے اس طرح انہوں نے مہینے میں ایک نماز پڑھنی شروع کی اور لوگ کافی عرصہ مہینے میں ایک ہی نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اس آغا نے ان سے کہا تھا کہ اب ایک ہفتے میں ایک نماز پڑھ لیا کرو۔ اس طرح ایک عرصہ تک وہ لوگ ہفتے میں ایک نماز پڑھتے رہے۔ پھر آغا نے ان سے کہا کہ دن رات میں ایک نماز پڑھا کرو۔ آہستہ آہستہ صبح اور شام حتی کہ پنجگانہ نماز کیلئے بڑی آسانی کیساتھ لوگوں کو تعلیم دی اور وہ سب نمازی بن گئے اور یوں انہوں نے اپنے ہدف کو پالیا۔ ان آغا سے پوچھا گیا کہ کس طرح اتنا عرصہ تم نے انہیں بے نماز چھوڑ دیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بے نماز تھے۔ میں نے انہیں بے نماز نہیں بنایا میں نے انہیں ایک روش کے ساتھ تدریجاً نمازی بنا دیا ہے۔ یہ ہے تبلیغ میں موافقیت اور کامیابی کا راز کہ کس طرح ماحول اور حالات کو دیکھ کر لوگوں کو ایک عمل پر آمادہ کر لیا جاتا ہے۔ [2]

---

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت جلد ۱، ص ۳۳۶

2 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت جلد ۱، ص ۳۵۵

فصل پنجم

فلسفہ و عرفان

سیر و سلوک پر چلنے والے، راہ خدا میں حضرت حق تعالیٰ کے شہود قلبی اور یقین کی بلندی کو پہنچنا چاہتے ہیں۔ مناجات شعبانیہ میں اس طرح تصویر کشی کی ہے۔

اِلٰھی ھَبْ لی کَمالَ الانْقِطاعِ اِلَیْكَ، وَاَنِرْ اَبْصارَ قُلُوبِنا بِضِیاءِ نَظَرِھا اِلَیْكَ، حَتّٰی تَخْرِقَ اَبْصارُ الْقُلُوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ، وَتَصیرَ اَرْواحُنا مُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِكَ.[1]

ترجمہ: پروردگارا! میں چاہتا ہوں کہ ہر کسی سے تعلق توڑ کر تیرے ساتھ تعلق کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے۔ ہمارے دل کی نگاہیں اپنی نگاہ کے پَرتَو سے روشن کردے تاکہ ہمارے دل کی نگاہیں نوری حجابات کو چیرتے ہوئے عظمت کے دائرے میں پہنچیں اور ہماری جان تیری قدسیت کے شکوہ کے ساتھ معلق و متصل ہو جائے۔

جس وقت سالک معرفت شہودی کی بلندی پر پہنچتا ہے اور حضرت حق تعالیٰ کا قلبی دیدار پالیتا ہے تو وہ خداوند تعالیٰ کی معرفت کیلئے عقلی برہان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔اس کی زبان حال و قال کہہ رہی ہوتی ہے کہ

مَتَی غِبْتَ حَتّٰی تَحْتَاجَ اِلَی دَلِیلٍ عَلَیْكَ[2]

ترجمہ: تو غائب ہوا ہی کب سے کہ تیرے لئے کوئی دلیل کی ضرورت ہو (جو تیری نشاندہی کرے)۔

فروغ بسطانی کے اشعار ہیں کہ

---

1 الاقبال، ج ۳ ص ۲۹۹، دانشنامہ عقائد اسلامی، ج ۴ ص ۳۱۶

2 مفاتیح الجنان، ص ۲۷۲ (ذیل دعا عرفہ)

کی رفتہ ای ز دل کہ تمنا کنم ترا؟

کی بودہ ای نہفتہ کہ پیدا کنم ترا؟

غیبت نکردہ ای کہ شوم طالب حضور

پنہاں نگشتہ ای کہ ہویدا کنم ترا

ترجمہ: ''کب تو دل سے گیا کہ میں تیری تمنا کروں؟۔ کب تو چھپا کہ تجھے تلاش کروں؟ تُو غائب ہی نہیں ہوا تیرے حضور کا طالب ہوں۔ تو چھپا ہی نہیں کہ تجھے ظاہر کروں۔''

ایک ایسا شخص جو اس معرفت کو پا چکا تھا۔ فقیہ عارف الحاج بہاؤ الدینی تھے۔ ۱۲ رجب وہ ۱۳۸۱ ہجری شمسی میں شہید رجائی تہران کے اسپتال میں تھے۔ ہم ان کی خدمت میں عیادت کیلئے گئے تو انہوں نے کچھ مطالب بیان کئے۔ فرمانے لگے کہ ''میرے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ ''وجودہ من اظہر الاشیا'' یعنی اس کا وجود خود تمام چیزوں سے زیادہ آشکار اور واضح ہے۔[1] میں اس معنی کو محسوس کرتا ہوں میری معرفت سماعی یعنی سنی سنائی نہیں ہے اگر ساری دنیا کہے کہ تو خیالی باتیں کرتا ہے تو میں کہوں گا کہ تم خیال کرتے ہو میں خیالی بات نہیں کر رہا۔'' ایک اور ملاقات میں فرمایا کہ میں خدا کی معرفت میں اس مقام پر پہنچا ہوں کہ جیسے سورج نصف دن پہ ہو۔ اگر میں اس کا انکار کرنا چاہوں تو میرا وجدان اس کا انکار نہیں کرتا۔''

یقین تک پہنچنے کا راستہ

مذکورہ بالا مطالب کو ایک میں نے ملاقات کے دوران آغا بہجت کے سامنے رکھا اور ان سے سوال کیا کہ کس طرح ایک انسان یقین تک پہنچ سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک راستہ علمی مسائل میں تفکر ہے جو انسان کو علم الیقین پر پہنچاتا ہے اور دوسرا راستہ ذکر خدا کو مسلسل جاری رکھنا ہے۔[2]

1 الفتوحات المکیہ جلد ۲ ص ۴۵۹

2 یادداشت نمبر ۲۹، بند ۵

علم الیقین وہی معرفت و یقین ہے جو برہان عقلی کے ذریعے انسان کو حاصل ہوتا ہے لیکن شہودی معرفت کیلئے عین الیقین تک پہنچنا ضروری ہے۔ جس کیلئے دائمی یادِ خدا یعنی مسلسل ذکر کرنا ضروری ہے۔

۲۔ معنوی مقامات تک پہنچنے کی چابی

آغا بہجت نے مختلف ملاقاتوں میں بار بار یہ تاکید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور ذکر میں تسلسل اور دوام شہودی معرفت تک پہنچنے میں بہت موئثر ہے اور اس کی تاکید کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ درج ذیل آیت:

اولم یکف بربك انه علیٰ کل شیءٍ شهید۔ الا انه بکل علی شیئ محیط[1]

ترجمہ: کیا تمہارے رب کیلئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ ہر چیز پر محیط ہے"

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ خداوند متعال کی طرف متوجہ ہونا معنوی مقامات اور شہود حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

ایک بار فرمایا کہ انتہائی چیز جو اللہ تعالیٰ انسان سے چاہتا ہے اس کا دائم الذکر ہونا ہے۔ جیسے کہ روایت میں بھی ہے کہ تین چیزیں کہ جن کو انجام دینے کی طاقت نہیں ہے۔ ان میں سے ایک ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح ذکر کرے کہ ہر جگہ اللہ کو یاد رکھے۔ چاہے اللہ کی اطاعت کا ارادہ ہو یا معصیت کا۔ (ذکر اللہ فی کل موطن اذا هممت علی طاعته او معصیته)[2] ذکر میں دوام انسان کو یقین کے مرتبے تک پہنچاتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا کہ انسان دائم الذکر ہو اور یقین کے مرتبہ پر فائز نہ ہو؟[3]

---

1 فصلت:53

2 الکافی، ج ۲ ص ۱۴۵

3 یادداشت نمبر۲۹، بند ۵

ایک اور دفعہ فرمایا کہ وعظ و نصیحت کیلئے ایک جملہ ہی کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[1]

ایک بار فرمایا کہ ذکر کے انجام دینے سے عجائب و غرائب حاصل ہوتے ہے۔ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ [2]

''میں اس کے ساتھ ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔''

انسان کیلئے یاد خدا کے تسلسل میں بڑی برکات ہیں۔اس میں شک نہیں کہ یاد خدا کی اہم ترین برکت حق تعالیٰ کی شہودی معرفت کا حاصل ہونا ہے۔جیسا کہ رسول خدا ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إذا کان الغالب علی عبدی الاشتغال بی جعلت نعیمه ولذته فی ذکری فإذا جعلت نعیمه ولذته فی ذکری عشقنی وعشقته فاذا عشقنی وعشقته رفعت الحجاب فیما بینی وبینه۔[3]

ترجمہ: جب میرا بندہ میرے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے تو میں اپنے ذکر کو اس کی خوشی اور لذت قرار دیتا ہوں اس طرح وہ میرا عاشق بن جاتا ہے اور میں اس کا عاشق بن جاتا ہو۔جب وہ میرا عاشق بن جائے اور میں اس کا عاشق بن جاؤں تو میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا۔

---

1 یادداشت نمبر ۲، بند ۵
2 اصول کافی ج ۲ ص ۴۹۶
3 نہج الذکر، ج ا ص ۲۵۸

۳۔ ذکر خدا میں دوام کا راز

یہاں تک ہم نے یہ بات کہی کہ یاد خدا میں دوام اور تسلسل معرفت شہودی حاصل کرنے کی چابی ہے۔ اس سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ یاد خدا میں تسلسل اور دوام کیسے حاصل کریں اور اس کی چابی کیا ہے؟ تو آغائے بہجت نے ملاقات کے دوران اس حوالے سے جو رہنمائی فرمائی اور ذکر کے مداومت کیلئے جو رمز بتائے وہ اس طرح ہیں:۔

ا۔ اپنے فقر مطلق کی طرف توجہ

انسان ہر چیز میں فقیر مطلق ہے اور بے نیاز و مطلق خدا کا محتاج ہے ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ[1]

"تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ تم سب سے بے نیاز اور تعریف کے لائق ہے۔"

آغا بہجت فرماتے ہیں کہ انسان کو پتہ ہونا چاہئے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے حتی کہ نیتِ خیر بھی نہیں ہے۔[2]

ایک اور ملاقات میں فرمایا کہ ہم ہر آن اور ہر لحظہ اللہ کی ہدایت کے محتاج ہیں۔ اس کی عنایت کا قطرہ قطرہ ہماری مدد کر رہا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ ہم جو بولتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اسی کی عنایت ہے۔[3]

البتہ اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان مجبور ہے اور اپنے ارادے سے کچھ نہیں کر سکتا۔ ذکر ہوا ہے:

---

1 فاطر آیت ۱۵

2 یادداشت نمبر ۳۱، بند ۲

3 یادداشت نمبر ۱۰، بند ۵

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ [1]

"جو اچھائی تم تک پہنچے سمجھ لو وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی تم تک پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔"

حدیث قدسی میں اس کی مزید وضاحت فرمادی گئی ہے۔

یابن آدم ! انا اولی بحسناتك منك و انت اولی بسئیاتك مِنی عملت المعاصی بقوتی التی جعلتها فیك[2]

" اے فرزند آدم ! میں تیری نیکیوں کا تجھ سے زیادہ حقدار اور تیری برائیوں کا تو مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ میں نے تیرے اندر طاقت قرار دی ہے جس طاقت سے تو نے میری نافرمانی کی ہے۔"

لہٰذا ذکر کے دوام کے لئے جو بھی قدم اٹھائے اس میں توجہ ہو کہ اللہ کی توفیق کے بغیر اور لحہ بہ لحہ اللہ کی ذات کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔[3]

یہ معرفت انسان کو غرور کی جال میں پھنسنے سے بچاتی ہے اور اللہ کی رحمت، مہربانی، لطف اور ذکر کے دوام میں توفیق کا باعث بنتی ہے۔

---

[1] سورہ نسا، آیت ۷۹

2 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۸ ص ۴۱۰، حدیث ۶۰۷۲۔ مزید توضیح دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۸ ص ۴۰۱

[3] امام علی علیہ السلام کی طرف منسوب دعا صباح میں اس طرح وارد ہوا ہے۔ الٰهی إنْ لَمْ تَبْتَدِئْنِی الرَّحْمہ ُ مِنْکَ بِحُسْنِ التَّوْفِیقِ فَمَنِ السَّالِکُ بِی إلَیْکَ فِی واضِحِ الطَّرِیقِ ۔ (یعنی خدایا اگر تیری رحمت، حسن توفیق کا وسیلہ نہ بنے تو کون ہے جو تیری طرف سلوک کے راستے کو تیری طرف ہموار کرے۔ تو ہی ہے جو مجھے اس راستے میں چلاتا ہے۔)

۲۔ ذکر کے دوام کو مشکل خیال نہ کرنا

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو وسوسہ ہوتا ہے اور وہ تصور کرتا ہے کہ دوام ذکر ایک مشکل کام ہے اور وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رستہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے کوئی ایسی چیز نہیں چاہی جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔[1]

آغائے بہجت نے اسی لئے فرمایا کہ ابتدا میں انسان خیال کرتا ہے کہ مشکل ہے اس کے سامنے ایک پہاڑ ہے لیکن آہستہ آہستہ سمجھ جاتا ہے، مشکل نہیں ہے۔ دوسروں سے بات کرتا ہے لیکن اس کا دل خدا کے پاس ہوتا ہے۔[2]

۳۔ ذکر کے الہام کیلئے کوشش کرنا

آغا بہجت ذکر خدا میں دوام کیلئے تیسری رہنمائی فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کوشش کرو کہ خداوند متعال اپنا ذکر تمہیں الہام کردے۔

اسئلك ان تلهمنی ذکرك

(اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنا ذکر مجھے الہام کردے) اگر ذکر الہام ہو گیا تو پھر دوام ذکر کے سارے لوازمات ساتھ ہی آجائیں گے۔[3]

بہت ساری احادیث کے مضمون میں الہام ذکر بیان ہوا ہے۔[4]

پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول حدیث میں ذکر کے الہام ہو جانے کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت شمار کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

---

1 سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ارشاد ہے کہ ''يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔

2 یادداشت نمبر ۲۹۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر جتنی اس کے پاس طاقت ہو۔ (سورہ بقرہ ۲۸۶)

3 یادداشت نمبر ۳۰، بند ۶

4 نہج الذکر، ج ۱ ص ۲۱۶

مامن اللہ تعالیٰ علی عبادہ مثل ان یلھمھم ذکرہ۔ [1]

ترجمہ: خداوند متعال نے اپنے بندگان میں سے کسی کو بھی اپنے ذکر کے الہام کرنے جیسی عظیم نعمت سے بالاتر نعمت سے نہیں نوازا۔

ذکر کے الہام کیلئے بلند ترین اور اساسی ترین کوششیں حسب ذیل ہیں:

الف۔ ذکر کے آفات سے اجتناب

قران واہل بیتؑ کی ہدایات کی روشنی میں ہر بات کہ جو انسان کے سوچنے سمجھنے کی قدرت کو ضعیف و ناکارہ کر دے جیسے دنیا پرستی، شراب نوشی، قمار بازی اور دیگر ناجائز سرگرمیاں، لمبی اُمیدیں، بسیار خوری و غیرہ یہ ساری چیزیں یادِ خدا کی آفت ہیں اور اس سے شیطان انسان کے ادراک اور سوچنے پر مسلط ہو جاتا ہے۔ [2]

امام علیؑ سے مروی ہے کہ معراج میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو یہ حکم دیا کہ ان کے ذکر کو دوام دیں؛ فرمایا:

وَدُمْ عَلیٰ ذِکْرِیْ؛ فَقَالَ یَارَبِّ کَیْفَ أَدُوْمُ عَلیٰ ذِکْرِكَ؟ فَقَالَ بِالْخَلْوَةِ عَنِ النَّاسِ وَبُغْضِكَ الْحُلْوَ وَالْحَامِضَ وَفَرَاغِ بَطْنِكَ وَبَیْتِكَ مِنَ الدُّنْیَا۔ [3]

ترجمہ: میرے ذکر میں دوام اختیار کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! میں کیسے اس کو دوام دوں؟ تو فرمایا کہ لوگوں سے تنہائی اختیار کرکے، اور شیرین و ترش سے کنارہ کشی کرکے اور دنیاوی لذات سے شکم اور گھر کو خالی رکھ کر۔

یہ حدیث اس واقعے کو بیان کرتی ہے کہ یاد خدا کی آفت صرف گناہ نہیں ہے کہ بلکہ ہر وہ چیز جو دل کو یاد خدا سے منصرف کرتی ہو۔ مثلاً بے حد و حساب لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھا، شکم پرستی، گھر کو دنیوی زیورات وآسائشوں سے آراستہ کرنا۔ یہ تمام چیزیں دوام ذکر کیلئے مانع ہیں۔

---

[1] نہج الذکر، ج ۱ ص ۱۳۶ حدیث ۲۱۶

[2] نہج الطریق ج ۱ ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۰۔

۳۔ ایضاً ج ۱، ص ۱۴۰

پیغمبر ﷺ نے جب اپنے گھر کے دروازے پر پردہ دیکھا اور اس کے اوپر تصویریں دیکھیں تو اپنی بیوی کو حکم دیا کہ پردے کو ہٹادو۔

نہج البلاغہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی پارسائی کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے۔

وَيَكُوْنُ السِّتْرُ عَلىٰ بَابِ بَيْتِه فَتَكُوْنُ فِيْهِ تَصَاوِيْرِ فَيَقُوْلُ يَا فَلَانَه لِأَحْدٰى اَزْوَاجِهِ ------الخ[1]

ترجمہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے گھر کے دروازے پر پردہ لٹکتے دیکھا تو اپنی بیویوں میں سے ایک کو فرمایا کہ اے فلاں اس کو میری آنکھوں سے دور کرو کیونکہ جب میری نگاہ اس پر پڑتی ہے تو دنیا کی رنگینیاں میرے سامنے آجاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے صمیم دل سے دنیا سے منہ موڑا اور اپنے دل سے اس کی یاد کو ختم کیا۔ آپ ﷺ دنیا کی زیب وزینت کو دوست نہیں رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔

ب۔ اللہ سے سوال (دُعا)

ذکر کی آفات سے بچنے اور ذکر کے دوام کے لئے دعا موثر ترین عوامل واسباب میں سے ہے۔ لہٰذا معصومینؑ نے ہمیں دعائیں تعلیم دی ہیں کہ خداوند تعالیٰ سے بار بار یہ مانگو کہ وہ اپنا ذکر تمہارے دل میں الہام کردے جیسا کہ ذاکرین کی مناجات میں آیا ہے۔

والهمنا ذكرك في الخلا والملا والليل والنهار والاعلان والاسرار في السرا والضرا 2

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶

2 نہج الذکر ج ا ص جلد ۱۳۸

ترجمہ: اے معبود! اپنا ذکر تنہائی میں، جمعیت میں، رات میں دن میں ظاہر، مخفی خانے میں، آسانی میں، سختی میں ہر جگہ ہمیں اپنا ذکر الہام فرمادے۔

۴۔ مراقبت، ذکر کی چمک

آغا بہجت نے دوام ذکر کیلئے کہا کہ مراقبہ ان چمکدار بجلیوں میں سے ہے کہ جن سے یاد خدا انسان کے دل میں کشش اور چمک پیدا کرتی ہے۔ کوشش ہونی چاہئے کہ یہ بجلی خاموش نہ ہو اور روشنی ختم نہ ہو۔ یہ سالک کو شہود تام تک پہنچانے کا سبب بنے گی۔ شہود تک پہنچنا ہے تو یاد خدا پر مراقبہ کیا جائے اور اختیاری توجہات ہاتھ سے نہ جانے دیں جو کبھی کبھی انسان کو درپیش ہوتی ہیں۔ ہا غیر اختیاری طور پر توجہ ہٹ جائے تو اس کو اہمیت نہ دیں۔ لہٰذا واضحات کو ہاتھ سے نہ جانے نہ دیں تو یہی شہود تام کے وصول کا سبب ہے۔ [1]

گویا جب انسان متوجہ ہو جائے کہ اللہ کے محضر میں ہے تو جس قدر ہو سکتا ہے کوشش کرے کہ غیر خدا کی طرف اس کا دل متوجہ نہ ہو اور اختیاراً اپنے دل کو اللہ سے نہ موڑے۔ نہ صرف یہ کوشش اور مراقبہ نماز میں حضور قلب کا سبب بنے گا جبکہ دوام ذکر کیلئے مقدمہ بھی فراہم کرے گا اور حضرت حق تعالیٰ کا شہود قلبی بھی حاصل ہوگا۔

کامل ترین ذکر کی پاسداری

نماز ذکر اور یاد خدا کا کامل ترین مصداق ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي [2]

---

1 یادداشت نمبر ۱۱، بند ۲

2 سورہ طٰہٰ آیت ۱۴

ترجمہ: بے شک میں معبود ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں، میری ہی عبادت کرو اور میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو۔

یہ بات اس موضوع کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کی حکمت یادِ خدا ہے۔ نماز کامل ترین ذکر اور عبادت ہے جو انسان کو خدا کی یاد میں ڈالتی ہے۔ آغا بہجت فرماتے ہیں کہ بزرگ ترین ذکر خدا نماز ہے۔

وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ[1]

" اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ذکر ہے۔"

قرآن مجید میں نماز کی برکات بتائی گئی ہیں۔ارشاد ہوتا ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ[2]

" نماز قائم کرو کہ نماز برے اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔"

آغا بہجت فرماتے ہیں ہے کہ یہ جملہ کہ " نماز برے کاموں اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے" تخلیہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ عبارت کہ "اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے" تحلیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی انسان برائیوں سے پہلے خالی ہوگا اور پھر اللہ کی یاد سے آراستہ ہوگا۔[3]

علامہ طباطبائیؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ "ولذکر اللہ اکبر" یاد خدا کی برکات اور وصال کو بیان کرنے میں ترقی کی منزل ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ نماز پڑھو تاکہ نماز تمہیں برائیوں اور ناپسندیدہ کاموں سے نکالے اور صرف یہ نہیں بلکہ یاد خدا اس فریضہ الٰہی میں برکات بھی تجھے دے گی اور تجھے

1 سورہ عنکبوت آیت ۴۵، یادداشت نمبر ۳۰، بند ۲

2 سورہ عنکبوت آیت ۴۵

3 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت ج ۱، ص ۳۶۸

برائیوں سے بھی روکے گی اور تیری دیگر چھوٹی موٹی برائیاں بھی ختم ہو جائینگی اور پھر نماز میں ذکر خدا ایک بہت بڑی خیر و برکت والی چیز ہے جو انسان کو اس نماز سے مل جائے گی۔ [1]

آغا بہجت کے نزدیک نماز کے علاوہ ذکر خدا میں دوام واجب نمازوں میں مراقبہ کی برکات میں سے ایک ہے۔ میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ نماز میں توجہ کرو۔ اگر نماز صحیح ہو جائے تو ساری چیزیں ٹھیک ہو جائینگی۔

''وَاعْلَمْ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ عَمَلِكَ تَبَعٌ لِصَلَاتِكَ'' [2]

ترجمہ: جان لو! تیرا ہر عمل تیری نماز کے تابع ہے۔

فرماتے ہیں کہ حرات کا میزان نماز ہے۔ [3] جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ اس گفتگو کی بنیاد قرآن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کامل ترین ذکر کا مصداق نماز ہے جس کی حفاظت اللہ کی برکات کیلئے زمینہ فراہم کرتی ہے اور ذکر خدا کو دوام ہے اور شہود معرفت کے مقام پر پہنچاتی ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ:

''ألصلاة من شرائع الدين و فيها مرضاة الرب وهی منهاج الانبياء- و للمصلی حبُ الملائكة، و هدىً و ايمان و نور المعرفة۔ [4]

ترجمہ: نماز دین کے آئین و قانون میں سے ہے۔ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں ہے۔ پیغمبروں کا روشن راستہ ہے نمازی کیلئے فرشتوں کی محبت ہے۔ نمازی کیلئے ہدایت، ایمان اور نور معرفت ہے۔

امیر المومنین علیؑ سے قد قامت الصلوۃ کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ

1 المیزان فی تفسیر القرآن، ذیل سورہ طٰہٰ، آیت ۱۴

2 نہج البلاغہ، مکتوب: ۲۷

3 یادداشت نمبر ۳۳، بند ۴

4 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴، ص ۴۰۶ حدیث ۷۴۷۳

أی حان وقت الزیارۃ و المناجاۃ وقضاء الحوائج درك المنیٰ و الوصول الی اللہ۔[1]

ترجمہ : اس کا مطلب ہے ملاقات اور مناجات کا وقت آگیا ہے۔ حاجات پوری ہونے ، امیدیں برآہونے اور حق تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا وقت آگیا ہے۔

اس بنیاد پر نماز اگر حقیقت میں نماز ہو تو انسان کی تعمیر میں اس کا بڑا کردار ہے اور معرفت شہودی کے حصول کا وسیلہ ہے اور نماز پہلا قدم ہے۔ جس سے انسان کے تمام حالات میں یاد خدا آجاتی ہے۔ تمام برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔سالک کو تقوی کی بلندی پر پہنچا دیتی ہے اور دوسرا قدم یقین کی بلندی، رب عالمین کی معرفت شہودی اور معرفت قلبی ہے۔

۵۔ معرفت شہودی کے مراتب

بہت ساری احادیث بڑی وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ انسانی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے معرفت شہودی حضرت حق تعالی حاصل ہو جائے اور وہ خداوند متعال کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھ لے جیسا کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے بھی یہ بات مکرر نقل ہوئی ہے کہ ہم اس خدا کی عبادت نہیں کرتے جس کو ہم دیکھتے نہیں ہیں۔[2]

اس بات کی طرف توجہ رہے کہ معرفت شہودی اور اللہ کو دل کی نگاہ سے دیکھنے کے مختلف مراتب ہیں ۔ اہل بیت علیہم السلام اس کے اعلی ترین مراتب پر فائز ہیں اور دوسرے جتنی کوشش کرتے ہیں اسی کے حساب سے بلندیوں کی طرف جاتے ہیں اور معرفت کی بلند ترین چوٹی کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

---

1 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴، ص ۴۰۸، حدیث: ۳۶۴۹

2 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴، ص ۱۲۵

آغا بہجت اس بارے میں فرماتے ہیں کہ لقاء اللہ کیلئے ابتدائی مرتبہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں انسان کو اللہ سے انس ہو جائے اور گرم جوشی پیدا ہو جائے اور لقاء اللہ کا بالاترین مرتبہ وہ ہے جس کی طرف حدیث "قرب نوافل" میں اشارہ ہوا ہے۔[1]

حدیث "قرب نوافل" سے مراد وہ حدیث ہے جو شیعہ و سنی کے معتبر ترین منابع میں (متن کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ) وارد ہوئی ہے وہ حدیث یہ ہے:

مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدٌ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَيَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّافِلَةِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا إِنْ دَعَانِي أَجَبْتُهُ وَإِنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُهُ.[2]

ترجمہ: میرے بندے کیلئے بہترین چیز یہ ہے کہ جو میں نے واجبات دیے ہیں ان کو انجام دے کر میرا تقرب حاصل کرے اور جب وہ مستحب عمل سے میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس کا دوست بن جاتا ہوں اور جب میں دوست بن جاتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ کام کرتا ہے۔ اگر مجھے پکارے تو میں جواب دیتا ہوں اور اگر مجھ سے مانگے تو عطا کرتا ہوں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ معرفت شہودی کے بلند ترین مرتبہ پر خداوند متعال اس طرح انسان کے دل پر تجلی کرتا ہے کہ سالک اپنے ارادے کو ارده حق میں فنا دیکھتا ہے۔ اس حال میں وہ احساس کرتا ہے کہ اس کے حرکات و سکنات اللہ کی طرف منسوب ہیں اور اس طرح لاحول و لاقوۃ الا

1 یادداشت نمبر ۲۹، بند ۵

2 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴ ص ۸۰ ۴ حدیث نمبر ۶۶ ۷ ۳

باللہ کے حقیقی مفہوم کو پالیتا ہے۔ یہ مرتبہ پالینے کے بعد وہ ''مستجاب الدعوات'' بن جاتا ہے۔اور اذن خدا سے اس کا ارادہ اس جہاں میں کارساز ہوتا ہے۔

۶۔اللہ کے دیدار قلبی کا معنی

اللہ کے دیدار قلبی کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں:

ا۔انسان کا دل ذات مقدس کا احاطہ کرلیتا ہے۔ انسان خدا کو دل کی نگاہ سے پالیتا ہے اس طرح کا قلبی دیدار حسی دیدار کی طرح ہے جو کہ خداوند متعال کے مورد میں محال ہے۔اس حوالے سے آغا بہجت نے فرمایا کہ اہم اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی دل پر تجلی کو بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے جو دیکھا ہے وہی خدا ہے ۔ یہ عدم دِقّت ہے ۔ قلب کادیکھنا چشم کے دیکھنے کی طرح خطا کر سکتا ہے۔ جو حقیقت جہاں کی وحدت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا [1]

ترجمہ: خداوند تعالی کا جلوہ اور اس کی تجلی خود خدا نہیں ہے۔ تجلّیٰ خدا کا فعل ہے نہ کہ خود خدا ہے۔[2]

امام علی علیہ السلام کی حدیث ہے؛فرماتے ہیں کہ:

لاتحیط بہ الابصار و القلوب [3]

ترجمہ: آنکھیں اور دل اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

1 سورہ الاعراف،آیت ۱۴۳

2 یادداشت نمبر ۲۹، بند ۵

3 نہج البلاغہ، خطبہ ۸۵

۲۔ دیدار قلبی کا دوسرا معنی اندرونی تجربے کی نوعیت کا ہے یعنی تاریکیوں کے پردے کشف ہونے اور انوار کی تجلی سے اور حق تعالیٰ کے جلال و جمال کی معرفت سالک کو حاصل ہو جاتی ہے اسے معرفت شہودی کہتے ہیں۔ ہر قسم کی توضیح اس ضمن میں ان کیلئے کہ جن کا دل حجاب میں ہے ایسی ہے کہ کسی نابینا کیلئے خوبصورتی کی توضیح دی جائے۔ لیکن علائم اور نشانیوں کے ذریعے۔ آغائے بہجت نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ کم ترین مرتبہ اور بالا ترین مرتبہ بیان کیا جاسکتا ہے۔ آغا بہجت فرماتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کی رؤیت کا وہی معیار ہے جو آخرت میں رؤیت کا۔

امیر المومنین نے ایک شخص کے اس سوال

''هل رأيت ربك؟''

''کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے؟''

کے جواب میں فرمایا:

''میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا نہ ہو۔''[1]

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ

''رأته القلوب بحقائق الايمان۔''[2]

ترجمہ: دلوں نے اسے ایمان کی حقیقتوں سے درک کیا ہے۔

دعائے عرفہ میں ہم پڑھتے ہیں:

''عميت عين لاتراك عليها رقيبا۔''[3]

''وہ آنکھ اندھی ہے جو تجھ کو اپنے اوپر رقیب و نگہبان نہ دیکھے۔''

ایک اور گفتگو میں فرمایا کہ:

---

1 الکافی، ج ۱ ص ۱۳۸، دانشنامہ عقائد اسلامی، ج ۴ ص ۱۲۵

2 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴، ۱۲۲

3 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲ ص ۳۶۴، ۳۶۳

''اگر آخرت میں اللہ کی زیارت ممکن ہوتی تو پھر دنیا میں بھی ممکن ہوتی۔ امکان کا معیار دونوں میں ایک ہی ہے۔ بہر حال سر و بصر سے نہیں دل اور بصیرت سے اللہ کا دیدار ممکن ہے۔ [1]

حقیقت میں اللہ کی رویت کے ممکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیدار دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں بھی ممکن ہے اور ناممکن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناممکن ہے۔''

ابو بصیر سے مروی ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مومنین قیامت کے دن خدا کو دیکھیں گے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ:

ان المومنین لیرونہ فی الدنیا قبل یوم القیامہ ألست تراہ فی وقتك ھذا؟ [2]

ترجمہ: مومنین اللہ کو قیامت سے پہلے دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کیا تم اللہ کو اس وقت نہیں دیکھ رہے ہو؟

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ میں یہ بات آگے لوگوں کو پہنچاؤں؟ لیکن امامؑ نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ:

'' فانك اذا حدثت بہ فانکرہ منکر جاھل بمعنی ما تقولہ ثم قدر ان ذالك تشبیہ کفر، لیست الرؤیۃ بالقلب کالرؤیۃ بالعین، تعالی اللہ عما یصفہ المشبھون والملحدون ''

ترجمہ: اگر تم کسی کو کہو گے اور وہ جاہل ہو وہ تیری تفسیر کو قبول نہ کرے گا پھر وہ خیال کرے کہ یہ تشبیہ ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ دل کا دیکھنا آنکھ کے دیکھنے کی طرح نہیں ہے۔ خداوند کی

1 در محضر آیت اللہ العظمی بہجت، ج ۲ ص ۳۶۱

2 دانشنامہ عقائد اسلامی ج ۴، ص ۱۳۰، حدیث ۳۴۶۵

توصیف اس طرح نہیں کی جا سکتی جو تشبیہ دینے والے اور منحرف ہونے والے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے بالاتر ہے۔

۷۔ وحدت وجود کا صحیح اور غلط معنی

معرفت شہودی کے مراتب اور حق تعالیٰ کے قلبی دیدار کا معنی بیان ہو چکا تو بہتر ہے کہ ہم وحدت وجود کا صحیح اور غیر صحیح معنی بھی سمجھ لیں۔

ایک ملاقات میں آغا بہجت سے میں نے پوچھا کہ وحدت وجودی، جس کے اہل عرفان قائل ہیں، آپ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ وہ ایک لحاظ سے درست ہیں اور ایک لحاظ سے اشتباہ میں ہیں۔ درست یہ ہے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ غلط نہیں ہے۔ اشتباہ یہ ہے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ کثرت حقیقیہ سے منافات نہیں رکھتا۔ (حقیقت میں کثرت ہے وحدت نہیں ہے)۔ جو دیکھتے ہیں وہ واحد ہے وہ تجلی حضرت حق ہے۔ موضوع تجلی قرآن اور روایات اسلامی میں بہت زیادہ آیا ہے۔ اور انہوں نے وحدت حکمیہ اور وحدت حقیقیہ میں اشتباہ کیا ہے۔ میں وحدت حکمیہ اور کثرت حقیقیہ کا قائل ہوں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ بات کہی ہو۔ اور جو وحدت حقیقیہ کے قائل ہیں وہ بھی عملی طور پر یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ سید احمد کربلائی رات سے صبح تک گریہ کرتے ہیں۔ اگر وحدت حقیقیہ ہو تو پھر رونے کا کیا مطلب؟ قرآن و احادیث اسلامی نے وحدت حقیقیہ کو رد کیا ہے۔ (کان یاکلان الطعام)[1] آغا بہجت اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کثرت حقیقیہ اور وحدت حقیقیہ کو ایک جگہ جمع کرنا محال ہے مگر یہ کہ کوئی کہے کہ تناقض محال نہیں ہے۔ روایات میں جو آیا ہے کہ (یبصر بہ و یسمع بہ) یہ اسی وحدت حکمیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح لافرق بینك و بینھم الا انھم عبادُكَ وَ خَلقُك۔[2]

1 سورہ مائدہ، آیت ۷۵۔

2 مصباح المتہجد، ص ۸۰۳، الانسان الکامل، ص ۱۲۸ مفاتیح الجنان (ماہ رجب کے ہر دن کی دعا)

یعنی تیرے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے مگر یہ کہ وہ تیرے بندگان اور تو ان کا خالق ہے۔

ظاہراً اس روایت سے مقصود جس کی طرف اس جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے، حدیث "قرب نوافل" ہے جو کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ آغا بہجت کے بیان کی روشنی میں انسان معرفت شہودی کے بالاترین مرتبہ میں ایک نکتے پر پہنچتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا کہ جس کا خارج ہیں وجود ہو۔ حتیٰ کہ وہ جو دیکھ رہا ہوتا ہے وہ بھی خدا کے وسیلے سے دیکھتا ہے۔اس کے اور خدا کے درمیان فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ خالق ہے اور وہ مخلوق ہے۔

آغا بہجت وحدت حقیقیہ اور وحدت حکمیہ کی مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ جب سورج نکلتا ہے تو ستارے نہیں دیکھے جاسکتے۔ لیکن حقیقت میں ستارے ہیں۔ برہان اور وجدان میں جمع اور جو کچھ کتاب و سنت میں متواتر آیا ہے، اس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم کثرت حقیقیہ اور وحدت حکمیہ کے قائل ہو جائیں۔ "وحدت" کی اس طرح تفسیر کی صراحت میں نے کسی کے کلام میں نہیں دیکھی ہے۔[1]

۸۔ وحدت حقیقیہ کے قائلین کا حکم فقہی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب و سنت میں جو متواتر آیا ہے اگر کوئی اس کے برعکس وحدت حقیقیہ کے قائل ہو جائے تو پھر فقہی لحاظ سے اس کا کیا حکم ہے؟آغا بہجت نے اپنی طرف سے اس کی وضاحت دینے کے بجائے فرمایا کہ اخوند ملا محمد کاظم خراسانی سے کہا گیا کہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں ان کو کافر قرار دیں تو انہوں نے جواب دیا کہ (یہ مسئلہ نظری ہے عملی نہیں ہے۔ ورنہ

1 یادداشت نمبر ۲۵، بند ۳

عمل میں ہم میں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے) انہوں نے برہان کے مقتضیات میں اشتباہ کیا ہے۔ان کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے کوئی انگیٹھی کو آگ کہہ دے۔[1]

اسی طرح آغا سید ہادی میلانی سے منقول ہے کہ جو وحدت حقیقیہ کے قائل ہیں اگر وہ تاویل و توجیہہ رکھتے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ زندقہ ہیں۔[2]

آغا بہجت نے آخوند اور آغا میلانی کی بات پر کوئی تنقید نہیں کی۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی ان کے نظریے کے حامی ہیں۔

۹۔ عرفانی مسائل کے بارے میں نکتہ نظر میں اختلاف

آغا بہجت کا نظریہ تھا کہ بزرگ علماء کے مابین عرفانی مسائل میں اختلاف نظر ہے تو یہ ان کی بے احترامی کا سبب کا نہیں بنے اور ان کے بارے میں کوئی غلط موقف نہ اپنایا جائے۔ ایک ملاقات میں انہوں نے فرمایا کہ آیت اللہ سید علی قاضی کا نکتہ نظر اپنے استاد آیت اللہ سید مرتضیٰ کشمیری سے مختلف تھا۔ باوجودیکہ ان دونوں کا عرفانی مسلک ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ مگر پھر بھی سید علی قاضی اپنے استاد سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔[3]

ایک ملاقات میں فرمایا کہ سید مرتضیٰ کشمیری مرحوم سید قاضی پر تقدم زمانی رکھتے ہیں۔ سید قاضی تین سال ان کے درس میں رہے۔ سید قاضی وحدت وجود کی بنیاد کے معاملے میں آغا کشمیری سے اختلاف نظر رکھتے تھے لیکن ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ کیونکہ مرحوم کشمیری معیت کے قائل تھے۔ گویا انہوں نے اس معنی کو محسوس کیا ہو۔[4]

---

[1] یادداشت نمبر ۳۶، بند ۱۰

[2] یادداشت نمبر ۲۵، بند ۴

3 یادداشت نمبر ۲۴، بند ۳

4 یادداشت نمبر ۲۷، بند ۱۱

۱۰۔ ابن عربی کا مذہب اور اس کے مکتب کی پیروی

آیت اللہ بہجت کا عقیدہ تھا کہ بعض عرفا اور ان کی کتب اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ اہل سنت کے مذہب میں سے تھے۔ البتہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے مذہب اہل بیت کو اختیار کرلیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عربی، غزالی کے مانند شیعہ تو ہو گیا تھا لیکن اس کی کتابیں سنی ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن وہ اپنے اس عقیدے سے پلٹ آئے تھے۔ان کا پلٹنا اور انکی یہ کتابیں خدا قبول کرے یا نہ کرے یہ اور بات ہے۔ احتمال ہے کہ سیوطی نے بھی آخر میں مذہب امامیہ کو قبول کرلیا تھا۔ [1]

جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا محی الدین عربی ضَالّ اور مُضِلّ تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ سوال آغا سید محمد کاظمی سے پوچھا گیا تو انہوں نے مکمل احتیاط کے باوجود کہا کہ ہم محی الدین اور ان جیسے دوسروں کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باتوں کی پیروی کی جائے اور یہ کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اعتقاد اور عمل میں انبیا اور اوصیا کے تابع ہوں۔ یہ کہنا کہ وہ کافر ہیں، ان سے نکاح وغیرہ جائز نہیں ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ نماز و روزہ کے پابند تھے۔ ان کی باتوں کی توجیہہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ بایزید اور جنید اشتباہات رکھتے تھے۔ بطور کلی ہم ایسے افراد کے متعلق جن کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کیسے تھے؟ ان کی عاقبت کیسی ہو گی؟ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو اہل بیت کے موافق تھے ہم اس کے موافق ہیں اور جو اہل بیت کے مخالف تھے ہم بھی ان کے مخالف ہیں۔ بہر حال ثقلین کی تقلید کریں۔ تمام مسلمانوں کا مرجع ثقلین ہی ہیں یعنی قرآن و اہل بیت۔ [2]

---

1 یادداشت شمارہ ۳۰، بند ۳

2 در محضر آیت العظمیٰ بہجت، ج ۲، ص ۱۱۷، ۱۱۶

۱۱۔ کتاب اسفار اور شرح منظومہ کے متعلق آیت اللہ بہجت کا نظریہ

آغا بہجت نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ مرحوم شیخ محمد حسین اصفہانی شرح منظومہ پڑھاتے تھے۔ ان کے درس کا لکھا ہوا کچھ حصہ ایک دوست کے ہاں ملا۔ مجھے لگا کہ آغا خوئی کی لکھائی ہے۔ کیونکہ ایک زمانے میں ان کی لکھائی اچھی نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد میں نے جتنی کوشش کی وہ حاصل نہیں کر سکا۔ اس کا ہر ہر لفظ برہان تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مل جائے کیونکہ وہ ایک مسلک کی تعلیم دیتے ہیں۔ آغا سبزواری کے ذوقیات ملا صدرا سے بہتر ہیں اور جو جاذبیت آغا سبزواری کی منظومہ اور دیوان میں ہے وہ ملا صدرا کے دیوان اور اسفار میں نہیں ہے۔ البتہ نظریات میں اسفار مقدم ہے۔[1]

۱۲۔ مرزا مہدی اصفہانی کے متعلق آغا بہجت کا نکتہ نظر

ایک ملاقات میں مرزا مہدی اصفہانی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اواخر عمر میں فلسفہ اور فلاسفہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے واپس آگئے تھے اور یہ بات میرے لئے ثابت شدہ ہے۔ آغا خمینیؒ فرماتے تھے کہ مرزا مہدی چاہتے تھے کہ میرے ہاتھ کا بوسہ لیں میں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو آغا خمینیؒ نے جواب دیا کہ معلوم نہیں شاید انہوں نے کتاب "کشف اسرار" کو دیکھا ہوگا۔[2]

---

1 یادداشت نمبر ۳۶، بند ۱۲

2 یادداشت نمبر ۱، بند ۳

حرف آغاز

اللهم صل علی محمد و آل محمد و عجل فرج آل محمد علیھم السلام

شیخ امین صاحب سیٹھ برادران کی اولاد میں سے ایک نیک انسان ہیں اور مفید کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ معراج کمپنی اور منتظر فاؤنڈیشن کے نام سے مصباح ٹرسٹ کیلئے بھی انہوں نے بہت کام کیا ہے۔انہوں نے کتاب "زم زم عرفان" میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے ذاتی طور خواہش کی کہ میں اس کا اردو ترجمہ کروں۔ یہ کتاب آیت اللہ محمدی ری شہری نے تالیف کی ہے اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ آیت اللہ ری شہری نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے جس میں بہت سارے عناوین کو شامل کیا ہے۔ جیسے کہ فصل اول قرآن، فصل دوئم حدیث، فصل سوئم فکر و اصول، فصل چہارم اخلاق اور علمی اقدار، فصل پنجم فلسفہ و عرفان، فصل ششم کشف و کرامت، فصل ہفتم حج اور حجاج کی سرپرستی، فصل ہشتم امام خمینیؒ اور انقلاب اسلامی، فصل نہم سیاست ، فصل دہم خصوصی رہنمائی۔

تیسرا حصہ آیت اللہ ری شہری کی یاداشتیں ہیں جو ہر سال آغا کی خدمت میں پہنچتے تھے اور ان سے جو بھی گفتگو ہوتی ہے اس کو لکھ لیا کرتے تھے اور اس کے اوپر باقاعدہ تاریخ لکھ دیتے تھے کہ آغا نے کون سے دن کونسی بات کی تھی زم زم عرفان کے یہ دو حصے یعنی آغا بہجت کے بیٹے سے گفتگو اور یاداشتیں ہم شائع کر رہے ہیں۔

اس کا چوتھا حصہ ان علماء کے حالات کے بارے میں ہیں جن کے نام آیت اللہ بہجت نے اپنی گفتگو کے دوران آقائے ری شہری کے سامنے بولے تھے اور آقاری شہری نے ان علماء کے نام بھی لکھ لئے تھے اور بعد میں انکی زندگی کے مختصر حالات لکھے ہیں جنہیں ہم اسی جلد میں شامل کر کے اسکے ساتھ شائع کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ یہ یاداشتیں جو آقای ری شہری نے لکھی ہیں ان میں جن علماء کا ذکر ہے وہ کس عظمت اور مرتبہ کے علماء تھے۔

اس کتاب کے قارئین کے لئے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں ایک ایسی شخصیت کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو خود اپنی زندگی میں اپنے بارے میں کچھ نہیں لکھنا چاہتے تھے اور کچھ بتانا

بھی نہیں چاہتے تھے لیکن ہمیشہ انکے ارد گرد علم اور معرفت کے متلاشی افراد موجود ہوتے تھے اور انکی کوشش ہوتی تھی کہ ان کے منہ سے جو بھی جملے نکلے ہیں ان کو لکھ لیں اور ان کو پلے باندلیں اور اسے اپنے لیے ایک روحانی اور معنوی غذا کے طور پر لیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنی زندگی میں نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو پتہ چلے کہ وہ کس مقام پر فائز ہیں۔ جیسا کہ آپ ان یاداشتوں میں پڑھیں گے البتہ آقاری شہری اور آقائے بہجت کے بیٹے نے جو باتیں کی ہیں ان میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں جو ہمارے ماحول اور ہمارے حالات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں لیکن بہر حال ان کی نسبت چونکہ ایک عظیم شخصیت کی طرف ہے لہٰذا جو باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں تو ہمیں سکوت اختیار کرنا چاہیے ان پر ایسا تبصرہ نہیں کرنا چاہیے جس سے ہم گناہ میں مبتلا ہو جائیں ۔ ان کے علاوہ ایسی بہت ساری باتیں ہیں جن کو ہم اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنا کر کسی اعلیٰ مقام کو حاصل کر سکتے ہیں ۔

امام زمانہؑ کا علمی احاطہ

جب وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے وقت کے امامؑ اسی جہاں میں موجود ہیں اور ہمارے تمام حالات کا علمی احاطہ رکھتے ہیں اور جو بات میرے ذہن میں آتی ہے امام علیہ السلام کو پہلے سے اس کا پتہ ہوتا ہے تو ممکن ہے بعض لوگ یہ پڑھ کر کسی شک میں مبتلا ہو جائیں (کہ یہ کیسے ممکن ہے؟) البتہ انکا شک اس طرح دور ہو جائے گا کہ آقا بہجت جیسی شخصیت اور بعض دیگر پہنچے ہوئے افراد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آنے والے کے ذہن پڑھ لیتے تھے۔ جب یہ اس کمال پر فائز تھے تو وہ ہستی جس کو اللہ تعالیٰ نے قطب عالم قرار دیا ہے جو اللہ اور اللہ کی مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں وہ باب اللہ جو اللہ کے آخری خلیفہ ہیں، جو اللہ کے علم کا ظرف ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندگان پر حاکم قرار دیا ہے جن کو اپنا ترجمان بنایا ہے جن کو اپنا نظام نافذ کرنے کی ذمہ داری دے رکھی ہے۔ وہ کس طرح ان چیزوں سے آگاہ نہیں ہوتے؟

بہر حال جو معرفت و روحانیت کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہیں اور ایسے افراد سے آگاہی چاہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بھی کیا ایسا ہو سکتا ہے تو یہ کتاب انکے لئے بہت مفید ثابت ہو گی۔ میری قارئین سے درخواست ہے کہ ان میں بعض مطالب ایسے بھی ہیں جن کا تعلق فقط

ایران سے ہے مثلاً فلاں عالم نے تحریک مشروطیت کی حمایت کی اور فلاں عالم نے تحریک مشروطیت کی حمایت نہیں کی۔ قاچار خاندان کی بادشاہت کاجو سلسلہ تھااسکے خاتمے کیلئے انگلستان نے اپنی پوری کوشش کی اور اس زمانے میں ان بادشاہوں کے ظلم سے لوگ تنگ تھے علماء اور مجتہدین کا گروہ بن کے اس کے خلاف تحریک چلارہے تھے پس پردہ انگریز بھی ان سازشوں میں مصروف تھے جن سے کچھ علماء آگاہ تھے اور کچھ سوچ رہے تھے کہ کس طرح ظلم سے نجات مل جائے گی مگر اس سے بے خبر تھے کہ ایران پر انگلستان مکمل تسلط چاہتا تھااور جب وہ آئے گا یا اس کا جو نوکر آئے گا وہ ان بادشاہوں سے بدتر ہوگا۔

اس دور کے علماء میں دو گروہ بن ہو گئے کچھ علماء بادشاہت کی جگہ پر جمہوریت لانے کے حق میں تھے اور اس بارے ایک دستور لانا چاہتے تھے جس کے مطابق فیصلے ہوں اس میں طے تھا کہ باقاعدہ پانچ رکنی علماء کی کمیٹی ہوگی جو اس پر نظر رکھے گی اس کیلئے باقاعدہ ایک آئین بھی بنا لیکن انگریز کی سازش کامیاب ہوئی اور جو کچھ علماء نے چاہا تھا جنہوں نے تحریک مشروطیت کی تائید کی تھی مشروط جمہوریت جس میں اسلام کے نفاذ کی بات تھی عدل کے نفاذ کے بات تھی آئین کی بات تھی بادشاہت کی بات تھی بلکہ اس کے برعکس جو وہ چاہتے تھے وہ نہ ہو سکا جو علماء مشروطیہ کے مخالف تھے انکا ذکر آتا ہے تو ممکن ہے ہم انکو پڑھ کر پریشان ہوں کہ یہ کیا تھا۔

ظاہر ہے ہر شخص اپنی سوچ و فکر میں آزاد ہے اپنی فکر سے فیصلہ کرتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح انگریز نے ایران میں اپنا نفوذ قائم کرنے کیلئے سازشیں کیں اور کس طرح رضا خان کے بعد اس کے بیٹے رضا شاہ کو لے آئے رضا خان قزاق (رہزن) تھا پہلے اس کو سپہ سالار بنایا پھر اسے وزیر اعظم بنایا اور بعد میں اسے بادشاہ بنالیا پھر اسکے بیٹے کو مسلط کیا۔

رضاخان کے خلاف علماء کی تحریک

رضا خان کے خلاف علماء نے تحریک چلائی اس کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے کیوں کہ اس نے تمام ایران میں لباس ایک جیسا کر دیا۔ ان کو پینٹ شرٹ میں لے آیا عورتوں کا پردہ ختم کر دیا اس کے خلاف علماء و مجتہدین نے تحریک چلائی لیکن جب رضا خان کا خاتمہ ہو رہا تھا اس کی

درمیانی مدت میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت آئی۔ پھر اچانک رضا خان کے بیٹے کو انگریزوں نے ایران پر مسلط کردیا مصدق کی حکومت کا خاتمہ کردیا گیا اور اسکے بعد علماء کو ایک لمبی تحریک چلانی پڑی اور بالآخر امام خمینیؒ کی قیادت میں انکو کامیابی حاصل ہوئی۔

عراق کی سرزمین پر انگریزوں کے خلاف جہاد

ان تحریروں سے اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ کس طرح عراق کی سرزمین پر ہمارے مجتہدین انگریز کے خلاف مصروف جہاد تھے اور عراق میں نظام اسلام لانا چاہتے تھے اور کس طرح انگریز چاہتے تھے کہ شیعہ علماء عثمانی خلافت کے خلاف فتویٰ دیں اور انکے خلاف جنگ کا حکم دیں۔ ان تحریروں میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح انہوں نے شریف مکہ کو آمادہ کرلیا اور وہ اس لالچ میں آگئے کہ حجاز پر اس کی حکومت ہوگی اور وہ خلافت عثمانیہ سے خود کو آزاد کرنے کے لئے انگریز کا پٹھو بن گیا اور عثمانی خلافت کیخلاف بغاوت کردی جب عثمانیوں کا اقتدار ختم ہوا تو انگریز نے شریف مکہ کو حجاز مقدس کی حکومت دینے کی بجائے اسے اپنے خالص غلاموں آل سعود کے حوالے کردیا بلکہ انہیں حجاز کا بادشاہ بنادیا اور آج تک ان کے حوالے ہے۔

شریف مکہ کی اولاد پر نوازشات

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اس کے بعد شریف مکہ کے ایک بیٹے کو عراق کی سلطنت دے دی۔ جہاں پر علماء و مجتہدین عراق کو آزاد کرانے کی تحریک چلارہے تھے اور وہاں پر اسلام کا نفاذ چاہتے تھے لیکن علما کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور شاہ فیصل مسلط ہوگئے۔ جب شاہ فیصل نے انگریز کو اختیار دیا تو شیعہ مجتہدین نے پھر آواز اٹھائی۔ ان کو نجف بدر ہونا پڑا کچھ کو ایران اور کچھ کو حجاز کی طرف بھیج دیا اسی طرح اس کے بعد کے حالات بھی ہیں جن کے بارے میں اس تحریر میں بہت ساری معلومات ملتی ہیں۔

میرے لئے اعزاز

میں سمجھتا ہوں کہ قارئین کو یقیناً اس کتاب سے بہت زیادہ استفادے کا موقع ملے گا آیت اللہ بہجت بہت ہی عظیم انسان تھے میں جب بھی قم المقدسہ جاتا تھا تو میری کوشش ہوتی تھی کہ میں انکی زیارت کروں جب وہ حرم میں آکر بیٹھتے تھے انکے پاس پہنچ جاتا تھا کبھی کبھار جہاں وہ نماز پڑھاتے تھے وہاں بھی انکے پیچھے جا کر نماز پڑھ لیتا تھا اور غیر شعوری طور پر ان سے بڑا عشق اور محبت میرے دل میں موجزن تھی اور بعض دفعہ انہوں نے اپنی جیب سے برکت کیلئے مجھے کچھ پیسے بھی دیئے میں انکے قریب ہو کر اپنے لیے دعا کا بھی کہتا تھا اور وہ میرے لئے دعا بھی کر دیتے تھے نہیں معلوم کہ انکی دعائیں ہیں یا وہ میری طرف جو خاص انداز سے نظر کرم ڈالتے تھے یا انکی کوئی نظر ہوئی ہو کہ مجھ جیسا کمزور انسان بعض ایسے کام کر رہا ہے جو لوگوں کی نظروں میں لگتا ہے کہ میں بہت بڑے کام کر رہا ہوں مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ جو میں کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت درخواست ہے کہ وہ میری کوتاہیاں معاف کر دے اور وہ تمام لوگ جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان سے بھی میری درخواست ہے کہ میری جو کمزوریاں ہیں انکے دور ہونے کیلئے دعا کریں۔ خدا خطائیں معاف کرے اور جو مجھے توفیق دے رکھی ہے وہ اسے واپس نہ لے اور میری توفیق میں مزید اضافہ فرمائے اور میرے وسیلے سے جو خدمت خلق کے کام، تعلیم کے ادارے، صحت عامہ کے کام الغرض تمام امور کو انجام دینے کیلئے مجھ سے جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اگرچہ جو حق ہے وہ تو میں ادا نہیں کر پا رہا مگر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے حضرت ولی العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ادنیٰ اور کمزور ترین غلاموں اور نوکروں میں سے قرار دے (آمین)

اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد و عجل فرجھم

حصہ دوم

آیت اللہ بہجت کے فرزند شیخ علی بہجت سے محمد ری شہری کی گفتگو

یہ گفتگو (16ذالحجہ 1430ھ ق/12-1388ھ ش) کو انجام پائی۔ محمدی شہری بتاتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مناسک حج مکمل ہو چکے تھے، مقام معظم رہبری آقای خامنہؒ ای کا حج مشن تھا، دفتر میں مَیں نے آیت اللہ بہجتؒ کے بیٹے سے ملاقات کی ۔ میری کتاب "زم زمِ عرفان" حج کی برکات میں سے تھی اور حجاج کی مدد کیلئے رہبر کی طرف سے مجھے جو نمائندگی کی سعادت حاصل تھی اس کی برکات سے یہ کتاب شیخ علی بہجت سے جو میری بات ہوئی اس کو یہاں پر لکھ رہا ہوں شیخ علی بہجت نے میری پوری کتاب " زم زمِ عرفان" کو دیکھا اور اس کے پورے متن کا انہوں نے مطالعہ کیا۔

آیت اللہ تقی بہجتؒ کے فرزند شیخ علی بہجت سے کئے گئے چند سوالات

بابا کے ہمراہ

سوال: آپ جتنا عرصہ اپنے بابا کے ہمراہ رہے ہیں اس حوالے سے آپ کی جو یادیں ہیں انہیں بیان فرمائیں؟

جواب: ہمارے گھریلو مسائل ایسے تھے کہ میں سکول نہیں جاتا تھا لہٰذا میں ہر وقت اپنے بابا کے ساتھ ہوتا تھا جب میرے بابا آیت اللہ بروجردی کے ہاں درس کے لئے جاتے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ جاتا تھا مجھے یاد ہے کہ آیت اللہ بروجردی تانگے پر بیٹھ کر درس کے لیے جاتے تھے تو راستے میں میرے بابا کی ملاقات ہو جاتی تھی۔ میرے بابا انہیں سلام کرتے

تو آقا بروجردی احوال پرسی کے بعد میرے بابا سے کہتے تھے تم بھی تانگے پر سوار ہو جاؤ میرے بابا ان کا شکریہ ادا کرتے میں اس وقت بہت چھوٹا تھا اور سوچا کرتا تھا کہ وہ میرے بابا کو جب کہہ رہے ہیں کہ تانگے پر بیٹھ جائیں تو میرے بابا تانگے پر بیٹھ گئے تو میں اپنے بارے فکر کرتا تھا کہ پھر میرا کیا بنے گا اور مجھے کہاں بٹھائیں گے ؟

امام خمینیؒ کے ساتھ رفاقت

سوال: مراجع تقلید میں سے کونسی شخصیت تھی جن کی آپ کے باباکے ساتھ ملاقات رہتی تھی؟

جواب: شروع دن سے جب میرے بابا قم آ گئے تو مراجع تقلید میں سے ان کا آیت اللہ خمینیؒ سے تعلق تھا شاید یہ اس لئے تھا کہ شیخ نصر اللہ خلخالی دونوں کے گہرے دوست تھے شیخ نصر اللہ خلخالی نے میرے باباکے بارے میں آیت اللہ خمینیؒ کو بتایا ہوا تھا کہ وہ آقائے قاضی کے شاگرد ہیں مجموعی طور پر نجف میں اور نجف سے جب واپس ایران آ گئے تو میرے بابا کی دوسروں کے ساتھ ملاقات بہت کم رہی لیکن آیت اللہ سید ہادی میلانی جو مشہد میں ہو تے تھے ان کے ساتھ آپ کی بہت زیادہ محبت تھی اور آپ کے ان کے ساتھ اس قدر روابط و تعلقات تھے کہ آقا میلانی بہت زیادہ اصرار کرتے تھے کہ میرے بابا گرمیوں میں وہاں آ جائیں اور صحن آزادی میں نماز باجماعت کرائیں۔

کتابوں کے چھاپنے میں رکاوٹ

سوال: آپ اپنے بابا کی عملی خصوصیات اور انکی عملی خوبیوں کو بیان کریں۔

جواب: عملی میدان میں وہ بہت ہی مضبوط تھے بہت زیادہ دقت اور گہرائی سے مسائل کو دیکھتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے بارے میں کوئی آگاہ ہو ان کی مجلس استفتاء کے علماء میں سے ایک عالم کہتا ہے کہ میں تیس سال فلاں بڑے مرجع تقلید کی مجلس استفتاء میں تھا جو بھی مسئلہ پیش آتا تھا وہ کہتے تھے کہ عروۃ الوثقیٰ کو لے آؤ اگر حل نہ ہو تا تو کہتے کہ کتابِ وسیلہ کو اٹھا لاؤ اور اسی طرح آخر میں وہ کتاب "جواہر" (جو فقہ کی معروف کتاب ہے) کی طرف رجوع کرتے اور اس طرح مسئلے کو حل کرتے لیکن جب سے میں آقا بہجتؒ کی

مجلس استفتاء میں آیا ہوں مجھے پندرہ سال ہو چکے ہیں میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بھی مسئلے کے بارے میں کسی کتاب کا کہیں بلکہ خود ہی مسائل کو پیش کرتے ہیں اور خود ہی اسے حل کرتے ہیں ہم جب اس مسئلے کے حل کے بعد کتاب کی طرف رجوع کرتے تو ہم دیکھتے کہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے۔

وہ عالم آقا بہجت کے بارے میں کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے کے سلسلے میں ان کو الہام ہوتا تھا اور وہ اس میں بے نظیر تھے۔ جب بھی کسی مسئلے کو پیش کرتے تو اسی وقت اس مسئلے کے بارے میں اجتہاد کر لیتے اور اپنی رائے دے دیتے ۔ اس طرح کے مسائل عام طور پر دوسروں سے علمی تقابل سے معلوم ہوتے ہیں یا خود بخود معلوم ہو جاتے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی جانب دوسروں کی توجہ مبذول نہیں کراتے تھے وہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ انکی رسائل عملیہ والی کتابیں شائع کی جائیں ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ مخطوط آثار موجود ہیں انہوں نے فقہ اور اصول الفقہ کے اپنے سارے درس لکھے ہوئے تھے لیکن وہ ان کو چھاپنے کی اجازت نہیں دیتے تھے ایک دفعہ آپ کے پاس شیخ مصطفیٰ ہادی فومنی اپنے ساتھ ایک چھاپہ خانہ کے ناشر کو لے آئے اور انہوں نے آکر عرض کیا کہ ہمیں اپنے عرفانی آثار اور دوسری کتابیں دیں تا کہ ہم انہیں چھاپ دیں لیکن آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے آقا ہادی نے فرمایا کہ آپ اپنی دوسری کتابیں ہمیں دے دیں تا کہ ہم انہیں چھاپ دیں تو انہوں نے فرمایا کہ بزرگ علماء کی کتابیں کتب خانوں میں پڑی ہیں ان کو چھاپو اور جب ان کے بعد میری کتابوں کی نوبت آئی تو یہ بھی چھاپ جائیں گی آقا ہادی نے جواب میں عرض کیا کہ ان کی کتابیں فروخت نہیں ہوتیں لیکن آپ کی کتابوں کے خریدار موجود ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی کتاب موجود نہیں ہے جسے آپ چھاپنے کیلئے تیار ہو تو آقائ ہادی نے کہا آپ ہمیں کتاب دے دیں ہم خود سے اسے تیار کر لیں گے۔ انہوں جتنا اصرار کیا اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا آخر میں انہوں نے کہا کہ پہلے تم مجھے قتل کرو پھر میرے آثار اور میری کتابیں چھاپ دو یعنی

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی علمیت کا جو مقام ہے اور جو انکی علمی حیثیت ہے اس کا دوسروں کو پتہ چلے۔

آیت اللہ بہجت کے اساتذہ

سوال: ان کے نامور اساتذہ کون سے تھے؟

جواب: آپ آیت اللہ نائینیؒ اور آیت اللہ آقا ضیاء الدین عراقیؒ کے درس میں جاتے تھے لیکن ان سے انہوں نے زیادہ علمی فیض نہیں لیا۔

سوال: انہوں نے انکے دروس میں کتنے سال شرکت کی؟

جواب: میرا خیال ہے کہ چار سال سے کم عرصہ آقائے ضیاء الدین عراقیؒ کے درس میں شریک رہے اور آقائے نائینی کے درس میں دو سال سے بھی کم عرصہ شریک ہوئے۔

انکے برجستہ ترین اساتذہ جن کے پاس انہوں نے دروس حاصل کئے ان میں فقہ اور اصول الفقہ آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانیؒ جو کمپانی کے نام سے مشہور ہیں اور آقائے شیخ محمد کاظم شیرازی جیسی شخصیات شامل ہیں۔

سوال: کیا شیخ محمد حسین اصفہانی کے فلسفہ کے دروس سے بھی استفادہ کیا؟

جواب: نہیں! اس زمانے میں شیخ محمد حسین اصفہانی فلسفہ کا درس نہیں دیتے تھے وہ فرماتے تھے کہ شیخ محمد حسین اصفہانی کے فلسفہ کے درس کو آقائے خوئی نے لکھا تھا کہ وہ دروس بہت ہی عمدہ تھے اور میرے والد شیخ غلام حسین ترک (جو آقائے سید جواد خامنہ ایؒ کے داماد اور بہت ہی باصلاحیت تھے) پر بڑا عقیدہ تھا وہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا اور ان سے میں نے استفادہ بھی کیا۔ یہ شخص جوانی میں فوت ہو گئے (شیخ غلام حسین عبد خدائی جو ترک عنوان سے مشہور ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں) آپ درس میں شرکت سے پہلے اس درس کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے کمرے کے ساتھ والے طالب علم سے سنا کہ آقا عراقی نے کتاب اجارہ کی تدریس شروع کی ہے تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کے درس میں شرکت کروں گا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ پہلے سے مطالعہ کئے بغیر انکے درس میں

شرکت کروں میں کچھ دن اس کتاب کی تلاش میں رہا آخر کار مجھے حبیب اللہ رشتی کی کتاب اجارہ مل گئی میں اسکا مطالعہ کرنے کے بعد درس میں شرکت کے لئے گیا تو پتہ چلا کہ وہ اجارہ کا درس ختم کر چکے ہیں۔

بابا یہ بات فرماتے تھے کہ خدا اس آقا پر رحمت نازل کرے جو کربلاء میں مجھے تعلیم دیتے تھے وہ فرماتے تھے درس سے پہلے مطالعہ کیا کرو اور مطالعہ سے جو مطالب تمہارے لئے مجہول ہوں تو ان پر نشان لگا لیا کرو پھر استاد کے درس میں جاؤ اور دیکھو کہ اس نے کون سی چیز اضافی بتائی اور تم نے اسے کیسے سمجھا ہے یہ رہنمائی جو اس آقا نے دی تھی وہ میرے لئے بہت ہی مفید رہی اور میں کبھی بھی اسے بھولتا نہیں ہوں۔

اس طرح میں نے آقائے ضیا عراقیؒ کے فقہ کے درس میں شرکت کا ارادہ ترک کر دیا۔ البتہ آقای ضیاء نے پوری فقہ کا اجمالی طور پر ایک دورہ مکمل کیا کیونکہ وہ فقہ کا اجمالی دورہ کر رہے تھے جبکہ مجھے مفصل بحث کی ضرورت تھی۔

شیخ محمد حسین اصفہانیؒ نے کتاب اجارہ کی تدریس شروع کر دی۔ انکی تدریس کو دو مہینے گزر چکے تھے تو میں نے ان کے درس میں شرکت شروع کر دی پورا ایک سال کتاب اجارہ کا درس جاری رہا اور اللہ ہی جانتا ہے کہ انہوں نے اس عرصہ میں کتنا علمی کام کیا اور ایک دورہ مکاسب کا انہوں نے ہمارے لیے درس دیا وہ بہت ہی وسیع اور گہرا درس تھا اور میں بھی اسی قسم کا درس چاہتا تھا کہ ایسا درس ہو جس میں گہرائی اور وسعت ہو۔

آقائے شیخ محمد کاظم شیرازی سے بہت زیادہ استفادہ کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ان کی فقہ کے دو درس میں جاتا تھا ایک درس طہارت اور دوسرا مکاسب کا درس اور یہ مکاسب کی کتاب کا درس سات سال جاری رہا۔

سوال: آیت اللہ قاضی کے درس میں کتنی مدت رہے؟

جواب: نجف اشرف میں انکا قیام بارہ سال تھا یہاں قیام کے آخری سال میں وہ آقائے قاضی کے درس میں شرکت نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آخری اڑھائی سال مرحوم شیخ محمد

حسین کا درس اور قاضی کا درس ایک ہی وقت ہو گیا تو آقائے قاضی کا درس غیر مرتب ہوتا تھا اس میں چھٹیاں بھی زیادہ تھیں ان کے شاگرد بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے پرانے شاگرد باقی نہیں رہے تھے اور انکے مطالب کی علمی سطح بھی پہلے کی طرح نہیں رہی تھی لہٰذا میں نے شیخ محمد حسین کے درس کو ترجیح دی اس طرح (ساڑھے نو سال) آیت اللہ قاضی کے درس میں جاتے رہے ہوں گے۔

سوال: شیخ مرتضی طالقانیؒ کے درس میں کتنا عرصہ شرکت کی؟

ان کے دروس سے کچھ ابتدائی سطوح پڑھے تاہم وہ ہمیشہ آپس میں رابطے میں رہتے تھے جن سالوں میں وہ ایک مدرسہ میں تھے انکا کمرہ انکے قریب ہی تھا میرے بابا چودہ سال سے کم عمر کے تھے جب انہوں نے فومن جو انکا آبائی وطن تھا وہاں پر انہوں نے ابتدائی دروس پڑھ لئے تھے وہاں سے وہ کربلاء گئے 1349 سے 1352 ہجری قمری کربلا میں پڑھتے رہے اس عرصہ میں کربلاء کے بڑے ماہر اور مضبوط اساتذہ سے درس حاصل کیا، وہی درس جو پہلے پڑھ چکے تھے ان کو دوبارہ پڑھا پھر 18 سال کی عمر میں نجف اشرف آ گئے اور بارہ سال ایک ہی مدرسہ میں رہے اور مرحوم طالقانی آخری عمر تک اسی مدرسے میں موجود تھے۔

خواب میں استاد سے تدریس

وہ شیخ مرتضٰی طالقانی کے متعلق ایک خاص بات کرتے تھے کہ وہ خواب میں بھی تدریس کیا کرتے تھے۔ میرے بابا فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک باقاعدہ اور مکمل درس حالت خواب میں مرحوم طالقانی سے پڑھا البتہ جب وہ بیدار ہوا تو چند ہی جملے تھے جن کی سمجھ نہ آئی ہو۔

شیخ مرتضٰی طالقانی کی عمر کے آخری ایام

بابا فرماتے تھے کہ طالقانی کی وفات کی آخری رات میں ان کے قریب موجود تھا وہ عجیب مطالب کہہ رہے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ "کل صبح آواز دی جائے گی کہ شیخ طالقانی مر چکے ہیں" وفات سے ایک دن پہلے انہوں نے درس کی چھٹی کی۔ علامہ محمد تقی جعفری جو ان کے پاس

آئے اور ان کی بیماری کا پوچھ رہے تھے تو انہوں نے ان سے کہا کہ طالقانی چلا گیا اس طرح آقائے ضیاء آملی جو آخری وقت شیخ طالقانی کے پاس تھے انہوں نے بھی میرے والد کے سامنے شیخ طالقانی سے عجیب مطالب بیان کئے اور انکی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں خبریں نقل کیں۔

ان نکات میں سے ایک نکتہ جو آغا ضیاء الدین آملی نے میرے بابا کے لیے فرمایا وہ یہ تھا کہ میں سید محمد کاظم یزدی کے مدرسہ میں تھا میں نے دو موتیں دو مختلف قطب میں دیکھیں ایک ایسے شخص کی جو ایک لڑکی کا عاشق تھا اور اسے کہا جاتا تھا کہ تم کلمہ شہادتین پڑھو وہ کلمہ شہادتین نہیں پڑھتا تھا بلکہ اس عورت کے عشق سے مربوط باتیں زبان پر جاری کرتا تھا اور ایک موت شیخ مرتضٰی طالقانی کی دیکھی جو عجیب و غریب باتیں کر رہے تھے اور خبریں دے رہے تھے جو مطالب آغا ضیاآملی نے شیخ طالقانی سے نقل کئے ان میں یہ بھی تھا کہ شیطان کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ایمان لے آیا ہے۔

سوال: جتنا عرصہ آپ اپنے بابا کے پاس رہے آپ نے ان سے کون سی خاص کرامت دیکھی ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ میں فلسفہ کے درسوں میں زیادہ مصروف رہا بہت سال فلسفہ پڑھتا رہا۔ میں اس طرح سوچتا بھی نہیں تھا اور میں ایسی باتوں کو جلدی قبول بھی نہیں کرتا تھا کوئی بھی دن نہیں تھا کہ لوگ ان کے بارے میں کئی کئی کرامتیں بیان نہ کریں لیکن میں ان پر یقین نہیں کرتا تھا اور شاید میرا یقین نہ کرنا میرے بابا کے فائدے میں تھا، دوسری بات میرے بابا کا کوئی خدمت گار نہیں تھا بلکہ سارے گھر کے کام، دفتر کے کام حتی کہ حساب کتاب میرے ذمہ تھا اور بابا فرماتے تھے کہ ”خود ہی سارے کام کرو آہستہ آہستہ کرو“ لیکن میرا کام بہت زیادہ ہوتا تھا مجھے فرصت ہی نہیں تھی کہ میں ایسی باتوں کے بارے سوچتا یا توجہ دیتا۔

میں زیادہ مصروف تھا میرے دو سے زائد بچے ہیں اور اب ایک اور بچہ بھی ہونے والا ہے میرے بابا کو بچوں سے بہت پیار تھا اور وہ چاہتے تھے کہ میرا ایک اور بچہ بھی ہو اور کہتے

تھے کہ " انہوں نے ابھی اپنے پروردگار رجوع کیا ہے اور یہ بچے معصوم ہوتے ہیں انکی عصمت اور انکا پاکیزہ ہونا انسان کو اپنی طرف جذب کرتا ہے"۔

ایسی کوئی کرامت جس کا میں خود گواہ ہوں وہ یہ ہے کہ انہوں نے میرے بچے کی پیدائش کے بارے میں پیش گوئی کی تھی۔ مصروفیات کے باعث مجھے تیسرے بچے کی آمد کا علم یا توقع نہ تھی۔اس کے باوجود میرا بابا چند ماہ پہلے میری بیوی کے حامل ہونے کا بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے حمل کا خیال رکھو۔ میری بیوی باباسے غیر معمولی ارادت وعقیدت رکھتی تھی۔جب باباسے کوئی سوال کرتیں تو بابا اس پر توجہ دیتے تھےاور اس کی وضاحت کر دیتے تھے۔لیکن میں نے اس پر کبھی توجہ نہ دی، یقین نہیں آتا تھا کہ شاید بابا نے کوئی خواب ہی دیکھا ہے پانچ ماہ گزر گئے میری بیوی بیمار ہو گئی جب ڈاکٹر کے پاس گئے تو معلوم ہوا کہ بچہ دو ماہ کا ہے اور سقط ہونے والا ہے اور انہوں نے تشخیص دی کہ بچے کو باقی رکھنا ماں کی موت کا سبب ہوگا لہذا بچہ سقط ہو گیا۔ جب بابا کو اس واقعہ کا پتا چلا تو انہیں بہت افسوس ہوا اور میری بیوی سے کہا میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم اپنا خیال رکھنا کہ خدا تمہیں سزا نہ دے۔خدا جانتا ہے کہ تم نے کیا کھویا ہے۔

میں نے کہا یقیناً آپ نے کوئی خواب ہی دیکھا تھا اور اس وجہ سے اس نے یقین نہیں کیا میرے بابا نے جواب میں کہا۔''اگر یقین نہیں کیا تھا تو وہ مجھے بتا دیتیں میں اسے کچھ بتا دیتا جس سے وہ یقین کر لیتی'' اس طرح یہ واقعہ فاش ہوا اس کے بعد اللہ تعالی نے دو اور بیٹے ہمیں عنایت فرمائے میرے بابا ایک سال قبل کہہ دیتے تھے کہ اپنے حمل کا خیال رکھنا اور تاکید سے یہ بات کہتے تھے۔ہم بڑی کوشش کرتے تھے کہ بچہ نہ ہو انکی پیش گوئی سچ ثابت ہوتی تھی۔

جو ہمارا چھوٹا بیٹا تھا اس سے ہمارے بابا کو عجیب ہی پیار تھا اور تنہا وہی بچہ تھا جو ان کے اوپر طاری کیفیت میں تبدیلی لا سکتا تھا۔

ایک اور مسئلہ جو میں نے اپنے بابا سے دیکھا وہ یہ تھا کہ کتاب الٰہی نامہ (موٴسسہ) شمس و شموس، میں آیت اللہ قاضی کا خط جس میں علامہ طباطبائی کے بھائی آقائی سید محمد حسن الٰہی کو خطاب کیا گیا ہے، چاپ ہوا۔ اس خط میں آیا ہے کہ: "آقائے شیخ ابراہیم سیستانی (جو آیت اللہ آقا سید علی قاضی کے داماد تھے) غرق ہیں اور آقائے شیخ محمد تقی گیلانی غیر معمولی ترقیات کو پا چکے ہیں۔" کوئی نہیں جانتا کہ ان کا مقصود شیخ تقی گیلانی سے میرے بابا تھے حتی کے جنہوں نے یہ کتاب چھاپ دی ان کو بھی معلوم نہیں کہ اس سے کون شخص مراد تھا۔

میں نے چاہا کہ شیخ محمد تقی گیلانی کی ترقیات کے ضمن میں اپنے بابا سے سوال کروں کہ آقائے قاضی کی مراد کون ہیں؟ لیکن میں نے خود مسئلہ ان سے نہ پوچھا بلکہ میں نے اس خط کا متن اپنے بیٹوں میں سے ایک کو دیا کہ وہ اپنے دادا کے پاس جا کر یہ پڑھیں جیسے ہی آقائے شیخ ابراہیم کا نام آیا تو بابا نے فرمایا کہ "جی ہاں استاد نے کہا تھا کہ میرے بعد (میرے قائم مقام) آقائے شیخ ابراہیم ہیں اور ان کے بعد "فلاں" شخص ہیں البتہ میں نے سنا تھا کہ مرحوم قاضی نے میرے بابا کو شیخ ابراہیم کے بعد اپنا جانشین قرار دیا تھا للذا جب میں نے پوچھا کہ کیا وہ "فلاں شخص" زندہ ہیں تو فرمایا کہ "فی الجملہ " (یعنی اجمالاً زندہ ہیں) کیونکہ فی الجملۃ زندہ ہونا، یہ جملہ کہنے میں ایک قسم کی اہانت ہے اور آغا کسی کی اہانت نہیں کرتے تھے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہ خود ہیں۔ اس وقت میرے بیٹے نے اس خط کو پڑھنا جاری رکھا کہ "آقائے شیخ محمد تقی گیلانی نے غیر معمولی ترقیاں پالی ہیں۔" جب میرے بابا نے یہ جملہ سنا تو گہری فکر میں چلے گئے اور بے حرکت ہو گئے۔ تین منٹ چار منٹ پانچ منٹ گزر گئے میں نے اپنے چھوٹے بچے کو بابا کے پاس بھیجا اس نے کہا آغا جان! بابا جان! دادا جان! لیکن کوئی جواب نہ آیا دس منٹ گزر گئے جو بھی ان کو بلاتا وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر رہے تھے۔ ہمیں ان میں زندگی کی کوئی علامت معلوم نہیں ہو رہی تھی نہیں معلوم کتنی دیر یہ حالت طول پکڑ گئی ہم ڈر گئے کہ

ہم نے بابا کو خود ہی قتل کر دیا ہے۔ وہ تو یہاں کھانا کھانے کیلئے آئے تھے۔ اچانک میرے ذہن میں آیا کہ میں ان کو یہاں سے اٹھاؤں اور باہر لے جاؤں تا کہ ڈاکٹر آئے اوران کا معائنہ کرے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُن کو زمین سے اٹھایا کیوں کہ وہ خود حرکت نہیں کر سکتے تھے جبکہ میں نے چاہا کہ ان کے پاؤں کو صاف کروں اور زمین پر رکھوں تو ایک دفعہ وہ ہوش میں آ گئے۔

سوال: اس بناء پر یہ جو کہا جاتا ہے کہ آقائے بہجت خلعِ بدن (بدن سے رُوح کا پرواز کر جانا) کر سکتے تھے، کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: جی ہاں! میں نے یہ دیکھا اور مجھے یقین بھی حاصل ہوا، انہوں نے خود یہ مطلب میرے لئے بیان فرمایا کہ ایک شخص بتاتا تھا کہ میں نے فلاں آقا سے پوچھا کہ آپ کس قدر خلع بدن کر سکتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا دو گھنٹے ایسا کر سکتا ہوں۔ والد کی رحلت کے بعد وہ شخص خود اس مطلب کو ہمارے سامنے رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس نے خود اس آغا سے یہ سنا تھا کہ آقائے بہجت کو بھی امام رضاؑ کے حرم میں خلع بدن کی حالت میں دیکھا تھا۔

آیۃاللہ شیخ عباس قوچانی جو مشہد میں تھے انکے داماد نے مجھے بتایا کہ آقائے قوچانی سے خود انہوں نے سنا کہ میں آقائے قاضی کے پاس موجود تھا ایک خط آقائے بہجت کی طرف سے ان کے پاس آیا اس خط کو میں نے خود پڑھا آقائے بہجت نے آقائے قاضی سے پوچھا کہ اگر کوئی ایک یا تین شبانہ روز خلع روح کے ساتھ امام زمانہؑ کی خدمت میں ہو تو اسکی نماز اور روزے کا حکم کیا ہے؟ تو یہ خط پڑھ کر آقائے قاضی نے فرمایا تھا کہ یہ اتفاق خود ان کے یعنی آقای بہجتؒ کے اپنے متعلق ہے۔

اس بات کو بغیر نام لیے میں نے اپنے بابا کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ایک معنی خیز نگاہ میری طرف کی اور بات کو تبدیل کرتے ہوئے کہا کہ آقا قاضی فرمایا کرتے تھے

کہ فلاں آقا نو دن تک خلع بدن میں رہے فقط نماز کے وقت اٹھتے تھے نماز پڑھتے تھے اور پھر دوبارہ خلع بدن میں چلے جاتے تھے۔

شکم میں بچے کی جنس (بیٹی یا بیٹا ہونے) کے بارے خبر دینا

ایک عالم بیان کرتا ہے کہ میری بیٹی کا بچہ ہوا۔ ہماری خواہش تھی کہ آقا کے پاس جائیں تاکہ وہ اس کے کان میں اذان اور اقامت کہیں اور اس کا نام بھی رکھیں وہ عالم جب میرے (علی بہجت) پاس آئے تو میں نے ان سے معذرت کی۔ میں نے ان سے کہا کہ اس وقت میرے بابا میں اتنی توانائی نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے کام کر سکیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ میرے لئے یہ ایک قابل امتیاز اور غیر معمولی بات ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا اور اس بچے کی ماں کا عقد خود آقا بہجت نے پڑھایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب میری بیٹی دنیا میں آئی تو اس وقت آقا نے اس کے کان میں اذان اور اقامت کہی تھی اور ان کے لئے تبرک بھی دیا تھا اور کئی سال تک اس کے حال احوال پوچھتے تھے۔ کبھی پیسے بھی اس کیلئے دیتے تھے کہ میں اس کے لئے کوئی چیز خرید کر لے جاؤں۔ جب میری بیٹی شادی کی عمر کو پہنچ گئی تو عقد کیلئے بھی مدد کی اور خود عقد پڑھا۔ جب اس کا پہلا بیٹا پیدا ہوا جو آٹھ سال پہلے پیدا ہوا تو اس کے کان میں اذان اور اقامت آقا نے کہی تھی اب اس کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے کان میں بھی آقا اذان اور اقامت کہیں اور اسکا نام بھی رکھیں تو میں نے کہا کہ آپ اپنی بیٹی کی جانب سے وکالت لے لیں تو آقا دعا اور اس کا نام رکھ دیں گے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

ایک ہفتہ بعد وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیٹی سے اجازت لے لی ہے۔ اس دن بابا مسجد سے واپس آرہے تھے تو میں نے اس شخص کو کہا جب وہ گھر کی طرف آرہے ہوں گے تو راستے میں ایک کرسی پر بیٹھتے ہیں تو اس شخص کی جو خواہش ہے وہ پورا کر دیں گے۔ یہ کہہ کر میں خود کسی اور کام کے لئے نکل گیا۔ چند منٹ بعد جب میں آیا تو دیکھا کہ انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ ”دیکھو اگر تم مناسب سمجھتے ہو اور مائل ہو تو ان کو بتا دو کہ اس کا نام زینب رکھ دیں۔“

اور پھر مجھ سے کہا کہ ان کو کچھ تبرک دے دو۔ ایسے موقع پر عام طور پر پانچ سو یا ہزار تومان دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ "کچھ خرید کرو اور بچے کو دے دو۔" میں بابا کے ساتھ اندر گیا جب میں اس کے لئے تبرک لے آیا تو اس عالم نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ آقا نے فرمایا ہے کہ اس کا نام زینب رکھ دو، میں نے اسکی بات کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ آقا زینب، فاطمہ، زہراء جیسے نام ہی رکھتے ہیں ۔آقا تو آج کل کے جدید نام نہیں رکھتے۔اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ میری مراد یہ نہیں ۔ میں نے تو آغا سے کچھ کہا بھی نہیں، میں نے کہا کہ تم اتنے اصرار کے ساتھ یہاں آئے ہو اور تم نے آقا سے کیوں کچھ بھی نہیں کہا؟ تو اس نے جواب دیا کہ جب آقا تشریف لے آئے تو آتے ہی گفتگو شروع کر دی میں بھی ان کی باتیں سنتا رہا اور میری پوری توجہ انکی طرف تھی ۔ جس کام کیلئے میں آیا تھا میں وہ بھول ہی گیا۔ انہوں نے خود فرمایا: اس کا نام زینب رکھ دو حالانکہ میں نے تو ان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا ۔ میں نے اس عالم سے پوچھا کہ کیا تم نے آقا کو بتایا تھا کہ یہ بیٹی ہے بیٹا ہے، لڑکی ہے یا لڑکا ہے؟ اس نے کہا نہیں میں نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

میں چونکہ ہمیشہ فلسفی انداز سے سوچتا ہوں۔ اس لئے میرے ذہن نے یہ بات قبول نہیں کی اور میں نے سوچا کہ جس وقت انہوں نے میرے بابا کو اسے دکھایا ہوگا تو شاید میں نے ہی ان سے کچھ کہا ہو پھر خود سے میں نے کہا کہ میں بھی تو نہیں جانتا تھا کہ یہ بچہ لڑکی ہے یا لڑکا، بہر حال اس عالم کو ہم نے خدا حافظ کہا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ میرے بابا مسجد سے واپس آئے آپ راستے میں تعقیبات پڑھ رہے تھے گھر میں بھی تقریباً پندرہ منٹ باقی تعقیبات پڑھتے تھے جب تعقیبات ختم ہوئیں تو میں نے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ فلاں بچے کا نام زینب رکھ دیں تو آپ نے جواب میں دیا کہ ہاں! یہ بات بتانا بھی ضروری ہے کہ جب وہ ذکر کی حالت میں متوجہ ہوتے تھے تو کہتے تھے ہاں! جس ذکر میں وہ مصروف ہوتے تھے وہ اس سے باہر آجاتے تھے میں بار بار سوال کو دہراتا تھا جب وہ اس کلمہ سے باہر آتے تو کہا ہاں زینب زینب، دو بار اس نام کو دہرایا تو میں نے کہا کہ بابا اگر وہ لڑکا ہو تو تب بھی اس کا نام زینب رکھیں تو بابا نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا یہ کیا کہہ رہے ہو۔

میں نے کہا کہ جو آدمی آیا ہوا تھا اس نے تو آپ کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کس لیے آیا ہے اور یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ یہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے آپ نے کہا کہ اسکا نام زینب رکھو تو بابا نے کہا کہ ایسا لگتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے میں نے کہا کون سا خواب دیکھا ہے ابھی آپ سے میں پوچھ کر گیا اور آپ نے کہا جی ہاں! دوبارہ آپ نے فرمایا جی ہاں! میں جانتا ہوں تیسری بار کہا، احتمال دو کہ تم نے خواب دیکھا ہے تو میں نے کہا کہ آغا آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ کیسے کہہ دیا تو بابا نے ایک مخصوص انداز میں دیکھا جیسے انسان کسی پر مہربان ہوتا ہے دیکھو! یہ سارے کام جو ہیں عرصہ دراز گزرا میرے سامنے ہوئے ہیں اب آپ آئے ہو مجھ سے ایک چیز پوچھتے ہو معلوم نہیں ہے کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو تمہاری نظر میں کیا بات آئی ہے اس کے لئے تم اپنے آپ کو تکلیف میں کیوں ڈالتے ہو جاؤ اپنے کام کرو اس سے معلوم ہوا کہ آغا کی یہ کرامت مجھ پر ظاہر ہو گئی تھی۔اور آغا کی یہ روش تھی جب انکی کوئی کرامت ہم پر ظاہر ہو جاتی تو طنز سے کہتے کہ کیا تم نے اس بات کا یقین کر لیا ہے؟

ہاتھ میں درد سے شفا

سوال: آپ نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ کے درد کی شفا پانے کے بارے مجھ سے بات کی تھی اس کے بارے مجھے بتائیں۔

جواب: وہ بات یہ تھی کہ ان کی کتابوں کی ایک الماری تھی میرا ہاتھ اس الماری کے نیچے آگیا اور کافی دَب گیا، الماری لوہے کی تھی اس نے میری ہڈی کو بھی کاٹ ڈالا میں ہسپتال میں داخل ہوا۔ میرے ہاتھ کا آپریشن ہوا انہوں نے میرے ہاتھ کو سی دیا اور یہ واقعہ بم شہر میں زلزلہ آنے سے چند دن پہلے کا ہے، گرمی کا موسم تھا اس لئے میرے بابا مشہد گئے ہو ئے تھے۔

اس واقعہ کو چار پانچ ماہ گزر گئے تھے لیکن میرا ہاتھ بہت درد کرتا تھا میں پہلے تو اس درد کی پرواہ نہیں کرتا تھا لیکن اب یہ درد بہت بڑھ گیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے بابا کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اگر بتاتا تو وہ پریشان ہو جاتے اور کہتے کہ ڈاکٹر کے پاس جاؤ اور

پھر مجھ سے پوچھتے کہ تم ڈاکٹر کے پاس گئے ہو یا نہیں گئے؟ میرے کام بہت زیادہ ہوتے تھے تو ڈاکٹر کے پاس جانے کا وقت میرے پاس نہیں تھا۔ ایک دن جب میرے بابا حرم امام رضا علیہ السلام سے واپس دفتر پلٹے (میرا خیال ہے کہ ناشتے کے بعد کی بات ہے) وہ زیارت عاشورا پڑھنے لگے اور پھر چند منٹ آرام کیا اور میں میز کے پیچھے بیٹھے کچھ یاداشتیں لکھنے میں مصروف تھا۔

بابا میز کی دوسری طرف تھے۔ میں کام میں مصروف تھا انہوں نے کوئی بات کہی۔ میں کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے صرف سر ہلا دیا۔ آدھا گھنٹے بعد مجھے میرے بابا کا وہ جملہ یاد آ گیا جو مجھے یاد ہے وہ یہ تھا کہ "میرے لئے اس طرح مکشوف ہوا" اس کے بعد کا جملہ چھوٹ گیا یا اسے چھوڑ دیا اس کے بعد کا جملہ اس طرح ہے کہ "اگر کسی کے بدن کی کوئی جگہ درد کرے تو وہ حرم امام رضاؑ میں جائے جس جگہ پر بھی درد ہو وہ اس جگہ کو مس کرے یا اپنے ہاتھ کو مس کرے اور اس عمل کو بار بار کرے تو وہ درد دور ہو جائے گا "جب مجھے یہ جملہ یاد آیا تو میں نے کہا کہ ایسا نا ہو کہ یہ آپ کا جملہ میرے لئے ہے میں فوراً اٹھا اس بات کو اپنی کاپی پر نوٹ کیا کہ میرے بابا نے ایسی بات کی ہے جب اگلے دن میں حرم امام میں گیا میں نے اپنے ہاتھ کو جو ٹوٹا ہوا تھا جس کا آپریشن ہوا تھا اور اسے سی دیا گیا تھا۔ حرم کے دروازے سے اس کو خوب مس کیا اسی طرح اگلے دن بھی کیا اس طرح میرے ہاتھ کا درد ٹھیک ہو گیا۔ اس دن سے آج تک کبھی بھی درد نہیں ہوا۔ میں یہ بات تاکید سے کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کے درد کی بات میں نے بابا کو بھی نہیں بتائی تھی کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ مجھے مسلسل کہتے کہ ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ اسی وجہ سے میں نے ان کو بتایا ہی نہیں تھا۔

قریب المرگ بیمار کی شفایابی

میری بیوی نے میرے والد کی وفات کے بعد میرے لئے انکی کرامت بیان کی ۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ میری ساس بہت بیمار تھی ڈاکٹر ان سے نا امید ہو چکے تھے۔ میری بیوی چھپ کر گریہ

کررہی تھی، روتے ہوئے وہ میرے باباکے پاس آئی تو میرے بابا نے کہا کہ کیوں رورہی ہو نہ رو، چپ ہوجاؤ۔ تو میری بیوی نے کہا کہ میری ماں بہت سخت بیمار ہو گئی ہے اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے تو بابا فوراً دوسرے کمرے میں گئے تھوڑا سا پانی لے کر آئے اور کہا کہ یہ پانی پی لو اور سکون کرو۔ میری بیوی کہتی ہے کہ میں نے ابھی پانی نہیں پیا تھا کہ میں نے اپنے اندر ایک سکون محسوس کیا۔ وہ کہتی ہے کہ جب میں نے خود تھوڑا سا پی لیا تو فرمایا کہ اب تھوڑا سا پانی اپنی ماں کی صحت کی نیت سے بھی پی لو تو میں نے اپنی ماں کی صحت کی نیت کرکے جو پانی باقی بچا تھا وہ بھی پی لیا۔اسکے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اب سکون میں آ گئی ہو تو جاؤ اور ٹیلیفون کرو اور اپنی ماں کی صحت کا پوچھو، میری بیوی نے فون کیا اور اپنی ماں کی صحت کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ ان کی حالت بہتر ہو گئی ہے اور وہ اپنے بستر سے اٹھ کر بیٹھی ہوئی ہے میری بیوی فوراً میرے باباکے پاس آئی اور کہا کہ میری ماں کی طبیعت اب اچھی ہے وہ اٹھ کر بیٹھی ہے۔ میرے بابا نے انہیں کہا کہ یہ واقعہ کسی کو مت بتانا۔

پھر فرمایا: تم ابھی حضرت معصومہ سلام اللہ علیہاکے حرم میں جاؤ اور دعا مانگو کہ اللہ تعالی ان کو لمبی عمر دے میری بیوی کہتی ہے کہ میں معصومہؑ کے حرم میں گئی اور حرم سے چپٹ گئی اور کہا کہ اے اللہ! میری ماں کو پندرہ یا بیس سال کی عمر دی جائے جب واپس آئی تو آقا نے فرمایا کہ تم گئی ہو تو میں نے کہا جی ہاں گئی تھی تو وہ مسکرادیے۔

واضح رہے کہ میری بیوی کی ماں تقریباً پندرہ سال اس واقعہ کے بعد زندہ رہی۔ یہ عجیب ہے میرے بابا نے میری بیوی کی ماں کی رحلت سے ایک دن پہلے میری بیوی سے یہ کہا کہ تمہیں اطلاع نہیں ہے وہاں کے بارے میں کچھ معلوم کرو لیکن وہ ٹیلفون نہ کر سکی۔ میرے بابا تکرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "خدا جانتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ تھا میں نے وہ کیا ہے دعا کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی اللہ آپ کے والد کو زندہ وسالم رکھے ان کی موجودگی بھی برکت ہے" اگلے دن پھر پوچھا کہ گھر کی خبر تم نے لی یا نہیں لی ؟ یعنی اپنی ماں کی خبر نہیں لی؟ پھر تکرار کیا اور کوئی پندرہ منٹ گزرے تھے ابھی آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور بہت فکر میں تھے اور اسکے بعد جب میری بیوی

نے اپنے رشتہ داروں سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ انکی ماں ہسپتال میں تھی اوراس نے کہا تھا کہ میری بیٹی کو قم میں اطلاع نہ دیں پھر میری بیوی کہتی ہے کہ مجھے یاد آیا کہ آقا نے اس کے والد کیلئے دعا کی ہے وہ پریشان ہو جاتی ہے کہ میری ماں کیلئے کیوں نہیں کی۔ اس موقع پر میں بھی موجود تھا اور میں نے دیکھا کہ غروب ہو گیا اور اطلاع دی کہ ایک خط آیا ہے لیکن اپنی بیوی کو اس کے بارے میں مت بتانا میں نے بڑی مشکل سے رات کو اپنی بیوی کو بھیجا جب وہ دعا کر رہی تھی تو ایسے انداز سے تھی کہ گویا وہ اپنی ماں کیلئے کوئی دعا نہیں کر رہی لیکن آقا بہجت اس انداز سے بات کر رہے تھے کہ وہ میری بیوی کی ماں کیلئے دعا نہیں کر رہے لیکن میری بیوی کے لئے دعا کر رہے تھے کیونکہ اس میں برداشت کا مادہ کم ہے میری بیوی عیادت کے لیے ہسپتال جاتی ہے جب وہاں گئ تو ان کی ماں سو رہی تھی صبح کی اذان کے وقت وہ اس دنیا سے چلی جاتی ہیں یعنی وفات پا جاتی ہیں، میرے بابا نے میری بیوی سے کہا تھا کہ وہ اس واقعہ کو کسی کو نا بتائے۔جب اس کی ماں مر جاتی ہے تو اس وقت بھی اس نے یہ واقعہ مجھے نہیں بتایا جب میرے بابا (آقا بہجت) وفات پا جاتے ہیں تب اس نے یہ واقعہ میرے سامنے پیش کیا۔

امام عصر (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے جانشین

سوال: آقائے ری شہری پوچھتے ہیں کہ "چند سال پہلے کی بات کہ عالم رؤیا میں آیت اللہ بہجت کی ایک تصویر مجھے دکھائی گئی اور میں نے ایک آواز سنی کہ وہ کہتے تھے اگر اس زمانے میں کسی کا امام عصرؑ سے تعلق ہو تو وہ یہ شخص ہیں" تو اس بارے میں کوئی معلومات آپ کے پاس ہیں؟

جواب: علی بہجت فرماتے ہیں کہ بابا کی رحلت سے گیارہ ماہ پہلے ایک شخص (جس کا نام "اویسی" تھا) نے ٹیلی فون کرکے مجھ سے کہا کہ ایک آدمی ڈنمارک سے آیا ہے وہ آقا کی خدمت میں آنا چاہتا ہے میں نے اس سے کہا کہ آقا تو کسی سے ملاقات نہیں کرتے تو اس شخص نے کہا کہ وہ اپنے ساتھ کچھ پیسے لایا ہے وہ آقا کی خدمت میں دینا چاہتا ہے تو میں نے کہا وہ پیسے دفتر میں دے دیں یا آغا کا جو بینک اکاؤنٹ ہے اس میں ڈال دیں

اس نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ پیسے خود آقا کے ہاتھ میں دے گا۔اس میں ایک راز ہے اور اسکا بہت اصرار ہے میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو اسکا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہم اس کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتے مگر یہ کہ وہ روز جمعہ صبح کے وقت مسجد میں آکر آقا کے ہاتھ میں یہ پیسے دے سکتا ہے۔جمعہ کا دن تھا وہ شخص قم آتا ہے جیسے پہلے سے طے تھا وہ آقا کو مسجد کے راستے میں ملتا ہے اور ایک لفافہ آقا کے ہاتھ میں دیتا ہے۔آقا مسجد سے واپس آکر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ وہ شخص جو میرے پاس آیا تھا اور چاہ رہا تھا کہ آقا کا دیدار کرے۔ اصل میں عراقی تھا جس کی چالیس سے پچاس سال عمر تھی عربی زبان پر اسے تسلط تھا لیکن اس کی بیوی کا سالہ، جو اس کے ساتھ تھا وہ فارسی جانتا تھا اور وہ طالبعلم بھی تھا۔

اس شخص نے بتایا کہ میں چودہ گھنٹے جہاز میں سفر کرکے تہران پہنچا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہیں شرعی واجبات دینے کے لئے قم آنے کی ضرورت نہیں تھی انٹرنیٹ کے ذریعے بھی بھیج سکتے تھے۔ اس نے کہا میں عام آدمی نہیں ہوں میری پانچ سپر مارکیٹ ڈنمارک اور سویڈن میں ہیں اور ایک مارکیٹ اپنے وطن میں ہے۔کتنا مشکل ہے کہ پانچ سپر مارکیٹ کا انتظام سنبھالنا وہ بھی غیر ملک میں۔ یہ جو ڈالر لایا ہوں بڑی مشکل سے لایا ہوں میں کوئی ایسا شخص بھی نہیں ہوں کہ مجھے کوئی دھوکہ دے سکے یا میں کسی کی بات جلد قبول کرلوں۔

وہ کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ جس دن میں متوجہ ہوا کہ میرے پاس کچھ شرعی واجبات ہیں جو میرے ذمہ واجب الادا ہیں تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں ان واجبات شرعیہ کو کسے دوں لہٰذا میں خود امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے متوسل ہوا اور ان سے رہنمائی مانگی۔ عرصہ گزر گیا مگر کچھ خبر نہ ہوئی۔ عصر جمعہ میں راستے میں تھا مجھے یاد آیا کہ چند مہینے پہلے میں نے انکی خدمت میں ایک درخواست کی تھی۔ اسکا جواب ابھی تک نہیں ملا تو میرا دماغ پھٹنے لگا اور آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے وہیں کھڑے ہو کر حضرتؑ سے جلے ہوئے دل کے ساتھ عرض کیا: ”میں آپ سے پیسے تو نہیں مانگتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا مال ہے میں کس کو دوں؟ یہ کفر

کا ملک ہے آپ نے مجھے یہاں تنہا چھوڑ دیا ہے میری رہنمائی نہیں کرتے ہو" پھر وہ کہتا ہے !اللہ کی قسم میں نے اپنے ان کانوں سے سنا اور بڑی واضح اور روشن آواز تھی ۔ جواب آیا"آقای محمد تقی بہجت کے پاس پہنچاؤ ، وہ ہمارے جانشین ہیں، ان کو جا کے پہنچا دو" جب میں نے یہ آواز سنی تو میں ایک افریقی آدمی کے پاس گیا جو پہنچا ہوا شخص ہے۔ میں نے اس کو یہ بات بتائی۔ تو اس نے کہا کہ "اگر امام کا جانشین زمین پر ہے تو پھر وہی ہے جس کا نام تم نے سنا ہے"میں نے کہا وہ کہاں ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ "وہ ایران میں ہیں اور قم شہر میں ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا میں کیسے وہاں پہنچ سکتا ہوں ؟ انہوں نے کہا کہ دو تین دن کی مہلت دو اس نے اس شیخ کا ٹیلیفون نمبر مجھے دیا جب میں ایران آنے لگا تو میں پھر اس افریقی آدمی کے پاس گیا تو اس نے مجھے کہا کہ "شیخ بہجت کے پاس جاؤ ۔ اس کا دوسروں سے فرق ہے۔ وہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ کا بوسہ لینے دے یا انکے پاس کھڑے ہو جاؤ اور تمہارے پاس موبائل فون ہو اور اسکا فوٹو بناؤ یا اس سے بات کرو یا اسکے آگے بیٹھو یا آنکھوں کے ساتھ اس کو غور سے دیکھ سکو۔ اگر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کچھ دے دیا تو ٹھیک ورنہ خاموش رہو"۔ اس شخص نے دوبارہ قسم اٹھا کر کہا کہ اس افریقی آدمی نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی انکو پایا ہے۔ میں نے اس شیخ سے جو ان کے ساتھ تھا ان کی پذیرائی اور مہمان داری کر رہا تھا میں نے پوچھا کہ تم یہاں کیا کرتے ہو ؟ تو اس نے کہا کہ میں ایسی وادی میں نہیں ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری کوئی حاجت ہے تو اس نے کہا کہ میرا پانچ لاکھ قرض ہے جو میں نے دینا ہے۔

میں نے بابا سے عرض کیا کہ یہ آدمی دو لاکھ پچاس ہزار تومان لے آیا ہے اور اہل علم آغا کا مہمان ہے۔ ہم اس کو کتنا دیں؟ میرے بابا نے کہا کہ ایک لاکھ تومان میں نے عرض کیا بابا اس نے کئی روز اس کی مہمانی کی ہے۔اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ؟ تو بابا نے کہا اس سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اس شخص کا پانچ لاکھ کا قرضہ ہے میں اسے ایک لاکھ دوں تو بابا نے کہا کہ اس کا قرض ادا ہو جائے گا اس سے تمہارا سروکار نہیں ہے۔

میں نے اس کو ایک لاکھ تومان تبرک کے طور پر دیا وہ چلے گئے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہی شخص جو واجبات لائے تھے۔اس نے پانچ سو ڈالراس شیخ کو بطور ہدیہ دیے تھے۔

سوال: زندگی کے آخری ایام کے بارے میں بتائیں کہ وہ کیسے گزرے؟

جواب: ہمارے بابا وفات سے ایک ہفتہ پہلے مسلسل موت کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ بدھ کا روز تھا یا سوموار کا روز تھا ایک حادثہ رونما ہوا تھا جب میرے بابا گھر سے باہر جا رہے تھے تو میری ماں سے انہوں نے کہا۔ تم سن رہی ہو ؟ امی نے کہا کہ جی۔ فرمایا "فلاں آغا جو قومن میں تھے انکو پہچانتی ہو ؟ تو ماں نے کہا جی ہاں۔ تو کہا کہ وہ یہ شعر پڑھتے تھے "ترجمہ: یارو ! بھائیو! مجھے یاد کرو میں ایسے سفر پر جا رہا ہوں۔ جہاں سے واپسی نہیں ہے) یہ پڑھنے کے بعد پھر کہا تم نے سنا؟ تو ماں نے کہا جی ہاں! میرے بابا مسکرائے یہ آخری بات تھی جو بابا نے کہی تھی البتہ اس وقت یہ شعر پڑھنے کی وجہ ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آپ نے میری اماں کیلئے یہ شعر کیوں پڑھا تھا۔

حصہ سوم:

یادداشتیں

آیت اللہ تقی بہجت ہمارے زمانے کے مردِ عارف اور عالمِ باعمل شخصیت تھے۔ چند سال پہلے ان کی وفات ہوئی۔ ان کی زندگی میں آقائے محمدی ری شہری نے ان سے جو سوالات کیے اور جو آقائے بہجت نے جوابات دئے ہم ان تمام بیانات کا ترجمہ اس حصہ سوم یں پیش کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں محمدی ری شہری نے جن تاریخوں میں ان سے سوال پوچھے یا گفتگو کی وہ تاریخیں بھی ساتھ لکھ دی گئی ہیں۔ (مترجم)

یادداشت نمبر ا

(۱۴ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ)

ا۔ نماز کا معنوی کمالات کے حصول میں کردار

اس ملاقات میں آیت اللہ بہجتؒ نے مرحوم آیت اللہ سید علی قاضیؒ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جو شخص نماز یومیہ کو اوّل وقت میں پڑھے تو وہ تمام معنوی مقامات تک پہنچ جائے گا۔ اگر نہ پہنچے تو میرے اوپر لعنت بھیجے۔'' اس کے ساتھ ہی آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ''آقا قاضیؒ نے ایک اور بات کہی تھی لیکن وہ میں یہاں بیان نہیں کر سکتا''

۲۔ نماز میں حضورِ قلب

میں نے پوچھا کہ نماز میں حضورِ قلب تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ نمازی دو کام ایک ساتھ انجام دے۔

(ا) شیطانی وسوسے، جو غیر اختیاری طور پر نماز کی حالت میں پیش آئیں، نمازی ان پر توجہ نہ دے۔

(۲) ''نماز کے دوران متوجہ ہوں۔ اختیاری طور پر غیر خدا کی طرف توجہ نہ کرے''

اس کی وضاحت میں فرمایا کہ شیطان چاہتا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے غیر خدا کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اختیاری حالت میں وہ غیر خدا کی طرف توجہ نہیں کر رہا تو شیطان اسے چھوڑ دیتا ہے۔

۳۔ آیت اللہ مرزا مہدی اصفہانی اور فلسفہ

میں نے آیت مرزا مہدی اصفہانی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''آیت مرزا مہدی اصفہانی نے آخری عمر میں جو کچھ انہوں نے فلسفہ اور فلسفیوں کے بارے میں کہا تھا اس سے ان کی رائے پلٹ گئی تھی اور یہ بات میرے لئے ثابت شدہ ہے۔

آ قا خمینیؒ فرماتے تھے کہ مرزا مہدی چاہتے تھے کہ وہ میرا ہاتھ چومیں۔ میں (آقائ بہجت) نے ان سے پوچھا کہ کیوں؟ تو آ قا خمینیؒ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم شاید انہوں نے میری کتاب "کشف اسرار" کو دیکھا ہوگا۔

۴۔آیت اللہ قاضی کی کرامت

میں نے سوال کیا: آپ نے خود آ قا قاضی سے کون سی کرامت کا مشاہدہ کیا ہے؟

آقائ بہجتؒ جواب دیا کہ میں نماز میں مصروف تھا میرے ذہن میں ایک مسئلہ آیا کہ نماز کے بعد انہوں نے فرمایا یہ مسئلہ اس طرح ہے۔

یعنی اس مسئلے کے بارے میں باقاعدہ بتایا کہ یہ مطلب اس طرح ہے جبکہ وہ مطلب یا مسئلہ میرے ذہن میں تھا۔[1]

۵۔ بیماری کا اختیاری سبب

میں ان کی بیماری اور کسالت کے بارے سوال کیا تو جواب میں فرمایا کہ جب کوئی سبب اختیاری ہو تو پھر اس کے بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟[2]

---

1 (ر۔ک ص ۱۰۷)

2 ”کہا جاسکتا ہے کہ اولیاء اللہ کی بیماری کے اختیاری اسباب دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں شاید ان کی مراد یہ ہو کہ دلیل کے ساتھ ان کو بیان نہیں کیا سکتا۔ کوئی کام انجام دیا (جیسے عبادت، ریاضت جو کہ شرعاً کی جاسکتی ہے جو اختیاراً انجام دے) کہ جو اس بیماری کا سبب بن گئی۔

یادداشت نمبر 2

(27 شوال 1421ھ ق)

حضرت امام علی رضاؑ سے توسل کے ذریعے سے گناہ کے چنگل سے رہائی پانا

آقائ بہجت حسین خالہ جو قم کے مشہور شکستہ بند تھے[ٹوٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنے والے تھے][1] کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے بتایا کہ ایک عورت نے مجھے اپنے گھر بلایا کہ میں اس کا ٹوٹا ہو عضو باندھوں۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو اس نے مجھ سے ناجائز عمل کرنے کا تقاضا کیا۔ میں نے بہت کوششیں کہ وہ باز آجائے لیکن وہ ماننے کیلئے تیار نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے کہا کہ اگر تم ایسا کام نہ کروگے تو میں ہمسایوں کو بتاؤں گی کہ فلاں شخص میرے گھر آیا ہے اوراس نے میری آبرو ریزی کی ہے میں اس فکر میں تھا کہ اب میں کیا کروں کہ اچانک میرے ذہن میں آیا کہ میں اس سے کہوں کہ تم جاؤ اور ایک کپڑا یا کوئی پرانی چیز لے آؤ جیسے ہی وہ گئ تو میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی طرف رُخ کیا اور میں نے عرض کیا آقا! اگر مجھے اس مشکل سے نہیں نکالوگے تو پھر میں جو شکستہ بندی کا کام کرتا ہوں (لوگوں کے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں باندھتا ہوں) میں یہ کام چھوڑ دوں گا (چونکہ شکستہ بندی اس کی کمائی کا ذریعہ نہیں تھی اس کی اپنی دکان تھی وہ یہ کام صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے انجام دیتا تھا، یہ اس دور کی بات ہے جب ہسپتالوں میں جدید نظام تک عوام کی رسائی نہ تھی)

---

[1] حاج حسین الماسی حسین خالہ کے نام سے مشہور تھا۔ قم کے پہلوانوں میں تھا اور بڑی اچھی صفات کے مالک تھا اور انکے گھر کے نیچے سبزی فروشی کی دکان تھی وہ اپنی دکان پر اور ڈاکٹر بنی فاطمی کے کلینک میں ٹوٹے ہوئے جوڑوں کو جوڑتا تھا یعنی شکستہ بندی کرتا تھا اور اس میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا اور اس کا کوئی عوض بھی نہیں لیتا تھا۔ ایمان، اخلاص اور اس کی درست کاری جو تھی عوام دوست تھی اس کے بارے میں بہت ساری شکایات ہیں اس کی کوئی اولاد نہ تھی 1339ھ قمری اس کی وفات ہوئی ۳۵۷ـ۵ـ۷اھ ش یعنی انقلابِ اسلامی ایران کے آغاز ہی میں اور اس کا جسد امام زادہ احمد بن قاسم کے حرم میں دفن کیا گیا۔

جیسے ہی میں نے یہ جملہ کہا تو گویا کہ چھت پھٹی اور ایک عورت اسی کمرے میں آ گئی جس میں میں موجود تھا جب وہ صاحب خانہ عورت پرانا کپڑا لیکر واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ ایک اور عورت کمرے میں آئی بیٹھی ہے اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم کہاں سے اندر آئی ہو تو اس عورت نے کہا کہ گھر کا دروازہ کھلا تھا میں دروازے سے اندر آئی ہوں۔اس صاحب خانہ عورت نے کہا گھر کا دروازہ تو بند تھا تم کیا کرنے آئی ہو اور تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ تو اس عورت نے کہا مجھے کچھ کپڑے چاہئیں تو میں نے اس عورت سے کہا تم جاؤ اس کے لئے کچھ کپڑے لے آؤ اور اسے دے دو تا کہ وہ چلی جائے۔ وہ عورت اندر گئی کہ کپڑے لے آئے اور جیسے ہی وہ کپڑے لینے کے لئے دوسرے کمرے میں گئی وہ عورت جو باہر سے آئی ہوئی تھی وہ گھر سے باہر نکل گئی اور میں بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر سے باہر نکل گیا جیسے ہی ہم گھر سے باہر نکلے تو وہ صاحب خانہ عورت واپس آن پہنچی تو اس نے مجھے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس وقت اسکی یہ گالیاں میرے لئے میٹھی تھیں۔اس طرح حسین خالہ معجزانہ طریقہ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مدد سے بڑے گناہ سے بچ گئے اور اسے حرام کاری سے نجات مل گئی۔

۲۔ مسجد جمکران کی تعمیر میں غیبی امداد (بی بی معصومہؑ سے توسل)

آیت اللہ بہجت نے ایک اور واقعہ حسین خالہ سے نقل کیا۔ حسین خالہ کہتے ہیں کہ مسجد جمکران میں سفیدی کرانے کی ضرورت تھی تو میں حضرت معصومہ علیہا السلام کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ میں نے اپنا سر حضرت معصومہؑ کی ضریح مبارک پر رکھا اور عرض کیا کہ میرے لئے ضروری امکانات اور وسائل فراہم ہو جائیں تا کہ مسجد جمکران کا رنگ کرا دوں۔تو میں نے آواز سُنی کہ فلاں مقام پر ایک تاجر ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ وہ ضروری چیزیں جیسے رنگ چونا وغیرہ تمہارے حوالے کرے گا میں اس تاجر کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتائی۔ اس نے کچھ پیسے مجھے دیے۔ میں پیسے لیکر جمکران آ گیا ہم نے وہاں ایک بوڑھے کو دیکھا تو اس نے ہم سے کہا کہ اس کام کے لئے اتنا چونا چاہیے پھر اس نے مسجد کے قریب ایک باغ میں موجود کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کام کیلئے چونا وغیرہ جو بھی تیری ضرورت ہے حتیٰ کہ کھانا کھانے کے لئے بھی اسی

جگہ آجایئے گا۔ (یا کہا کہ کوئی آپ کیلئے کھانا وہاں سے لے آئے گا) میں نے اس سے پوچھا کہ یہ جو اخراجات ہوں گے وہ کیسے کروں؟ تو اس نے کہا اسکا حساب کرلیں گے۔ جب کام ختم ہوگیااور مزدور آگئے اور بیٹھ کر حساب کرنے لگے تو میں نے اس شخص کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں ملا۔ میں جس سے بھی پوچھتا تھا کہ ان خصوصیات والا شخص دیکھا ہے تو وہ جواب دیتے کہ ایسی خصوصیات والا یہاں پر کوئی موجود نہیں ہے میں پریشان ہوا تو میں نے خود سے کہا کہ میں تو یہاں اچھا کام انجام دینے آیا تھا مگر اب میرے ذمہ قرض چڑھ گیا ہے۔ اسی پریشانی میں میں نے ایک آواز سُنی کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ اس وقت میں متوجہ ہوا کہ یہاں ہر معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ میں ان مزدوروں کی طرف پلٹا میں پریشان تھا کہ وہ کہیں گے کہ تم نے کیوں دیر کر دی۔ جب وہاں پہنچا تو وہ کہنے لگے کہ تم جلدی آگئے ہو۔

جب میں اگلے ہفتے جمکران گیا تو وہاں پر اس باغ اور باغ میں جو کام کرنے والے تھے۔ اس باغ کی انجمن اور کھانا دینے والے، مسجد کی تعمیر کے لئے لوازمات چونا وغیرہ جو میرے اختیار میں دیے گئے تھے اب وہاں پر کچھ بھی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی آدمی موجود تھا۔ گویا کہ خواب تھا جو میں نے دیکھا تھا۔ البتہ فرق یہ تھا مسجد سفید ہو چکی تھی (یعنی میں جو چاہتا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ بی بی معصومہؑ کے توسل کی برکت کا ایک حقیقی واقعہ ہے اس قسم کے ہزاروں واقعات ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ ان ہستیوں سے جو بھی توسل کریں وہ پورا ہوتا ہے۔ (مترجم کیلئے بھی ایسا کئی بار ہو چکا ہے)

۳۔ داڑھی رکھنے کی وجہ سے اہانت برداشت کرنا

یہ واقعہ بھی حسین خالہ کا ہے رضا شاہ کا زمانہ تھا وہ (حسین خالہ) آیت اللہ آقا سید محمد تقی خوانساری کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ لوگ اس لحاظ سے کہ میں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے میری اہانت کرتے ہیں بعض تو میرے منہ پر تھوک دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ کاش شرعی فریضہ انجام دینے کی وجہ سے لوگ مجھ خوانساری کی اہانت کرتے، میری داڑھی پر تھوکتے، حسین خالہ کہتا

ہے کہ اس عظیم شخصیت کی اس بات سے میں اس قدر منقلب ہوا کہ میری وہ مشکل حل ہو گئی جب میں ان کی خدمت سے واپس آیا تو اسکے بعد کسی نے میری اہانت نہیں کی۔[1]

۴۔ دُنیادار سیاستدانوں کا انداز

ایک حکمران جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ سیاست یہ ہے کہ جو تم نے نہیں کرنا وہ کہو اور جو تم نے کرنا ہے وہ نہ کہو یعنی تمہاری گفتار اور عمل میں فرق ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک مرتبہ (اس کے پاس) دو معتبر آدمی آئے تاکہ جیل سے رہائے کے لئے کچھ لوگوں کو سفارش کریں۔ تو اس حکمران نے جواب میں کہا ج تم نے کہا ہے وہ ہو جائے گا اس کے بعد اس نے اپنے نوکر سو کہا کہ قہوہ لے آؤ اور اس میں زعفران بھی ہو ان میں سے ایک آدمی نے شک کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قہوہ میں زہر ڈال دو لہٰذا اس نے قہوہ نہیں پیا جبکہ دوسرے نے پی لیا تو وہ گھر نہیں پہنچا تھا مگر مر گیا۔

۵۔ نصیحت کا ایک جملہ

آقائے بہجت نے فرمایا کہ نصیحت کے لیے ایک جملہ کافی ہے اور وہ یہ ہے اس بات کی طرف توجہ ہو کہ خداوند ہر حال میں آپ کو دیکھ رہا ہے[2] یہ (سورہ علق کی آیت ۱۴ کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] آیت اللہ بہجت نے ایک اور بیان میں بتایا کہ اس شخص نے یہ کہا تھا کہ جب آقا سید محمد تقی خوانساری نے یہ فرمایا تو اس وجہ میرے اندر سکون کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہو گئی کہ اسکے بعد وہ اذیتیں اور وہ اہانت کے واقعے دوبارہ نہیں ہوئے (در محضر آیت اللہ العظمٰی بہجت ج ۲ ص ۱۵۱)

[2] الم یعلم بان اللہ یری (انسان نہیں جانتا کہ خدا اُس کو دیکھ رہا ہے)

یاداشت نمبر 3

(9 جمادی الثانی 1413ھ ق)

ا۔ اغیار کے نفوذ کا خطرہ

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ منصب دار لوگ ذمہ دار ہیں، رشوت دینے کے ذریعے (ملک میں) اغیار کے نفوذ کا خطرہ حتمی ہو جاتا ہے۔ دشمن کا طریقہ ہے کہ رشوت دے کر وہ ایسا کرتے ہیں ماضی میں بڑے ذمہ دار علماء کے پاس آکر اُن کو کچھ دیے دیتے تھے مگر یہ بڑے علماء اُن کے زیر بار نہیں آتے تھے اور اسی وجہ سے بعض زادے مشہد میں شہید ہو گئے [1]۔ آیت اللہ بہجت نے اس ضمن میں علماء عراق کا جو مسلحانہ جہاد تھا اس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ وہ علماء جو سیاست بردار نہیں تھے جیسے مرحوم شریعت اصفہانی، مرزا محمد تقی شیرازی وہ بھی انگلستان کے خلاف مقابلے میں میدان میں اُترے اور سید کاظم یزدی کے پاس جب انگلستان کا مسلح مامور آیا اور ان سے ایک بیان پر تائید چاہی تو انہوں نے تائید نہیں کی۔

۲۔ خارجی دشمن مطلق غلامی چاہتا ہے

خارجی دشمن نوکرِ مطلق چاہتے ہیں (یعنی ایسا نوکر چاہتے ہیں کہ جو ہر لحاظ سے ان کی بات کو تسلیم کرے) [2]

فرمایا جو خارجی دشمن ہے وہ دوسروں کو غلام بنانے میں کسی حد تک بھی جا سکتا ہے۔ اسے مطلق غلام چاہیے اور اس کا نمونہ عراق میں شریف کا واقعہ ہے۔ [3] شریف سے مراد شریفِ حسین ہے جو شریف مکہ تھا وہ حسنی سادات میں سے تھا وہ زیدی مذہب پر تھا انگریز نے ان سے کہا تھا کہ عثمانی حکومت کے خلاف جہاد کرے تو وہ حجاز کے استقلال کا اعلان کر دیں گے اور اس طرح ہاشمی

[1] جیسے مرزا محمد کفائی

[2] ۲۔ (ر۔ک صفحہ ۲۰۲)

سلطنت کی بنیاد پڑے گی یہ 1916ء کی بات ہے لیکن ۸ سال بعد اس کو مکہ سے نکال دیا گیا اور ابن سعود کو اس کی جگہ دے دی اور شریف کی اولاد (جو اہلسنت کے مذہب پر تھے) کو انہوں نے عراق، اردن اور شام میں حاکم بنا دیا۔ شریف حسین مکہ میں عثمانیوں کی طرف سے حاکم تھا وہ زیدی مذہب پر تھا وہ انگریزوں کی بات مان جاتا ہے اور عثمانیوں کے خلاف بغاوت کرتا ہے پہلے اسے حاکم بنایا اور پھر اس کو ہٹا دیا اسکی جگہ سعود کو لے آئے۔ ایک آدمی نے شریف مکہ سے بات نقل کی کہ میرا خیال تھا کہ وہ ایک حد تک نوکری پر قانع ہوں گے لیکن وہ تو نوکرِ مطلق چاہتے تھے لہٰذا دشمنوں کے ساتھ بالکل معاملہ نہیں کیا جاسکتا یعنی ان سے ساز باز نہ کی جائے دشمن سے خیر کی توقع نہ رکھی جائے۔

۳۔ سامراج کا سنی شیعہ کے اختلاف میں کردار

آقائے بہجت نے فرمایا کہ سنی اور شیعہ کا اختلاف ایک سامراجی مسئلہ ہے اہل بیتؑ سے تو دونوں محبت رکھتے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے اس وقت جو مسلمان ہیں اس سلسلے میں ان کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہے اور نہ کوئی مشکل ہے اور جو اختلافات ماضی کے ہیں تو وہ ابتدائی سلسلہ تھا اگر وہ اہل بیتؑ کے دوست تھے تو ٹھیک اور اگر نہیں تھے تو بھی ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن جو وہابی ہیں اور اہل بیتؑ سے دشمنی رکھنے والے ہیں ان کا معاملہ باقی مسلمانوں سے جدا ہے۔

یاداشت 4

(2-9-1372ھ ش 6 ذیقعدہ 1413ھ ق)

موت کے وقت خود احتسابی

آقائے بہجت نے فرمایا کہ مرزا حبیب اللہ رشتی کے ایک شاگرد کا بیٹا جن کے متعلق شیخ انصاری کا احتمال ہے کہ ان کا نام شیخ حسن تھا، ان سے منقول ہے کہ مرزا موت کے وقت اپنا احتساب کر رہے تھے، وہ اپنے سے سوال کرتے تھے اور پھر خود ہی جواب دیتے تھے جیسے خود ہی سے پوچھا مرزا حبیب اللہ تم نے سہمِ امامؑ کھایا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے تھے نہیں کھایا، پھر پوچھتے تھے کہ کسی

کے بارے میں تم نے زیادتی کی ہے کیونکہ تم عدلیہ کے سربراہ رہے ہو؟ جواب دیا نہیں۔ پھر سوال کیا طالب علموں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے ہو؟ اس کے لئے مختلف جواب دیتے اور پھر روتے تھے۔ حبیب اللہ رشتی بہت بڑے مجتہد اور عالم تھے انکی موت کا وقت انکے شاگرد نے بیان کیا ہے۔

۲۔ فَرَج کے لئے دعا

آقائے بہجت نے فرمایا کہ میں چند سال پہلے حضرت معصومہ سلام اللہ علیہاکے حرم میں دعا میں مصروف تھا کہ ایک درمیانی عمر کا شخص آیا اس نے سلام کے بعد کہا تو وہی ہے جن کو مہدیؑ کے دیدار کا شوق ہے۔ ان سے کہو دعا کریں، قحط آنے والا ہے لوگ دیہات میں چلے جائیں۔[1] فَرَج قریب ہے۔[2]

۳۔ اہل معنویت کی رازداری

میں نے ان سے سوال کیا ایسے معارف کے متعلق بتائیں جن کے بارے شخصاً خود آپ نے تجربہ کیا ہو؟ جواب دیا کہ جو کوئی اس معنوی مقام تک پہنچ جاتا ہے تو بتاتا نہیں ہے ممکن ہے کہ دوسروں سے کسی بات کو نقل کرنے کے انداز میں کوئی چیز بیان ہو جائے۔

[1] یہ بات اس جنگ کے بارے ہے جو ایران پر مسلط کی گئی قم اُن شہروں میں سے تھا جس پر باقاعدہ بمباری ہو رہی تھی میزائل گر رہے تھے صدام کی طرف سے۔ اس وقت کسی نے یہ خبر دی کہ لوگوں سے کہہ دو کہ شہر سے باہر چلے جائیں (اس طرح غیب سے مدد کی جاتی ہے)۔

[2] یاداشتوں میں جو میں نے لکھا ہے تو یہ وہ باتیں ہیں جو میں نے براہ راست آقای بہجت سے سُنی ہیں لیکن ہو سکتا ہے ان باتوں میں کوئی بالواسطہ بھی ہو۔

یاداشت 5

(21 جمادی الثانی 1414ھ ق)

خارجیوں کے نفوذ کے خطرے کے بارے میں تاکید

اس ملاقات میں تکرار کرتے ہوئے انہوں نے کئی بار یہ کہا کہ خارجیوں کا مملکت کے ذمہ داروں کو رشوت دینا بہت خطرناک ہے رشوت خور اس طریقہ سے اپنے ملک کو دوسروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

۲۔ مرحوم اصفہانی کا طولانی سجدہ

آقای بہجت نے فرمایا میں نے ایک بار آقا خمینیؒ کو بتایا کہ مرحوم محمد حسین اصفہانی رات سے صبح تک سجدے میں ہوتے تھے تو آقا خمینیؒ نے فرمایا کہ یہ ایک ہنرمندانہ کام ہے۔[1]

۳۔ ایسے کاموں کو خلوت کے لئے چھوڑ دو

آقائے بہجت نے فرمایا مرحوم آقا شیخ محمد حسین اصفہانی (کمپانی) آقائے میلانی کے دیدار کے لئے کربلا آئے ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے حرم میں وہ ایک لمبے سجدے میں چلے گئے۔ سجدے کی حالت میں امام حسین علیہ السلام کا دیدار کیا۔ امامؑ نے ان سے فرمایا ایسے کاموں کو چھوڑو یہ خلوت کیلئے ہیں۔ آقازادہ[2] نے پوچھا کہ یہ خواب میں دیدار ہوا یا بیداری میں؟ جواب دیا بیداری میں۔[3]

---

[1] آیت اللہ بہجت کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد حسین اصفہانی اس قسم کے سجدے مکرر کرتے تھے ایک اور بیان میں انہوں نے اس کی تشریح فرمائی (یاداشت شمارہ 20 بند 6)

[2] آقازادہ سے مراد ایک شخص ہے جو آیت اللہ بہجت کے دروس میں ہوتا تھا

[3] اس سے مراد حالتِ مکاشفہ ہے جس کے بارے کہا گیا کہ مکاشفہ بیداری سے بہتر ہے

یاداشت 6

(3ذیقعدہ1414ھ ق)

مُلافتح علی سلطان آبادی کی ایک کرامت

آقائے بہجت نے فرمایا امام خمینیؒ نے شیخ رحیم صاحب الزمانی سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ بتاتے ہیں میں آخوند مُلافتح علی سلطان آبادی کا سامرہ میں مہمان تھا۔ شام کو ان کے پاس روٹی موجود نہیں تھی تو انہوں نے اپنے داماد سے کہا گھر سے باہر جاؤچند قدم دائیں طرف جانا اور چند قدم بائیں طرف اور چند قدم آگے جاؤاور وہاں سے روٹی لے آؤ۔[1]

وہ کہتے ہیں کہ میں (یعنی شیخ رحیم صاحب الزمانی) کمرے میں کھڑکی سے دیکھ رہا تھاان کا داماد باہر گیا چند قدم دائیں طرف مڑااور پھر چند قدم بائیں طرف مڑاپھر واپس آیااور اس کے ہاتھ میں کافی ساری روٹیاں تھیں اس ماجرا کے بعد میں نے اس کے داماد سے پوچھا کہ رات کا واقعہ کیا تھا؟وہاں کون تھا؟تم کس طرح روٹی لے کر آگئے ؟اس نے جواب دیا کہ میں تو پابند ہوں آخوند کی بات کاجو وہ کہتے ہیں اس پر عمل کرتا ہوں۔ میں ان سے پوچھتا نہیں ہوں جیسے انہوں نے فرمایا میں نے ویسے ہی کیااور روٹی لے کر آگیا۔

۲۔ حضورِ قلب

آقای بہجت سے پوچھا کہ حضورِ قلب کیسے پیدا ہو؟

انہوں نے جوابمیں جو بات پہلے کی تھی اسی کا تکرار کیا کہ اختیاری حالت میں پابندی کرو کہ دل غیر خدا کی طرف نہ جائے اسی سے حضورِ قلب پیدا ہوتا ہے۔

[1] انہوں نے یہ بھی اضافہ کیا تھا کہ یہ واقعہ ایک سو سال پہلے کا ہے اس وقت عصر کے وقت اور رات کو سامرہ میں روٹی نہیں ملتی تھی پھر فرمایا ہمارے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔

۳۔ وسوسے کا علاج

عقیدے میں پیدا ہونے والے غلط خیالات کا علاج پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا علاج یہ ہے کہ " لاالاالله " کا ذکر زیادہ کیا کرو۔ [1]

۴۔ قرآن کا ہمراہ ہونا

اکثر تاکید کرتے تھے کہ قرآن ہمیشہ آپ کے پاس ہونا چاہیے۔

[1] (میزان الحکمت ج 13 ص 152 وسواس علاج)

یاداشت 7

(15 جمادی الاول 1415ھ ق)

دل کے سکون کا موثر ترین راستہ

میں نے سوال کیا کہ کون ساذکر ہے جو دل کو سکون دینے میں زیادہ موثر ہے؟ تو جواب میں بتایا کہ اللہ کے موجود ہونے کا ہر حال میں احساس، اسی سے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ امام خمینیؒ کے درس اخلاق کے معطل ہونے کی وجہ

آقائے بہجت نے بتایا کہ امام خمینیؒ مدرسہ فیضیہ میں درس اخلاق دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے درس کی تعطیل کر دی انہوں نے (آقای بہجت) سے فرمایا " میں نے محسوس کیا ہے کہ معاملہ اب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ درس میں حاضر ہونے والے ایک ایک فرد سے کہنا پڑتا ہے کہ تم فلاں کام نہ کرو۔ اس لئے میں نے درس کی چھٹی کر دی ہے لیکن ایک اور شخص سے منقول ہے کہ امام خمینیؒ نے درس اخلاق چھوڑنے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ میں نے دیکھا کہ اس درس کے دینے والے کے لئے کوئی نتیجہ ہے اور نہ ہی درس سننے والے کے لئے کوئی ثمرہ ہے۔

۳۔ حرم رضوی میں بم پھٹنے کا واقعہ

آقائے بہجت نے فرمایا مشہد میں روزِ عاشور (1337-3-30ھ ش) امام علی رضا علیہ السلام کے حرم میں جو بم رکھا گیا تھا اور دھماکہ ہوا تھا یہ واقعہ مشہد کا آخری واقعہ ہے دوستوں میں سے ایک نے نقل کیا کہ حرم کو دھونے کے بعد میں زیارت پر گیا امام زمانہ عجل اللہ کی نیت سے زیارت کی میں نے ایک سید بزرگ وار کو دیکھا جو میری طرف آیا اور مجھ سے کہا" تقبل اللہ "اور پھر ضریح کی طرف چلا گیا اور بہت روئے (ظاہراً آیت اللہ بہجت کی مراد حضرت حجت علیہ السلام تھے۔

یاداشت 8

(28 شوال 1415ھ ق)

رجب علی خیاط کے بارے سوال

میں نے آقائے بہجت سے شیخ رجب علی خیاط کے بارے پوچھا کہ کیا آپ نے اُن سے ملاقات کی؟ آغا بہجت نے اجمالاً ان کے معنوی مقامات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جی ہاں! جس سفر میں وہ نجف آئے تھے میں نے انہیں آقائے قاضی کی مجلس میں دیکھا تھا۔ انہوں نے اس مجلس میں امیر المومنینؑ کی مدح میں اشعار پڑھے جو حروف ابجد سے شروع ہوتے تھے اور اسی طرح انہوں نے اپنی گفتگو کے ضمن میں کہا کہ میں نے ایک شعر کہا ہے جس کا مطلع یہ ہے (ہر چہ نعمت دادہ ای بر کائنات جملہ بر من دادہ ای از ہر جہات) میں اپنے طور پر سوچتا ہوں کہ یہ الٰہی نعمات کی بالاترین اور بلند ترین تعبیر ہے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا بہت ہی عمدہ انداز میں شکر ہے۔ صحفیہ سجادیہؑ میں اس جملہ کو ہم پڑھتے ہیں'' شکری ایاك مِن انعاماتك '' یعنی تیری شکر گزاری کرنا بھی تیرے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ آیت اللہ ری شہری کہتے ہیں کہ یہ بیان کیمیائے محبت (جو مرحوم شیخ رجب علی خیاط کا یاد نامہ ہے) میں بھی موجود ہے۔

۲۔ صبح وشام میں ایک دعا کی وصیت

آیت اللہ بہجت نے اس ملاقات میں ایک دُعا کی وصیت فرمائی جو صبح و شام پڑھی جانی چاہئے۔ فرمایا کہ میں تمہیں اس دعا کی وصیت کرتا ہوں کہ صبح وشام پڑھو:

اللهم اجعلني في درعك الحصينة التي تجعل فيها من تريد

انہوں نے اس کے تسلسل میں فرمایا ”یہ دعا صبح و شام پڑھواور یہ پڑھتے ہوئے تمہاری مراد تمام اہل ایمان اور جو اہل ایمان کے حکم میں ہیں وہ سب ہونے چاہیں۔[1]

---

[1] شیخ کلینی نے اپنی کتاب الکافی (ج ۲، ص ۵۴۳) میں اس دعا کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے۔آپؑ نے فرمایا یہ دعا صبح وشام تین مرتبہ پڑھواور اسے ترک نہ کرواور اپنے بابا امام باقر علیہ السلام سے روایت کیا کہ یہ دعاایک خزینہ ہے اور یہ نااہلوں کو نہیں ملتی۔

<u>کربلا کی زیارت پر جانے کا واقعہ اور آقائ بہجت کا ایک دعا کی تعلیم دینا</u>

میں کربلا کی زیارت کے لئے جارہا تھا صدام کی حکومت تھی اور ویزہ لگا ہوا تھا۔اس وقت میرے پاس اجتماعی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ تحریک جعفریہ کا جنرل سیکرٹری تھا۔ظاہر ہے یہ جنگ کے دوران کی بات ہے۔اس وقت پاکستان میں صدام کے خلاف بیانات اور مظاہرے بھی ہوتے رہتے تھے۔ سید جان علی شاہ صاحب صبح کے وقت میرے پاس آئے اورانہوں نے بھی درخواست کی کہ آپ نہ جائیں۔ کیوں کہ آپ کی جان قیمتی ہے اور طلباء نے بھی منع کیا۔ لیکن میرا شوق تھااور دل چاہ رہا تھا کہ میں جاؤں گھر والے بھی ساتھ تھے۔اس حوالے سے پریشان تھا۔ بہرحال میں آیت اللہ بہجت کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد آغا کے پاس بیٹھ گیا۔آغا سر جھکائے ہوئے تھے۔انہوں نے میری طرف دیکھا۔ میں نے جلدی جلدی بتایا کہ میری پاکستان میں اجتماعی ذمہ داریاں ہیں اور میں زیارت کے لئے کربلا جارہا ہوں۔ لیکن دوست مجھے منع کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ فرمائیں یا استخارہ کریں کہ میں کیا کروں ؟انہوں نے پوچھا کہ آپ کے پاس ویزہ ہے؟میں نے کہاجی ہاں ! ویزہ تو موجود ہے توانہوں نے کہا ٹھیک ہے،آپ جائیں اور پھر کہا کہ یہ دعاپڑھو" اللھم اجعلنی فی درعك الحصینة التی لا تجعل فیھا الا من تشاء" مجھے تو یہی عبارت یاد ہے اور میں یہی پڑھتا رہااور جب عراق جارہے تھے تو بارڈر پر مشکل پیش آگئی۔ جو سالارِ کاروان تھا وہ بڑی پریشانی کے عالم میں میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ انہوں نے آپ کا پاسپورٹ رکھ لیا ہے۔ظاہر ہے اس بات سے مجھ سمیت بچے بھی پریشان ہوئے۔اس نے بتایا کہ افسر کہہ رہا ہے اس پاسپورٹ والے شخص کو جاکر لے آؤ۔ لہٰذا میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ابھی اس افسر کے دروازے پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ قافلہ سالار دوڑتا ہوا آیا اور بتایا کہ بس ضرورت نہیں ہے اس کے ساتھی نے بتایا کہ انہوں نے پاسپورٹ دے دیا ہے۔اس طرح ہم عراق پہنچ گئے اور زیارات کیں۔جب واپس آئے تو بارڈر پر پھر وہی مسئلہ پیش آیا۔ قافلے کا سالار تو بڑی پریشانی میں دوڑتا ہوا آیا اور کہا اب تو کوئی چارہ ہی نہیں، وہ پاسپورٹ دینے کو تیار نہیں وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔اس وقت میں یہی دعاپڑھتا جارہا تھا" اللھم اجعلنی فی درعك الحصینة التی لا تجعل فیھا الا من تشا"اس بار پھر وہی ہوا۔جب میں اُٹھ کراور بڑے بوجھل قدموں کے ساتھ اسی طرف جارہا تھا تو پھراس کا ساتھی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ انہوں نے پاسپورٹ واپس دے دیا ہے۔

یہ دعا" اللھم اجعلنی فی درعك الحصینة التی تجعل فیھا من ترید"اس طرح زیادہ نقل ہوئی اور یہی مشہور ہے۔آقائے بہجت ہر پاکستانی سے یہی وصیت فرماتے تھے کہ اس دعا کو بہت زیادہ پڑھا کرواور تمام مومنین جو مشرق اور مغرب میں رہتے ہیں سب کی حفاظت کی نیت کیا کرو۔ دعا کی کتابوں میں بھی انہی الفاظ کیساتھ نقل ہوئی ہے لیکن اس وقت آغا نے مجھ سے جو کہا تھااور جو مجھے یاد ہے میں اس دن سے اسی طرح باقاعدگی سے پڑھتا ہوں انہوں نے "الا من تشاء" کہا تھا اس کے بعد میں نے فوراً اسے لکھ لیا تھا اور الحمدللہ یہ دعا آج بھی میری زبان پر جاری ہے ۔ میں سمجھتا ہوں غیر محسوس طریقہ پر (کیونکہ ہم محسوس کم ہی کرتے ہیں) ہماری اس طرف توجہ کم ہی ہوتی ہے شاید بہت ساری مشکلات اور مسائل جو ہمارے حل ہو جاتے ہیں اسی دعا کا ہی اثر ہو۔ اگرچہ ہم دعا کرنے والے، دعاپڑھنے والے، گنہگار بھی ہیں، خطاکار بھی اور ہمارے اندر وہ خوبیاں بھی نہیں۔یقیناً وہ ذات کریم ہے اس کی کریمی کا یہ اثر ہے کہ بہت ساری مشکلات، مسائل جن میں ہم سرخرو ہوتے ہیں۔جن کے ظاہری اسباب موجود نہیں ہوتے کہ ہم اس مشکل سے کیسے نکل آئیں گے؟ بالاآخران مشکلات سے نکل آتے ہیں۔

لہٰذا میں اپنے چاہنے والے اور میرے ساتھ جن کا تعلق ہے، خصوصاً اپنی اولاد کو یہ کہوں گا کہ اس دعا کو صبح وشام ضرور پڑھا کریں جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے اور عارف لوگ جیسے آیت اللہ بہجت جیسی شخصیت کا بیان بھی موجود ہے اور پھر میرا ذاتی تجربہ بھی ہے

۳۔سب سے بڑی وصیت

آغا بہجت نے فرمایا کہ میری سب سے بڑی وصیت یہ ہے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانو۔

۴۔خدااو انسان کے درمیان مسئولیت کا تعلق

آقای بہجت نے فرمایا یہ سفر [1] بظاہر آپ کے ذمہ ہے لیکن آپ کے اپنے درمیان اور خدا کے درمیان یہ ہونا چاہیے کہ یہ مسوئلیت ہے۔ [2] (ایک ذمہ داری ہے!)

۵۔سرمایہ نجات۔(ایک بال برابر اہل البیت علیہم السلام سے محبت کا اثر)

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ موت سے نہ ڈرو بظاہر موت بھی وہی خواب ہے۔خاص کر موت کے بعد کی جو مشکلات ہیں اگر انسان کے پاس ایک بال برابر محبت اہل بیتؑ ہے تو یہی نجات کے لئے کافی ہے اور ہمارے پاس تو اتنی محبت پہلے ہی ہے۔ [3]

لہذآیت اللہ بہجت کے بیان کردہ الفاظ میں پڑھا جائے تو جیسا کہ مشہور ہے۔ "اللھم اجعلنی فی درعك الحصینة التی تجعل فیھا من ترید" اور اس میں نیت کی جائے جو مومنین موجود ہیں اور جو مومن کے حکم میں ہے،ان سب کیلئے یہ دعا پڑھ رہا ہوں۔(مترجم)

[1] (سفرِ حج)

[2] کیونکہ جو ملاقات ہوئی ایام حج کے قریب تھی اس لئے یہ جملے فرمائے۔

[3] (البتہ اس بات پر توجہ رہے کہ انسان اہل بیتؑ کی محبت اس وقت اپنے ہمراہ عالم بررخ میں لے جاسکتا ہے اور قیامت میں بھی اس کے ساتھ ہوگی جب گناہ کی آفت اس محبت کی نعمت کو اس سے چھین نہ لے اور گناہ اس عظیم محبت کے چھن جانے کا سبب نہ ہو۔ یہ بہت اہم بات ہے۔

یاداشت 9

(12 رجب المرجب 1416ھ ق)

حج وعمرہ کی قبولیت

آقائے ری شہری فرماتے ہیں کہ آغای بہجت نے اس ملاقات میں حج عمرہ کے قبولیت کے لئے بار بار میرے لئے دعا کی۔

۲۔ احوال پرسی پر جواب

جب میں نے پوچھا آپ کیسے ہیں تو فرمایا "الطبیب امرضنی" (یعنی میرے طبیب نے مجھے مرض میں مبتلا کر رکھا ہے۔)

۳۔ نماز میں حضور قلب

جب میں نے سوال کیا کہ نماز میں حضورِ قلب کیسے ہو؟ تو وہی جو پہلے جواب دیا اسی کا تکرار کیا کہ "جو نماز پڑھتا ہے اگر ایک لمحہ کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو وہ کوشش کرے وہ اس ایک لمحے کو اختیاری طور پر اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اس سے مشکل حل ہو جائے گی۔ شیطان کو غیر اختیاری غفلت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا (بلکہ اختیاری غفلت شیطان کے کام آتی ہے)۔

۴۔ استخارہ کا معتبر ہونا

میں نے سوال کیا کہ کونسا استخارہ متعبر ہے؟

اسکے بارے میں انہوں نے چند مطالب بیان کئے جن سے آغا کے اس موضوع کے متعلق عقیدے کا پتہ چلتا ہے۔ نیز انہوں نے ایک واقعہ آغا ابوالحسن شریعت مدار سے نقل کیا کہ وہ اپنی انگوٹھی مسجدِ کوفہ اور مسجدِ سہلہ کے درمیان گم کر بیٹھے اور پھر استخارہ کے ذریعے انہوں نے وہ انگوٹھی تلاش کر لی۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے راستے کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور پھر ان دو حصوں میں

ایک کا انتخاب کیا اور جسے انتخاب کیا پھر اسے بھی دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح کرتے کرتے جہاں ان کی انگوٹھی گم ہوئی تھی، وہاں پہنچ گئے۔ آغا بہجت نے دوسروں کی مدد اور وسیلے سے استخارہ کروانے کے حوالے سے فرمایا کہ تو اس میں دوسروں کو اپنا شفیع قرار دیتا ہے۔[1]

۵۔ امام زمانہ (عج) کا نام لیتے وقت کھڑے ہونا

آغا بہجت نے امام زمانؑ کا نام لینے پر احتراماً کھڑے ہونے کے حوالے سے شیخ مفیدؒ کی ایک کتاب سے نقل کیا ہے کہ جب امام زمانؑ کا حکومتی[2] نام لیا جائے تو ادب یہی ہے کہ اس نام کے احترام کے لئے کھڑا ہوا جائے کیونکہ امامؑ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔[3]

---

[1] یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مطلب کو اور جگہ بھی بتایا کہ آقا خمینیؒ فرماتے تھے جو قرآن سے استخارہ کرتے ہیں اور کسی مطلب کو بیان کرتے ہیں یہ تو صحیح ہے لیکن حیرانگی ان پر ہے کہ جو تسبیح سے استخارہ کرتے ہیں اور پھر مطلب کو بیان کرتے ہیں (در محضر آیت اللہ بہجت ج2 ص279)

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ قرآن سے استخارہ یا فال میں عجائب و غرائب دیکھے گئے ہیں۔ یہ قرآن میں ہے کہ اس میں ایسی خاصیت ہے، غیب گوئی قرآن کا خاصہ ہے لیکن لوگ اسے خیال کرتے ہیں کہ یہ استخارہ کرنے والے کا خاصہ ہے کہ فلاں بندہ کتنا اچھا ہے کہ غیب کی خبر دیتا ہے جبکہ وہ خبر قرآن سے ہوتی ہے۔

(در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت ج2 ص294)

آقای بہجت نے فرمایا کہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن سے ایک مسئلہ کے بارے میں استخارہ کیا جاتا ہے تو وہی مسئلہ بیان ہوتا ہے اس کا نام تک بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کا پورا ذکر ہوتا ہے۔ البتہ جن کا باطن اندھا ہے وہ اصل استخارہ، چاہے وہ قرآن سے ہو یا تسبیح سے، پر اعتقاد نہیں رکھتے۔

(در محضر آیت اللہ بہجت 1 ص279)

اس کے باوجود توجہ رہے کہ استخارہ کرنا ہر ایک کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی ہر کام کے لئے اچھا ہے آیت اللہ بہجت فرماتے تھے کہ آغا بروجردی تاجروں اور کاریگروں کے لئے فرماتے تھے کہ تجارت کے بارے میں استخارہ نہ کرو کیونکہ اگر تم نے نقصان دیکھا خیال کروگے کہ استخارہ نے تمہیں نقصان دیا ہے۔ اس قسم کے لوگ نہیں جانتے کہ اگر وہ استخارہ نہ کرتے اور خود سے کام کرتے تو اس وقت کیا ہوتا اور انہیں کتنا جانی یا مالی نقصان یا اس سے بھی بدتر صورتحال نہیں آئی۔

(در محضر آیت اللہ العظمیٰ بہجت ج2 ص65)

یہ ذہن میں رہے کہ استخارہ کرنا ان کاموں کے لئے ہے جن کے بارے میں واضح شرعی و عقلی حکم سامنے نہیں آرہا۔ یعنی جہاں پر تردد اور پریشانی ہو وہاں پر کرنا ہوتا ہے یعنی واجبات کیلئے استخارہ نہیں ہوتا بلکہ اختیاری کاموں میں جب تردد و شک ہو کہ کونسا کام کریں تو اس کیلئے استخارہ ہوتا ہے۔

[2] اس سے مراد آپ کا لقب قائمؑ ہے

[3] جو ہمارے پاس منابع ہیں تو ان میں سے شیخ مفیدؒ سے ایسا کوئی بیان نقل نہیں ہوا کہ امام مہدیؑ کا نام سننے پر کھڑا ہو جانا چاہئے اور اسی طرح کسی حدیث میں ظاہری طور پر کوئی ایسی روایت نہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کا نام لینے پر کھڑے ہو جائیں اور کچھ منابع میں متاخرین سے منقول ہے کہ انتظار کے آداب میں یہ نکتہ بیان ہوا ہے تو اس کی کوئی سند بیان نہیں ہوئی اور بغیر سند کے امام رضا علیہ السلام کے عمل کی طرف اشارہ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے عمل کی طرف نسبت بھی دی گئی ہے (تنقیح المقال ج3 ص65 الزام الناصب ج1 ص۲۴۶ اور کتاب نشناختہ تنزیل الخوازی) معروف ہے کہ مرحوم محدث نوری (متوفی 1330ھ قمری) نے اس قسم کا احترام شیعہ کے ہاں عمومی ثقافت و روایت میں شمار کیا ہے۔ اسے شیعوں کا عمل قرار دیا ہے لیکن اس کا کوئی مستند یا حدیثی حوالہ نہیں دیا نہ متقدمین کی سیرت میں ایسے واقعہ کا ذکر ملتا ہے۔ (نجم الثاقب ص 19)

یاداشت 10

(۱۲ ذیقعدہ ۱۴۱۶)

آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی کی رضاشاہ سے علماء کی حمایت کیلئے گفتگو

آقائے بہجت نے فرمایا: آقائے خمینیؒ نے آغا سید عیسیٰ مرحوم[1] کے حوالے سے یہ بات بیان کی کہ جب آغاابوالحسن اصفہانی، مرزا نائینی اور کچھ دوسرے علماء کو نجف سے شہر بدر کرکے قم روانہ کیا گیا تھا تو سید ابوالحسن اصفہانی، رضا شاہ سے ملاقات کیلئے گئے اور سید عیسیٰ تھوڑے فاصلے پر ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ سیدابوالحسن اصفہانی رضاشاہ پہلوی کو مخاطب ہو کر یہ کہہ رہے تھے کہ تمہارے لئے یہ بات سود مند نہیں کہ تم علماء کی مخالفت کرو۔

رضاشاہ نے جواب میں کہا اے میرے معزز ومکرم !ان علماء میں سے جواچھے ہیں میں ان کے ساتھ اچھا ہوں۔

آیت اللہ بہجت نے بیان کیا کہ نوگاڑیوں پر ان علماء کو نجف سے قم لایا گیا تھااور وہ چھ ماہ تک قم میں رہے۔[2]

۲۔ ضرر اور خطرہ سے بچنے کیلئے اجتہاد کی سند دینا

آغا بہجت نے فرمایاکہ سیدابوالحسن اصفہانی سے نقل کیا کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے حالت خواب میں ملاقات کی ،آپؑ نے فرمایا ''اپنے اطراف موجود افراد کو اجتہاد کی سند دے دو۔''

[1] جو قم کے مشہور واعظ آغا سید مرتضیٰ گلکئی کے باپ تھے۔

[2] **نجف سے علماء کی ملک بدری کاواقعہ:** یہ 1341 ہجری قمری کا واقعہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت یاداشت نمبر16 میں دیکھیں۔ آیت اللہ بہجت نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ علماء نجف سے بدر ہوئے اور ایران آئے۔ قم میں سید ابوالحسن اصفہانی، مرزا نائینی، شیخ محمد حسین کمپانی اصفہانی جب قم پہنچے تو انہوں نے قم میں تدریس شروع کی اور طلباء کیلئے مختصر شہریہ بھی دیتے تھے اور حضرت معصومہؑ کے صحن اور مسجد امامؑ میں باجماعت نماز پڑھتے تھے ۔مرزانائینی صحن میں نماز پڑھاتے تھے (آیت اللہ العظمیٰ بہجت کے محضر میں ج 2 ص75)

مسئلہ یہ تھا کہ پہلوی بادشاہ ایسے علماء کو جن کے پاس اجتہاد کی سند موجود نہ تھی روحانی لباس پہننے کی اجازت نہیں دیتا تھا لہٰذا سید ابوالحسن نے فرمایا کہ صاحبِ جواہر مفاد کو مد نظر رکھ کر اجتہاد کی سند دیتے تھے اور میں علماء سے خطرہ اور ضرر دور کرنے کے لئے اجتہاد کی سند دے دیتا ہوں۔

۳۔ فضل اللہ نوری کا اپنی اور آیت اللہ بہبہانی کی شہادت کے بارے پیش گوئی کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ فضل اللہ نوری، سید عبداللہ بہبہانی سے کہا کرتے تھے کہ میں جہاں بھی چھپ جاؤں وہ مجھے تلاش کرلیں گے اور مجھے قتل کریں گے اور آپ کو نماز کے دو رکن کے درمیان قتل کریں گے [بعد میں ایسا ہی ہوا]

۴۔ عظیم امور پر توجہ

ایام حج میں بڑے کاموں کے پایہ تکمیل کو پہنچ جانے کے امکان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مرزا شیرازی بزرگ کے بیٹے نے کچھ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلے میں آقای خمینیؒ کے وسیلہ سے الحاج شیخ عبدالکریم حائری کیلئے پیغام بھیجا کہ ان سے کہیں کہ ہم ایک وسیلہ سے زیادہ کچھ نہیں اور مرحوم حاج شیخ حائری نے جب یہ پیغام سنا تو جواب میں فرمایا یقینا ایسا ہی ہے۔

آیت اللہ بہجت نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے ضمن میں فرمایا "اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگو کہ آپ کے وسیلہ سے بڑے کام انجام پائیں مقصد بلند ہونا چاہیے اگر وہ کام ہو گیا تو ٹھیک، اگر نہ ہو سکا تو جو بھی اس مقصد کے قریب تر ہو وہ انجام پا جائے"

۵۔ خود کو ہر لحہ اللہ تعالیٰ کا محتاج جانو

آیت اللہ بہجت نے فرمایا ہمیں ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کی ضرورت ہے لحہ لحہ اس کی عنایات اور توجہات ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے تا کہ ہم جانیں کہ ہم کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

۶۔ مشروطیت کی تائید میں آخوند خراسانی سے تائید لینے کی کیفیت

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: جب حکمران جماعت نے فیصلہ کیا کہ مشروطیت کی تائید کیلئے اخوند خراسانی سے تائید لیں تو انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ایسی حالت میں ان سے تائید حاصل کی جائے کہ انہیں سوچنے اور سمجھنے کا کمترین وقت ملے۔ چنانچہ جس وقت آپ درس دینے کے لئے جارہے تھے اور آپ کی سوچ اور فکر درس میں تھی اور اپنے گھر کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے اسی حالت میں مشروطیت سے متعلق ایک کاغذ ان کے حوالے کیا گیا اور انہوں نے بغیر سوچے اس پر دستخط کر دیے۔[1]

۷۔ اخوند خراسانی کا حسن ظن

آپ نے فرمایا: آقا محمد تقی خوانساری نے بیان کیا کہ میں آخوند خراسانی کے درس میں جاتا تھا۔ خوانسار سے کسی نے ان کے نام خط لکھا کہ آقای آخوند سے امورِ حسبیہ کے بارے اجازت لیکر بھیجوں۔ میں اسے پہچانتا نہیں تھا میں نے اپنے طور پر یہ طے کیا کہ میں یہ خط جا کر آغا کو دے دیتا ہوں۔ جب درس ختم ہوا تو میں نے وہ خط آخوند کو دے دیا تو انہوں نے اپنی مہر لی اور اس خط پر لگا دی۔ میں نے بعد میں سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میرا واسطہ بننا آخوند کے اس اطمینان کا سبب بنا ہو لہٰذا میں نے ان سے جا کر کہا کہ میں اس شخص کو پہچانتا نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ جس شخص نے یہ خط لکھا ہے کیا وہ علماء کے لباس میں نہیں ہے؟ (گویا بات پر کہ وہ علماء کا لباس پہنے ہوئے ہے اُس کی تحریر پر ہی اجازت دے دی اس کے علاوہ کوئی اور تحقیق نہ کی (مترجم) جبکہ اس کے برعکس سید محمد کاظم یزدی جو صاحبِ عروۃ الوثقیٰ ہیں وہ بھی اسی زمانے میں موجود تھے وہ اس حوالے سے بہت دقیق اور محتاط استاد تھے۔

---

1 اس تائید کے متعلق دو بیانات ہیں آیت اللہ بہجت کے بیٹے نے بتایا کہ بابا کے لئے اس مطلب کو ان افراد نے بیان کیا جو ان واقعات میں خود موجود تھے یا اس سلسلہ کو چلا رہے تھے اس کے علاوہ دوسرے قرائن بھی اس مطلب کی تائید کرتے ہیں۔
ان میں سے ایک بات آیت اللہ بروجردی سے نقل ہوئی ہے کہ جب آقای آخوند نے فرمایا کہ ہمارا معاملہ واجب اور حرام کے درمیان دائر ہے تو میں نے ان کے درس میں جانا چھوڑ دیا وہ مسلسل سوال کیا کرتے تھے کہ آغا سید حسین کہاں ہیں؟ وہ درس میں کیوں نہیں آتے؟

یاداشت 11
(۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ)

معنوی مقامات تک پہنچنے کی چابی

آیت اللہ بہجت نے اس ضمن میں درج ذیل آیت پڑھی:

''اَوَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ۔ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّہِمۡ اَلَاۤ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ'' (سورہ فصلت، آیت: ۵۳،۵۴)

ترجمہ: کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار خود ہر چیز پر گواہ ہے. جی ہاں! وہ جو کہ اپنے رب کی ملاقات میں تردید رکھتے ہیں، آگاہ رہو یقینا وہ ہی ہے کہ ہر چیز پر جس کا احاطہ ہے۔

پھر فرمایا کہ خداوند کی طرف توجہ معنوی مقامات تک پہنچنے کی چابی ہے اور حق تعالیٰ کے شہود کا وسیلہ ہے۔

۲۔ شہود کے احساس تک پہنچنے کا راستہ

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: شہود کے احساس کو درک کرنے کا راستہ یادِ خدا میں مراقبت اور توجہ ہے ۔اختیاراً انسان اللہ کی طرف متوجہ رہے البتہ غیر اختیاری غفلت کی اہمیت نہیں۔ جو باتیں واضحات میں سے ہیں انہیں ضائع نہ کرنا اور انہیں ہاتھ سے جانے نہ دینا یہ شہودِ تام تک پہنچنے کا سبب ہے (اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جو واضح شرعی احکام ہیں ان پر عمل کیا جائے یعنی واجبات کو انجام دینا اور محرمات کو ترک کرنا)

۳۔ نجف اشرف میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مقام پر زیارت عاشورہ پڑھنا

آقای بہجت نے فرمایا کہ آقای خمینیؒ نے میرزا رضی تبریزی سے اور انہوں نے ایک اور شخص سے نقل کیا کہ روزِ عاشورا نجف اشرف میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مقام پر ایک شخص کو دیکھا جو زیارت عاشورا پڑھ رہا تھا۔ میں جب آگے بڑھا تو میں نے خود کو امام حسین علیہ

السلام کے صحن میں موجود پایااور جب میں پیچھے مڑاتو دیکھا کہ وہ جگہ امام مہدی علیہ السلام کا مقام ہے جو وادی سلام میں ہے تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب اس شخص نے زیارت عاشورا مکمل کرلی تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں پر ٹھہرے ہو؟ تو جواب دیا کہ میں فلاں کاروانِ سرامیں ٹھہرا ہوا ہوں، لیکن جب میں وہاں پر گیااور ان کے بارے میں کاروان سرا والوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا وہ یہاں پر تھے لیکن اب یہاں سے چلے گئے ہیں۔ میں باہر آیا تو میں نے راستے میں ایک ترکی کو دیکھا کہ جو کم عقل معلوم ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی کوئی بات کہہ دیتا تھا۔ ایسا لگا کہ اسے معلوم تھا کہ میں کس کے پیچھے ہوں؟ للٰذا اس نے مجھ سے ترکی زبان میں کہا "گِدی"۔

(یہ ترکی آذری کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ چلا گیا اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وادی السلام میں جو مقام امام مہدی علیہ السلام ہے اس جگہ پر حضرت امام مہدی علیہ السلام اپنے جد امام حسین علیہ السلام کیلئے زیارتِ عاشورہ پڑھتے ہیں، مترجم)

یاداشت 12

(۳ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ)

۱۔امام خمینیؒ کا سید ابوالحسین واحدی کی گفتگو پر ناراض ہونا

آقای بہجت نے فرمایا: آغا سید ابوالحسین واحدی جو فدایان اسلام میں سے تھے ۔ ایک مرتبہ مدرسہ فیضیہ میں منبر پر گئے۔امام خمینیؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے لیکن جیسے ہی اس کی گفتگو شروع ہوئی توامام خمینیؒ نے وہ مجلس چھوڑدی۔آپ دوسرے دن ہمارے گھر تشریف لے آئے اور خود ہی بیان کیا کہ میرااس کی تقریر سے اٹھ جانے کا مقصد واحدی کی گفتگو پراعتراض تھا [اس زمانے میں بظاہر آیت اللہ بہجت کا گھر مدرسہ حجتیہ جو قم میں ہےاس کے قریب تھا[اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام خمینیؒ آقای بہجت کے گھر تشریف لاتے تھے اور ان سے خصوصی باتیں کیا کرتے تھے۔ مترجم]

۲۔امام خمینیؒ کی رہبریت سے متعلق ایک خواب کی حکایت

آقای بہجت نے فرمایا: انقلاب سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ شاہِ ایران ایک جوان سید زادے کا بہت احترام کر رہاہے میں عالم خواب میں سمجھا کہ شاہ کے بعد امام خمینیؒ رہبر ہوں گےاور پھر انقلاب کی کامیابی کے بعد میں نے دیکھا کہ اسی طرح ہوا لیکن آغا خمینیؒ کا قیافہ اس سید جوان سے مطابقت نہیں رکھتا تھا لیکن جب میں نے ان کی جوانی کی تصویر دیکھی تو مجھے یاد آیا کہ بالکل ویسے ہی تصویر ہے جو میں نے خواب میں سید جوان کو دیکھا تھا۔

عالم رویاء میں اس جوان نے کچھ کہا تھا جو میں اس وقت بتا رہاہوں اور یہ وہی بات تھی جو انقلاب کے بعد آقای خمینیؒ نے فرمائی کہ ''اس انقلاب کے مقابلے میں جو بھی کھڑا ہوگا وہ ہلاک ہوجائے گا۔''اس طرح جو کچھ میں نے اس وقت خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر انقلاب کے بعد اس طرح پوری ہوگئی۔

۳۔ حافظ قرآن کیا کرے؟

اس ملاقات میں انہوں نے میری (محمدی ری شہری) طرف اشارہ کرتے ہوئے (چونکہ میں حافظ قرآن ہوں) تاکیداً فرمایا کہ ''حافظ قرآن کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن پر عمل بھی کرے وگرنہ قرآن اس سے جاتا رہے گا۔''

یاداشت 13

(۱۶ جمادی الاول ۱۴۱۸ ہجری)

۱۔ حضور قلب دوا ہے

میں نے آغا بہجت سے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ نماز میں حضور قلب حاصل ہو جائے تو آپ نے فرمایا حضور قلب دوا ہے دعا نہیں۔[1]

۲۔ صدارت سے زیادہ قیمتی امور

صدارت کے عہدہ سے زیادہ قیمتی کیا ہے؟

1376 شمسی میں صدر جمہوری اسلامی ایران کیلئے میں نامزد ہوا تو فرمایا: تم ایسے کام انجام دے سکتے ہو کہ جو اللہ کے ہاں تمہارے صدر بننے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

۳۔ سید شفتی کے پاس فتح علی شاہ کا بدفعلی کا اعتراف

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: کہ فتح علی شاہ نے تین دفعہ سید شفتی سے کہا کہ میں نے بدفعلی کا عمل انجام دیا ہے۔ سید نے یہ سن کر اس سے فرمایا اگر تم نے یہی بات چوتھی بار کہی تو میں تمہارے اوپر حد جاری کروں گا۔[2]

---

[1] یہ بات اس مطلب کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے حضور قلب کے لئے مکرر فرمایا ہے۔

[2] اسلام کے فقہی احکام میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص قاضی یا حاکم شرع کے پاس اپنے برے عمل کا چار دفعہ اقرار کرے تو اس کا مجرم ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور اس پر شرعی حد جاری کرنا لازمی ہو جاتا ہے اور سید شفتی سے مراد آیت اللہ سید محمد باقر شفتی متوفی 1260 ہجری قمری ہے اور شیخ مرتضیٰ انصاری ایک ماہ تک اصفہان میں ان کے درس میں شریک ہوئے ان دنوں آپ ان کے ہاں مہمان تھے۔

۴۔ سید شفتی کی شیخ انصاری کے بارے میں پیش گوئی

آیت اللہ بہجت نے ایک ملاقات میں بہت سارے واقعات شیخ انصاری کے متعلق نقل کیے ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ مالی حالات کی سختی کی وجہ سے ان کا گزارہ بہت ہی مشکل تھا اور وہ نانوائی یعنی روٹی بیچنے والے کے مقروض بھی تھے ۔ ایک دفعہ وہ سید شفتی کی انگوٹھی لے گئے تھے تا کہ اس کے بدلہ میں نانوائی سے روٹی لیں جب نانوائی نے انگوٹھی دیکھی تو اس نے گستاخی کی کہ تم پیسے کے بدلے انگوٹھی لے آئے ہو؟ وہ سید شفتی کے پاس گئے اور پورا واقعہ سنایا تو سید شفتی نے ان سے مہربانی کی اور فرمایا کہ یہ تکالیف برداشت کرو۔ اسکے بدلے میں ایسے مقامات آپ کو ملنے والے ہیں ان تکالیف کے مقابل میں کچھ بھی نہیں۔

(شیخ انصاری عالم تشیع کے عظیم مرجع تقلید بن جاتے ہیں اور علمی بلندیوں پر پہنچتے ہیں، اسلام کیلئے ان کی بے حساب خدمات ہیں، مترجم)

یاداشت14

(2ذالحجہ 1417 ہجری)

بعض موضوعات میں حوزہ علمیہ کی مصلحت

آقای بہجت نے فرمایا کہ ہم آیت اللہ بروجردی کے گھر کے بیرونی حصہ میں موجود تھے کہ ہمیں اندر بلایا گیا جب اندر گئے تو وہاں پر شیخ ابوالفضل زاہدی، آقای خمینیؒ اور ان جیسی اور بزرگ شخصیات موجود تھیں اور ان سب میں مَیں کم عمر تھا۔ وہاں اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جس بدبخت نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے اس کے بارے کیا حکم جاری کیا جائے ؟ اس کے علاوہ اور موضوعات بھی زیر بحث تھے۔ سب سے رائے اور مشورہ مانگا گیا، سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مدعی نبوت پاگل ہے اور اس بات کو یہیں پر ہی ختم کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ کسی کیلئے یہ کہہ دینا کہ

وہ پاگل ہے، یہ بات حوزہ کے مفاد میں نہیں میرے قریب ایک شخص[1] بیٹھا تھااس سے میں نے پوچھا کہ کیا یہ درست ہے ؟ان کی [آیت اللہ بروجردی جو مرجع تقلید تھے] کی طرف سے حوزہ علمیہ کی طرف سے یہ لکھ کر دیا جائے ؟ کیااس قسم کے مسائل میں دخل دینا حوزہ کے فائدے میں ہوگا؟ اس شخص نے اس مطلب کو اونچی آواز میں کہا لیکن اس کے مقابلے میں سارے بزرگان اپنی پہلی بات پر تھے۔ لیکن اس شخص کے اعتراض پر اس اجلاس میں کوئی فیصلہ نہ کیا گیا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اسی رائے کو قبول کر لیا گیااور اس سلسلے میں کچھ بھی نہ لکھا گیااور خاموشی اختیار کی گئی۔

۲۔ زہر کھانے کی ممانعت

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ مرحوم شیرازی بزرگ (سید محمد حسن شیرازی کے فرزند) مرزا سید علی سے کہا گیا کہ تم اپنے بابا کے کچھ اقدامات کے سامنے کیوں رکاوٹ کھڑی کر دیتے ہو اور بابا کو اذیت کیوں دیتے ہو؟ توانہوں نے جواب دیا کہ میں دیکھ رہاہوتاہوں کہ زہر کا پیالہ ہے جو میرے باباکے سامنے رکھ دیا گیا ہے ایک دفعہ کہتاہوں اسے نہ پیو پھر دوبارہ کہتاہوں نہ پیو پھر تیسری بار میں وہ پیالہ آپ کے سامنے سے اٹھالیتاہوں۔

۳۔ میرزا نائینی پر تنقید

آقای بہجت نے فرمایا کہ شیخ حسین یزدی (قاضی القضاۃ) ایک مرتبہ نجف جاتے ہیں وہاں پر میرزا محمد حسین نائینی سے کہتے ہیں کہ آپ نے رضا شاہ کو سلطنت پر پہنچایاہےاور پھر اسے آزاد چھوڑ دیا ہے (یعنی وہ جو ظلم کر رہاہے اس پر آپ کوئی رد عمل نہیں دے رہے اور اس پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔)

۴۔ آخری عمر میں مرحوم نائینی کاافسوس کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ مرحوم نائینی نے آخری عمر میں مشروطیت کے معاملے میں جو دخالت دی تھی، اس پر افسردہ تھے اور افسوس کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ہم نے انگور کو

---

[1] وہ شخص آیت الہ الحاج آقا روح اللہ کمالوند تھے۔

اُبالا کہ وہ سرکہ ہو جائے لیکن وہ شراب بن گئی[یعنی ہم نے تو خیر کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ خیر شر میں تبدیل ہو گئی]

۵۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سلام کا جواب سننا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: میرے رشتہ داروں میں سے ایک آدمی مشہد شمالی کے ایک تاجر کے بارے نقل کرتے ہیں (جو آقای حسین قمی کے قریبیوں سے تھا) کہ وہ (حسین قمی) ایک ایسے کمرے میں تھا کہ جس کی کھڑکی امام رضا علیہ السلام کے روضے کی طرف کھلتی تھی۔اس کھڑکی کو کھولتے تھے تو امام رضا علیہ السلام کا گنبد نظر آتا تھا اور میں اس وقت جوان تھا۔ میں وہاں پر ان کے قریب بیٹھا تھا انہوں نے کھڑکی کھولی اور حضرتؑ کی خدمت میں سلام عرض کیا میں نے انکے سلام کے جواب کو سنا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کا جواب سنا ہے تو انہوں نے میری بات سن کر یہ نہیں کہا کہ میں ہمیشہ یہ جواب سنتا ہوں بلکہ میری بات پر کہا ہے کہ وہ مہربان ہیں تمام سلام کرنے والوں کا جواب دیتے ہیں لیکن کچھ آپ جیسے ہیں جن میں امامؑ کے جواب سننے کی صلاحیت ہے اور وہ ان کے سلام کے جواب کو سن لیتے ہیں۔

۶۔مذہب وہابیت

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: وہابی نہ شیعہ نہ سنی سے سروکار رکھتے ہیں بلکہ وہابی مذہب ایک سیاسی سلسلہ ہے جس کا سنی شیعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

۷۔حج سے فائدہ اٹھانا

میں نے سوال کیا کہ حج کے نورانی مناسک سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے؟ تو جواب میں فرمایا کہ ایسے کام کرو کہ دل اور زبان ایک ہو یعنی دونوں ہم آہنگ ہوں۔

۸۔بیماری میں شکر بجالانا

آیت اللہ بہجت اس ملاقات سے پہلے معدے کی بیماری میں مبتلا تھے۔انہیں کافی تکلیف ہوتی تھی لیکن خدا کا شکر بجالاتے تھے اور فرماتے تھے ”بیماریوں کی حالت میں ہماری توجہ اس پر تو

ہوتی ہے کہ کہاں کہاں درد ہو رہا ہے لیکن اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ کتنی جگہیں ہیں جہاں پر درد نہیں ہو رہا"

یاداشت 15

(25رجب 1419ھ)

۱۔حج میں بہترین عمل

اس ملاقات میں آیت اللہ بہجت نے پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ مجھ سے فرمایا کہ سفر حج اور حجاج کی سرپرستی کی جو ذمہ داری آپ پر ہے اس میں جتنا ممکن ہو کوشش کرو کہ ان لوگوں کی تلاش کرو جو مکتب اہل بیتؑ سے آگاہ نہیں ہیں تاکہ ان کو آگاہ کر سکو۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس سفر میں کونسی چیز اہم ترین ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضایت کا حصول۔فرمایا: جی ہاں! یہ ٹھیک ہے لیکن کونسے عمل کی اہمیت زیادہ ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ دوسروں کو ہدایت دینا سب سے زیادہ اہمیت والا عمل ہے۔ اگر اس کام پر پیسے بھی خرچ ہوں تو خرچ کرو اور غیر سرکاری وسائل سے ان اخراجات کو پورا کرو۔

۲۔مرزا شیرازی کا سہم امامؑ سے استفادہ نہ کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ "مرزا شیرازی سہم امامؑ لیتے تھے لیکن خود اپنے لئے اس سے خرچ نہیں کرتے تھے"

۳۔مرزا شیرازی کا اپنا تعارف کرائے بغیر دوسروں کی مدد کرنا

آقای بہجت نے فرمایا کہ مرزا شیرازی کو پیغام دیا گیا کہ تم مرجع تقلید ہو گئے ہو اور تم نے اپنی مراد کو پالیا ہے اب ہمارے مسائل و مشکلات سے تمہارا کوئی سروکار نہیں رہے گا[کوئی غریب بے سہارا شخص تھا جس نے یہ جملہ طنزیہ طور ان سے کہا تھا] تو آپ نے اس کو جواب دیا کہ چار تومان

میں نے ہی آپ کیلئے بھیجے بغیر اس کے کہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ میں نے بھیجے تھے[یہ اطلاع اس لئے دی تاکہ اسکی غلط فہمی دور ہو]

یاداشت 16

(20 رمضان 1419)

ا۔ رضا شاہ کے خلاف قیام کیلئے آیت اللہ بروجردی کو خط

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: ابوالحسن اصفہانی نے آقای حاج حسین بروجردی اور شیخ احمد شاہرودی کو خط لکھا کہ ایران میں آپ دونوں کا اثر ونفوذ ہے میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم ایران واپس جاؤ اور ایرانی عوام کو رضا شاہ کے خلاف اٹھاؤ۔ اس میں ہم بھی تمہاری مدد کریں گے وگرنہ میں نجف کے مقدس علما کو تمہارے خلاف بھڑکاؤں گا۔ آقای بروجردی نے جواب میں فرمایا میں نے آیت اللہ اصفہانی کو جواب لکھا کہ اس اقدام میں مشکلات حائل ہیں جس وجہ سے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ آقای بروجردی نے فرمایا میں نے جو تحریر آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی کو بھیجی تھی وہ تحریر میرے پاس موجود تھی مگر جس وقت ہم عراق سے ایران واپس آئے تو یہ خط رضا شاہ کے ہاتھ لگ گیا یہی خط سبب بنا کہ رضا شاہ نے ہمیں نہیں چھیڑا۔[1]

[1] **ضروری وضاحت**

مرزا محمد حسین نائینی قم میں 1342 ہجری (1302 ہجری شمسی) میں تشریف لائے۔ بہت سارے علماء کو عراق بدر کرکے ایران بھیج دیا گیا تھا۔ ان علماء میں ابوالحسن اصفہانی، مرزا نائینی، شیخ مہدی خالصی وغیرہ شامل تھے۔ یہ 1340ھ (1922ء) کا واقعہ ہے کہ عراق پر انگریز قابض ہوگیا تھا اور انہوں نے جو فیصل ہاشمی کی کٹھ پتلی حکومت بنائی تھی اس میں شرکت کو ان علماء نے حرام قرار دیا تھا اور شعبان 1341ھ بمطابق اپریل 1923ء انگریز چاہتا تھا کہ عراق کے قبائل اور جوانوں کو عثمانی ترکوں کے خلاف جنگ کیلئے بھیجا جائے۔ علماء نجف نے انگریز قابضین کی جانب سے عراق میں جو انتخابات کروائے گئے اس میں بھی شرکت کو حرام قرار دیا۔ انگریزوں نے اپنی مرضی سے فیصل اول ہاشمی کو عراق کا شاہ بنایا تھا۔ دوسری طرف جب انگریز نے شیعہ جوانوں کو عثمانی ترکوں کے خلاف جنگ کیلئے لے جانا چاہا تو علماء نجف نے اس جنگ میں شرکت کو حرام قرار دیا۔ اس طرح شیعہ علماء سامنے آگئے۔ اسی سال ماہ ذیقعدہ میں فیصل بادشاہِ عراق نے دجلہ اور فرات سے تجارتی مقاصد کیلئے استفادہ کرنے کا انگریزوں کو اجازت نامہ دے دیا۔ شیعہ علماء و مراجع تقلید نے اس اقدام کی بھی سخت مخالفت کی۔ یہاں یہ وضاحت بھی ہو جائے کہ مرزا محمد تقی شیرازی کی وفات 1339ھ ق کے بعد ہوئی ہے لہٰذا ابھی تک مراجع کے درمیان مرجع عام اور رئیس مطلق کسی کو مشخص نہیں کیا گیا تھا اس لیے نجف کے جتنے بڑے علماء و مجتہدین تھے ان سب نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ فیصل سے بات کریں۔ وہ نجف سے کربلا گئے تاکہ وہاں کے علماء کو ساتھ لے کر بغداد جائیں لیکن کربلا میں

۲۔ مرحوم ملکی تبریزی کا مرزا نائینی پر اعتراض

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ ”امام خمینیؒ نے ایک بار بیان کیا کہ مرزا نائینی قم میں الحاج میرزا جواد ملکی تبریزی کے پاس گئے ان سے ملاقات میں مرحوم ملکی نے مرزا نائینی پر سخت اعتراض کیا ان خونی حادثات کے حوالے سے جو تبریز میں ہوئے اور ستار خان کا جو واقعہ ہوا اور انکی

10 ذیعقدہ 1341 ہجری قمری (3 تیر ماہ 1302 ہجری شمسی اور 24 جون 1923ء) کو فیصل کے حکم سے ان سب علماء و مجتہدین کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر انہیں حجاز اور ایران کی جانب بدر کر دیا گیا کچھ علماء کو حجاز کی سرزمین پر بھیجا گیا اور کچھ کو ایران بھیج دیا گیا۔

ایران کے علماء

ایران کی عوام اور علماء نے عراق سے آنے والے علماء و مجتہدین کا قصر شیریں، کرمانشاۃ، ملائیر، ہمدان، اراک، قم میں بہت بڑا استقبال کیا اور انہیں بہت زیادہ عزت دی۔ ان مجتہدین میں مرزا محمد حسین نائینی، سید ابوالحسن اصفہانی، محمد حسین غروی اصفہانی، سید عبدالحسین حجت کربلائی، مرزا علی، سید ہبۃ الدین شہرستانی، مرزا احمد کفائی، شیخ جواد بلاغی، مرزا سید مہدی، مرزا سید علی شیرازی اور دوسرے علماء جن کی تعداد اسی بنتی تھی شامل تھے [یہ سب بڑے بڑے مجتہدین تھے اور بعض علماء بعد میں مرجع تقلید بھی بنے۔ ان علماء کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے انگریز کی مخالفت کی۔ انگریز کی طرف سے مسلط کردہ کٹھ پتلی شاہی حکومت کی بھی مخالفت کی اور عثمانیوں کے خلاف جنگ میں شرکت کو حرام قرار دیا] انہیں کرمان شاہ میں ایک ماہ ٹھہرنا پڑا اس کی وجہ ایران میں وزیر اعظم کی تبدیلی تھی کہ مرزا حسن مشیر الدولۃ پیرنیا کی جگہ رضاخان سردار سپاہ کو وزیر اعظم بنا دیا گیا [یہ رضا شاہ کا باپ تھا بعد میں اسے انگریز نے ایران کا بادشاہ بنا دیا] شہر قم کو ان علماء نے اپنے لئے انتخاب کیا تو (4 محرم 1342ھ ق بمطابق 25 مرداد 1302 ہجری شمسی) کو قم میں داخل ہوئے تو آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری اور قم کے دیگر بزرگ علماء کے علاوہ شاہ قاچار (احمد شاہ قاچار) اور سرکاری عہدیداران جن میں رضاخان بھی موجود تھا، نے ان علماء کا استقبال کیا [جسے انگریز نے قاچار کی بادشاہت میں وزیر اعظم بنوایا اور بعد میں قاچاریوں کی بادشاہت ختم کر کے رضاخان کو بادشاہ بنا دیا] حکومتِ ایران نے ان علماء کو جنہیں حجاز بدر کیا گیا تھا، جن میں شیخ مہدی خالصی، سید محمد صدر اور ان کے ہمراہ دوسرے علماء موجود تھے، ایران مدعو کیا اور انہیں کشتی کے ذریعے بوشہر کے راستے ایران لایا گیا۔ پھر آیت اللہ غروی اصفہانی کو ایک خط دے کر بغداد روانہ کیا گیا جس میں شاہ فیصل ہاشمی کیلئے دوستی کا پیغام تھا اور ان علماء کی عراق بدری کے خاتمہ کی بابت تحریر تھی۔ فیصل نے ایران کے مصالحانہ رویہ کو قبول کیا اور اواخر شعبان 1342 ہجری قمری بمطابق اوائل فروردین 1303 ہجری شمسی، آقای شیخ مہدی کنائی (اخوند خراسانی کے بڑے بیٹے) شیخ جواد جواہری (صاحبِ جواہر کے پوتے) جو اس وقت نجف کے بڑوں سے تھے' کو آیت اللہ غروی اصفہانی کے ہمراہ علماء کی دلجوئی کیلئے قم بھیجا تا کہ وہ عراق سے نکالے گئے علماء کو واپس نجف لے آئیں۔

البتہ حکومت عراق کی طرف سے یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ علماء جو نجف بدر ہوئے تھے واپس آسکتے ہیں بشرطیکہ وہ عراق کے سیاسی مسائل میں دخل نہیں دیں گے۔ 18 رمضان 1342 بمطابق ۲۲ اپریل 1924ء کو علماء قم سے نجف واپس آگئے۔ حکومت نے انگریزوں کو جو امتیازی حق دیا تھا وہ ان سے واپس لے لیا گیا اس طرح علماء کا ایک مطالبہ بھی مان لیا گیا۔ 8 ماہ تک یہ علماء قم میں رہے، قم کے جو بڑے بڑے علماء و مدرسین تھے انہوں نے ان علماء کے احترام میں اپنا اپنا درس دینا چھوڑ دیا تھا اور اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ وہ ان علماء کے درسوں میں جائیں۔ نجف سے قم کی طرف علماء کا آنا حوزہ علمیہ قم کی تقویت اور شیخ عبدالکریم حائری کی مرکزیت اور ریاست کو مستحکم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ ایران کے علماء کو اس سے بہت زیادہ تقویت ملی [حوالہ: تاریخ نائین۔ بلاغی ج3 ص102۔ گنجینہ آثار قم فیض ج1 ص350 ص106۔ ضد الاستبداد، السیف ص106]

کتاب ''تنبیہ الامۃ'' کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور فرمایا کہ تم نے اس میں یہ کیا لکھا ہے؟ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے؟ اس کی وجہ سے تبریز پر کتنی بڑی مصیبت آن پڑی؟[1]

یاداشت 17

(25 محرم 1420)

ا۔ سید عبدالغفار مازندرانی کی موت کا واقعہ[2]

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ سید عبدالغفار مازندرانی نجف کے علماء میں سے تھے۔ ایک آدمی ان کی سیادت میں شک کرتا تھا۔ للذا جب سادات سے مربوط اموال ان کے حوالے کئے جاتے تھے تو وہ شخص کہتا تھا کہ کہاں سے معلوم کہ وہ سید ہیں؟ سید عبدالغفار کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو گویا آسمان میرے سر پر آگرا ہو۔ اس لئے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں کربلا چلا گیا۔ میں نے مولاؑ سے عرض کیا کہ آپ سے میری تین حاجتیں ہیں۔

پہلی حاجت رہائش کیلئے مکان، دوسری حاجت میرا سید ہونا، تیسری حاجت جو میں نے بتائی (وہ اس بات کے آخر میں معلوم ہو جائیگی۔)

---

[1] نائینی کی اس کتاب کی وجہ سے قاچاری بادشاہت کا خاتمہ ہوا۔ ایران میں آئین پاس ہوا جمہوریت لائی گئی۔ اسمبلیاں بنیں اور بادشاہت کے اختیارات محدود کر دیئے گئے لیکن اس حوالے سے بہت زیادہ قتل و غارتگری ہوئی اور بعد میں پہلوی بادشاہت آگئی جو قاچاریوں سے بہت ہی ظالم اور بری ثابت ہوئی اور اسلام کو بہت نقصان ہوا۔ آقا جواد ملکی اس تناظر میں آقای نائینی پر برہم ہوتے ہیں]
معنوی و روحانی رہبریت آیت اللہ میرزا علی ثقۃ الاسلام تبریزی کے زیر فرمان قزاقوں اور محمد علی شاہ کے حامیوں کے درمیان لڑائی ہوئی، 11 ماہ شہر کا محاصرہ کیا گیا (1326ھ ق سے ربیع الثانی 1327ھ ق تک) اور ثقۃ الاسلام، 1330ھ ق کو روسی فاتحین کی طرف سے پھانسی پر لٹکایا گیا اور ستار خان تہران میں 1332ھ ق مجروح ہوتا ہے اور اسے تنہائی میں ڈال دیا جاتا ہے اور وہ وہیں پر وفات پاتے ہیں۔ اس واقعہ میں دس پندرہ سال پہلے کے جو واقعات تھے اس حوالے سے جواد ملکی نے اعتراض کیا کیونکہ نائینی مشروطہ کے حامی تھے۔

[2] اس بات کو 1381-8-9ء میں بھی آقای بہجت سے سنا تھا جو کچھ اس جگہ بیان کیا جا رہا ہے وہ ان دو ملاقاتوں کا ماحصل ہے۔ 1381-8-9 کو اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد ضمناً مرحوم شیخ محمد حسن اصفہانی کی وفات کے واقعہ کو بھی نقل کیا کہ جو اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے اور وہ یاداشت 29 بند 2 میں آیا ہے

''پس امام حسین علیہ السلام کو میں نے عالمِ خواب میں دیکھا۔ آپؑ نے فرمایا کہ تیسری حاجت ہم نے پوری کر دی ہے اور دنیا میں گھر کا معاملہ رہنے دو کہ آخرت میں تمہارا گھر بہشت ہے۔ باقی رہ گیا سیادت کا مسئلہ، تو تم سید ہو، میں سیاہ عمامہ تیرے سر پر رکھتا ہوں۔''

سید عبدالغفار مازندرانی نے اپنی وفات کی رات ایک جس کی آواز بہت اچھی تھی، اُس سے کہا کہ وہ ان کیلئے قرآن پڑھے۔ پھر وہ اٹھ کر سونے کیلئے چلے گئے ان کی عادت یہ تھی کہ صبح اذان سے دو گھنٹے پہلے بیدار ہوتے تھے۔ لیکن اس رات وہ بیدار نہ ہوئے۔ جب آکر دیکھا گیا تو وہ دنیا سے جا چکے تھے تو اسی وقت جب ان کی وفات ہوتی ہے اس بارے میں ان کی بیٹی جو تہران میں موجود تھی بغیر اسکے کہ نجف سے اسکے والد کی موت بارے اطلاع پہنچتی، وہ اپنے والد کو دیکھتی ہے کہ وہ سید الشہداء علیہ السلام کے ہمراہ ایک باغ میں کھڑے ہیں اور ان سے پوچھ رہے ہیں کہ "ھل انا میت" (کیا میں مر چکا ہوں) ، تو امامؑ فرماتے ہیں کہ "ھذا حسن" اگر ایسا مر و تو اچھا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! پھر امامؑ نے فرمایا: نَعَمْ اَنْتَ مَیِّت! ہاں تم مر چکے ہو۔

پھر سید عبدالغفار نے اسی خواب میں اپنی بیٹی سے کہا اپنے بھائی کو لکھو کہ میری تیسری حاجت یہ تھی کہ مرنے کے بعد مجھے وحشت نہ ہو۔ امام حسین علیہ السلام سے میں نے اسی قسم کا مرنا چاہا تھا کہ مجھے پتہ نہ چلے اور میں مر جاؤں۔ حضرتؑ نے میری یہ بات قبول کر لی تھی اس لئے میری موت اس صورت میں واقع ہوئی کہ میں نے از خود یہ طے کر لیا کہ میں مر چکا ہوں (گویا اختیاری موت اس نے پائی)

۲۔آیت اللہ سید قاضی کی تقلید

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ہندوستان سے ایک شخص آیا جو حیران تھا کہ کس مجتہد کی تقلید کرے؟ وہ مسجد کوفہ میں گیا اور توسل کیا، وہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ میں عالم خواب میں تھا یا بیداری میں، امام زمان (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی خدمت میں مشرف ہوا، ان سے اپنا مسئلہ پوچھا تو میں نے کسی کو حضرتؑ کی خدمت میں موجود پایا۔ حضرتؑ نے اشارہ کیا کہ اس کی تقلید کرو۔ جبکہ مجھے نہ تو اس عالم کا نام معلوم تھا نہ ہی پتہ۔ یہاں تک کہ اتفاقاً آیت اللہ

سید قاضیؒ سے ان کا ایک دن راستے میں ٹکراہو جاتا ہے۔ جیسے ہی دونوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے تو آقای قاضی نے اسے کہا اگر تمہارا کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے پوچھ لو۔ وہ شخص متوجہ ہوتا ہے کہ یہ وہ وہی ہیں جن کو اس نے امام زمان (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے پاس دیکھا تھا۔ اس ماجرے کو چند دن گزر گئے تو ایک خط ہندوستان سے آیا جس میں مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک غیر مسلم جوان ہے جو مسلمان عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کیا وہ جوان ایسا کرسکتا ہے کہ کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں۔ کیا اسکا یہی بیان قبول کرلیں اور اسے مسلمان سمجھیں؟ متنِ استفتاء مرحوم قاضی کو دیا گیا۔

اگلے دن آقائے قاضی نے جواب میں لکھا کہ ہندوستان میں فلاں نام کا سرکاری مجلّہ ہے۔ اگر وہ جوان اسی ماہنامہ میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردے تو پھر وہ عورت اس سے شادی کرسکتی ہے۔ حالانکہ خود آقای قاضی اس مجلے کے بارے بظاہر نہیں جانتے تھے اور اس مجلے کو نہیں پڑھتے تھے وہ مجلّہ تو ہندوستان میں چھپتا تھا لیکن وہ جوان آمادہ نہ ہوا کہ اپنے اسلام کا اس مجلے میں اعلان کرے۔

۳۔ شمشیر زنی کے ماتم کی مخالفت

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ سید ابوالحسن اصفہانی قمہ زنی (تلوار کو سر پر ماتم کیلئے مارنا) کے مخالف تھے۔ سید صالح حلیؒ سید ابوالحسن کے خلاف منبر پر جاکر تقریر کرتے تھے لیکن آخری عمر میں انہوں نے جو کچھ سید ابوالحسن کے بارے کہا تھا اس بارے توبہ کرلی۔

۴۔ آغا جمال گل پائیگانی کا سید احمد کی تیمارداری کرنا

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ سید جمال الدین گلپیگانی سید احمد کربلائی کو ان کے آخری ایام میں، جب وہ بیمار تھے، اپنے کندھے پر اٹھاتے اور رات کو انہیں چھت پر لے جاتے اور پھر صبح کو انہیں زیرزمین لے جاتے تاکہ انہیں گرمی کی تکلیف نہ ہو اور اس طرح وہ ان کی خدمت میں رہے انکی تیمارداری کرتے رہے۔

یاداشت 18

(5رجب 1420)

اس ملاقات میں آیت اللہ بہجت "یا ستار" کہتے ہوئے کمرے میں تشریف لے آئے اور مختلف مسائل بیان کیے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

ا۔حج کے دوران جگہ جگہ حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو یاد رکھو

فرمایا: حج کے دوران مختلف جگھوں پر جہاں بھی جاؤ حضرت بقیۃ اللہؑ کو یاد کرو بلکہ ان کے دیدار کی آرزو کروا گرچہ اس دیدار میں بات کرنا نصیب نہ ہو، فقط ان کے دیدار کی ہی بڑی برکات ہیں۔

۲۔ مرزا ہادی خراسانی کو خواب میں پیغمبر اکرم ﷺ کی وصیتیں

مرزا ہادی خراسانی جو علمی حوالے سے مرجعیت کے مقام کو پہنچے ہوئے تھے لیکن انہوں نے نہ تو رسالہ عملیہ (توضیح المسائل) لکھا اور نہ ہی مرجعیت کو قبول کیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ عالم خواب میں انہیں ملتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم مرجعیت کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مرجعیت قبول نہیں کرتے تو خطابت کرو مگر تین شرائط پر:

ا۔ وعدہ خلافی نہ کرو (اگر کہو فلاں وقت پر آؤں گا تو اس طے شدہ وقت پر پہنچ جاؤ)

۲۔ جو کچھ تجھے دیں لے لو (یہ نہ کہو کہ اتنا دیں)

۳۔ اگر مجلس کے دوران لوگوں کو چائے دی جائے تو اس سے تم ناراض نہ ہو اور انہیں روکو نہیں۔

۳۔ اپنی وفات کے وقت آیت اللہ فشارکی، کی مرزا نائینی سے درخواست

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ مرزا نائینی سید محمد فشارکی کے شاگرد تھے۔ مرحوم سید فشارکی نے وفات کے وقت آقای نائینی سے کہا کہ مجھے دو چیزوں کے متعلق پریشانی لاحق ہے۔

۱۔ اولاد کی سرپرستی کے متعلق

۲۔ فلاں قصائی جس کا میں مقروض ہوں، کے متعلق

میرزا نائینی نے دونوں باتیں قبول کرلیں اور جب سید فشارکی کے مرنے کے بعد آقائے نائینی قصاب کے پاس گئے تو اس قصاب نے کہا کہ "جس وقت انکے جنازے کو گھر سے اٹھا کر لے جارہے تھے تو میں نے اسی وقت انہیں وہ قرض معاف کردیا تھا۔"

۴۔ عالم رؤیا میں آیت اللہ حائری سے آیت اللہ فشارکی، کی درخواست

آقای بہجت نے فرمایا: شیخ عبدالکریم حائری نے اپنے استاد سید فشارکی کو خواب میں دیکھا تو سید محمد فشارکی نے ان سے خواب میں یہ کہا تمہاری نجات تزکیہ نفس میں ہے اور یہ کہ میرے گھروالوں کے مسائل حل کرو۔

یاداشت 19

(صفر14)

ا۔امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی اجازت سے سہم امامؑ کا مصرف

آقائے بہجت نے فرمایا: سید ابوالحسن اصفہانی کے پاس امام زمانہ (عج) کی تحریر موجود تھی جس میں انہیں سہم امامؑ کے مصرف کی اجازت دی گئی تھی۔

ابوالحسن اصفہانی کے بارے مشہور ہے کہ انکا حضرت امام زمانہ (عج) سے خصوصی رابطہ تھا اور آپؑ کی تحریر بھی ان کے پاس موجود تھی بلکہ امامؑ کے حکم سے ہی آپ نے مرجعیت کو قبول کیا تھا اور فتویٰ دینا شروع کیا۔ (مترجم)

۲۔ مجلس شوریٰ ملی سے علماء کو الگ کرنے کی پیشگوئی

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ مشروطیت کے زمانہ میں آغا سید محمد کاظم یزدی کے شاگردوں میں سے ایک نے پیش گوئی کی تھی کہ اس مجلس سے علماء کو باہر کر دیا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

۳۔ تین علماء سے رضا خان کا اپنی حمایت کا تقاضا کرنا

آقای بہجت نے فرمایا: رضا شاہ خان نے سید زین العابدین مقیمی (قومی) سے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ تین آدمی میرا ساتھ دیں:

ا۔ سید محمد بہبہانی

۲۔ سید حسن مدرس [شرط یہ ہے کہ شور شرابے سے باز رہیں]

۳۔ تیسرے خود تم ہو (شرط یہ ہے کہ عمامہ اپنے سر سے ہٹا دو)

سید زین العابدین اس لئے کہ وہ عمامہ نہ اتاریں، عتبات عالیات (نجف و کربلا) چلے گئے۔ سترہ مہینے وہاں پر رہے اور سید ابوالحسن اصفہانی سے اجتہاد کی سند حاصل کی اور واپس ایران آگئے اور اس طرح انہوں نے عمامہ کو سرپر ہی رکھا۔[1]

۴۔ سید اسد اللہ خرقانی کو فومن بدر کرنا

سید زین العابدین مقیمی (فومنی) نے بیان کیا کہ میں رضا شاہ کے پاس موجود تھا علماء میں سے ایک جن کا نام سید اسد اللہ خرقانی تھا، کو رضا شاہ کے پاس لے کر آئے جبکہ اس کے ہاتھ میں سگریٹ تھا، رضا شاہ نے اس سے کہا فضول آدمی سگریٹ پھینک دو۔ اس نے جواب میں کہا میری ایک درخواست ہے، رضا شاہ آگے بڑھا اور اسے ایک تھپڑ مارا تو وہ زمین پر گر پڑا۔ سید اسد اللہ کے منہ سے نکلا "یازہراءؑ" اور رضا شاہ کو مخاطب کرکے کہا "تو ازلی و ابدی ملعون ہے"[2]

یہ سن کر رضا شاہ بہت غصے میں آگیا اور اس کو زور زور سے مارنے لگا۔ میں اس عالم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اسے مزید مار کھانے سے بچالیا۔ رضا شاہ نے حکم دیا کہ اس کو جیل میں ڈال دو۔ میں نے رضا شاہ سے پوچھا کہ اس کے ساتھ تم نے ایسا رویہ کیوں اپنایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں جو بھی کرتا ہوں یہ میرے خلاف بولنے سے نہیں رکتا یہ ہر وقت میرے خلاف ہی رہا ہے۔ اتفاقاً اس کے اتنے زیادہ چاہنے والے بھی نہیں ہیں اور اسکے جو چاہنے والے ہیں وہ سبزی فروش اور اس قسم کے مزدور لوگ ہیں۔ بہتر ہے کہ "آپ اس کو اپنے ساتھ فومن لے جاؤ"۔ اس طرح اس عالم کو فومن بدر کردیا گیا۔ آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ میں خود ان کے پاس گیا تھا وہ بہت ہی نورانی سید تھے۔[3]

---

[1] رضا خان کے زمانے میں یہ دستور پاس ہوا تھا کہ تمام ایرانیوں کا لباس ایک جیسا قرار جائے اور وہ علماء کے لباس کا سخت مخالف تھا اور فقط ان علماء کو علماء کا لباس پہننے کی اجازت تھی جو مراجع تقلید ہوں یا ایسا مدرس ہو جو معقول اور منقول پڑھاتا ہو اس نے مراجع سے اجتہاد کی سند لے رکھی ہو۔

[2] خود آیت اللہ بہجت بھی رضا شاہ اور عمرو بن عاص کو لعین ازل و ابد کہتے تھے اس قسم کے جو اور افراد ہیں ان کیلئے بھی یہی کہتے تھے۔

[3] اس کے متعلق مزید معلوم کیلئے دیکھیں جریان ھا و سازمان ہای مذہبی۔ سیاسی ایران۔

۵۔ سرکاری عہدیداروں کے سامنے سے زہر کے پیالے کو اٹھالینا

فرماتے ہیں کہ جس وقت تم یہ دیکھو کہ تمہارے سربراہ کے سامنے زہر رکھی ہے تم اسے زہر مت پینے دو۔ کسی سرکاری افسر کے سامنے گوشت رکھا گیا تو اچانک کوا آیا اور اس نے اس میں کثافت کردی بعد میں معلوم ہوا کہ اس کھانے میں سانپ موجود تھا۔

۶۔ انبیاءؑ اور اوصیا سے رابطہ قطع کرنے کی صورت میں شکست کا سامنا

اگر ہمارا تعلق اور رابطہ انبیاءؑ و اوصیا سے کٹ جائے تو ہماری شکست یقینی ہے اگرچہ لوگ اس بات کو نہ بھی جانتے ہوں۔

۷۔ دنیا کی لالچ کا خطرہ

فرمایا آقای ملا محمد فاضل شربیانی آقای محمد حسن مامقانی کے علمی لحاظ سے ہم پلہ تھے اور مراجع تقلید میں سے تھے اور بہت ہی سخی تھے لیکن ایک دن وہ سخت سردی کے ایام میں حضرت امیرؑ کے حرم سے باہر آئے ایک بوڑھے آدمی نے اس سے کچھ مانگا لیکن اس نے اسے کچھ نہ دیا اور وہ بوڑھا اس کے گھر تک انکے پیچھے پیچھے آیا اور جب انکے دروازے کی چوکھٹ پر پہنچا تو اس بوڑھے نے کہا کہ مجھے ایک لقمہ روٹی دے دو۔ اگر نہیں دوگے تو میں مر جاؤں گا اس کے باوجود انہوں نے اسے کچھ نہ دیا ان کے گھر والوں نے بھی اسکی کوئی مدد نہ کی۔ وہ بوڑھا مسلسل آوازیں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا بہت سردی ہے میں بھوکا ہوں، مر جاؤں گا۔ جس وقت آقای شربیانی نماز شب کیلئے اٹھے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ بوڑھا دروازے کے پیچھے مرا پڑا ہے۔

آغا نے انکے کفن دفن کا حکم دیا لیکن جب اس بوڑھے کی گودڑی کو کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ اس میں سات سویلرے موجود تھے جو اس نے اپنے لئے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ایک لقمہ روٹی مانگ رہا تھا اور بھوکا مر گیا لیکن جمع شدہ مال سے اپنے اوپر خرچ نہ کیا۔

آیت اللہ بہجت نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ہماری داستان بھی اس بوڑھے کی سی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اس پر قناعت کیوں نہیں کرتے ہیں۔

۸۔ انگریز کی نوکری

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ماضی کی حکومت کے کارندے کا بیٹا بیان کرتا ہے کہ اللہ کی قسم ! انگریز ہم مسلمانوں کیلئے بہترین ہیں۔ اللہ کی قسم انگریز ہم مسلمانوں کیلئے بہترین ہیں ۔ ان کا خیال یہ تھا کہ انگریز کی نوکری دوسروں کی نوکری سے بہتر ہے۔

۹۔ شہید مدرس کا عالم برزخ میں تقاضا

آقای بہجت نے فرمایا کہ ایک دفعہ بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک آدمی بیٹھا ہے۔ میں نے غور کیا تو وہ سید حسن مدرس تھے اسی عمامے کے ساتھ اور اسی حثییت و شکل میں جو تصویروں میں مَیں نے دیکھا تھا میں نے اپنے طور پر اندازہ لگایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ انکے دفن کی جگہ تبدیل کی جائے وہی کام کیا جائے جو طبرسیؒ کی قبر کو منتقل کرنے میں کیا گیا تھا۔ لہٰذا میں نے آغا خامنہ ای کو پیغام دیا کہ ایسا کیا جائے لیکن معلوم نہیں کہ اس بارے کچھ کیا گیا یا نہیں۔

۱۰۔ رضاخان کی حکومت کو قبول کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ سید حسن مدرس نے رضا شاہ کی حکومت کو پہلے قبول کیا تھا اور وہ اجلاس[1] جس میں سید محمد بھبھانی ، سید ابوالقاسم کاشانی ، سید محمود امام جمعہ (زنجانی) موجود

---

[1] یہ بیان مرحوم آیت اللہ محمد علی شاہ آبادی سے جو نقل ہوا ہے اس سے شباہت نہیں رکھتا۔ یہ ملاقات احتمالاً آذر 1304 سے مربوط ہے اور قاچاری حکومت کے خاتمے کا فیصلہ ہوا اسکا فیصلہ اس وقت کی پارلیمنٹ (شوریٰ) نے کیا انگریزوں نے نیا شاہ لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جو بات طے ہے کہ شہید مدرس رضا خان کو اقتدار میں لانا چاہتے تھے ،اس کے پاس سپاہ کی سرداری تھی اور وزیر اعظم کا عنوان تھا اس میں ان کا بڑا رول تھا۔ البتہ ان کا اس حمایت سے مقصد یہ تھا کہ اس کے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کا استقلال اور امنیت کو حاصل کر پائیں اور ایران کے حالات درست ہوں لیکن پارلیمنٹ کے پانچویں اجلاس میں زیادہ مطالبات شامل تھے اس میں ایک ایسی بات آئی جو انگریز کے نقطہ نظر کے قریب تھی کہ جمہوریت کا اعلان ہو اور قاچاریہ کی بادشاہت ختم ہو۔ تو اس وقت انہوں نے اس بات کی مخالفت کی۔ 17 مرداد 1330 اپنے ہم فکر نمائندوں کے ہمراہ تھے اس وقت کے وزیر اعظم سے وضاحت بھی طلب کی۔

تمام سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ مرحوم مدرس عملیت پسند سیاست مدار تھے اور مصلحت اندیش تھے۔ اسی بنیاد پر 26 بھمن 1303 ھ ش رضا خان کو پوری فوج کا کمانڈر بنانے کی مخالفت میں ووٹ دیا اور آبان 1304 ھ ش جب قاچاریہ کا اقتدار ختم ہوا تو انہوں نے اس وقت قانون اساسی کے حوالے سے خبردار کیا کہ اسکی مخالفت کی جارہی ہے اور کہا کہ آئین کے مطابق عمل ہو اور پارلیمنٹ کا بائیکاٹ کیا۔ بہرحال یہ اس وقت کے حالات تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس اجلاس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں آیت اللہ بہجت بھی دوسرے علماء کے ہمراہ رضاخان کے حق میں رائے دینے

تھے اس میں یہ بحث ہوئی تھی کہ رضا شاہ کی حکومت کو قبول کرلیں تو آقای بہبہانی نے فرمایا تھا کہ فیصلہ وہ (انگریز) کرچکے ہیں۔ یہ باتیں خالی تشریفات ہیں یعنی فضول اور رسمی ہیں ورنہ انگریز فیصلہ خود ہی کرچکے ہیں۔ سید محمود نے بتایا کہ میں نے اس تحریر پر دستخط نہیں کئے لیکن باقی علماء نے دستخط کردیئے تھے چند دن میں سوچتا رہا کہ رضا خان میرے ساتھ کیا کرتا ہے؟

چند روز بعد میں نے اخبار میں دیکھا کہ اس نے ان علما کو حجۃ الاسلام کے عنوان سے یاد کیا ہے اور میرے نام کے ساتھ فقط مرزا محمود لکھا ہے میں خوش ہوا کہ اس نے میرے ساتھ اتنے برتاؤ پر ہی اکتفا کرلیا ہے۔

۱۱۔ تیرے والد نے علماء کے سر سے عمامہ ہٹایا۔۔۔!

آیت اللہ بہجت نے بتایا کہ آقازادہ (یعنی صاحب کفایہ کے بیٹے [1]) نے رضا شاہ سے کہا کہ ان علماء کے عمامے کو ان کے سروں سے مت ہٹاؤ تو اس نے جواب میں کہا تیرے والد نے (جب مشروطیت پر دستخط کئے تو اسی وقت انہوں نے) ان کے عماموں کو انکے سر سے ہٹادیا تھا۔آقازادہ سے کہا گیا کہ تم یہ لکھو عورتوں کیلئے چہرہ اور کفین (دونوں ہاتھوں) کو چھپانا واجب نہیں ہے۔

آقازادہ نے جواب میں کہا کہ میں ایسا نہیں لکھوں گا میرے گناہ بہت زیادہ ہیں میں یہ گناہ نہیں کروں گا[2]۔آخرکار رضا شاہ نے اس کو قتل کروادیا۔

۱۲۔ حضرت معصومہؑ کے گنبد کی طلاکاری (سونے کا کام)

آقای بہجت نے فرمایا کہ آقای مسعودی جو حضرت معصومہ علیہا السلام کے آستانہ کے متولی تھے مجھ سے ملنے آئے تو میں نے انہیں کہا کہ حضرت معصومہ علیہا السلام کے حرم کی طلاکاری

والوں میں سے تھے ان کا یہ فیصلہ اسلئے تھا کہ پارلیمنٹ کے خاتمہ اور قاچاریہ سلطنت کے ختم ہونے کے بعد آنے والے شاہ سے عوام کے حق میں کچھ امتیازات لے سکیں یا کم از کم ایسا ہوجائے کہ رضاخان سے بدتر کوئی نہ آجائے۔

[1] آقازادہ سے مراد مرزا محمد ہیں یہ ان کا لقب ہے۔

[2] گناہوں سے مراد ظاہراً رضاخان کی تاج گزاری کے مراسم میں شرکت کرنا ہے۔

کریں اور اگر وہ خود نہیں کر سکتے تو اس کیلئے رکاوٹ نہ بنیں بلکہ اس کیلئے ایک خصوصی دفتر بنائیں اور وہیں سے اس کام کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ [1]

۱۳۔ نماز میں حضور قلب حاصل کرنے کا طریقہ

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ وہ نماز میں حضور قلب حاصل کرے تو ایک لحہ کیلئے نماز میں جب (اللہ تعالیٰ کی طرف) متوجہ ہو تو اختیاراً دل کو اللہ کی یاد سے موڑ کر غیر اللہ کی طرف نہ لے جائے اس طریقے سے اسے ہمیشہ نماز میں حضور قلب حاصل ہو جائے گا اور جب تک اس طریقہ پر عمل نہ ہو اس کی برکات کو سمجھنا مشکل ہے۔

[1] آیت اللہ علی اکبر مسعودی نے یہ بات مجھے بتائی تھی قبل اسکے کہ آیت اللہ بہجت اس بارے میں مجھ سے کچھ کہتے کہ میں نے ایک دن ایک آدمی کے ہمراہ حضرت معصومہ علیہا السلام کے گنبد کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ اس میں دراڑ پڑی ہے اور اس دراڑ کو بھرا بھی نہیں جاسکتا میں نے اس آدمی سے پوچھا کیا اس کو ٹھیک کیا جاسکتا ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ چار ارب تومان اس کا خرچہ ہے اور اس پر چار سال لگیں گے تو میں نے کہا کہ نہ تو ہمارے پاس پیسے ہیں اور نہ ہی اتنی زندگی میرے پاس ہے کہ میری زندگی میں یہ ہو جائے۔

آقای مسعودی کہتے ہیں کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا ایک دن میں آیت اللہ بہجت کی خدمت میں پہنچا اور ان کی خدمت میں میں نے چھ وجوہات شرعیہ دیں جیسے ہی ہم انکے پاس بیٹھے بغیر اسکے کہ میں ان سے کچھ کہوں انہوں نے مجھ سے فرمایا: یہ گنبد خراب ہو چکا ہے اس میں دراڑ پڑ چکی ہے تم اسے کیوں ٹھیک نہیں کرتے؟ میں انکے اس بیان پر متعجب ہوا کہ میں نے تو گنبد کو قریب سے دیکھا ہوا ہے لیکن آغا بہجت کہاں سے جانتے ہیں؟ کچھ عرصہ بعد مجھ سے فرمایا کہ خدا پیسے پہنچا دے گا میں نے جواب میں کہا انشاء اللہ۔ انہوں نے مزید فرمایا خدا تمہیں عمر بھی دے گا کہ یہ کام اپنی زندگی میں مکمل کر لو میں نے کہا ٹھیک ہے۔ آیت اللہ بہجت نے اپنے بیٹے کو آواز دے کر فرمایا کہ علی آغا جاؤ اور پانچ لاکھ تومان اٹھالاؤ اور گنبد کیلئے دے دو میں نے عرض کیا کہ اس کیلئے تو چار ارب تومان کی ضرورت ہے دو سو چالیس کلو سونا چاہیے۔ تو آغا بہجت نے کہا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔ علی آغا رابطے میں تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ کام کیوں نہیں شروع کیا؟ اور بھی یہ فرمایا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے فرزند علی کے توسط سے دس ملین تومان بھجوائے۔ میں بہت پریشان تھا کہ میں کیا کروں لیکن میرے ذہن میں یہ بات آگئی کہ آقای بہجت یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں تو اسکا مطلب ہے کہ اس میں کچھ اور ہی راز ہے جبکہ دو مہینے گزر چکے تھے میرا ایک گھر تہران میں تھا جو ابھی مکمل نہیں ہوا تھا ایک آدمی پیدا ہو گیا اس نے میرے اس نامکمل مکان کو آٹھ سو ملین تومان میں خرید لیا، میں نے آقای خاتمی جو اس وقت صدر تھے ان سے کہا کہ میں حضرت سیدہ معصومہ علیہا السلام کے گنبد کیلئے سستی قیمت پر طلاء چاہتا ہوں، انہوں نے نور بخش جو اس وقت اسٹیٹ بینک کے مرکزی گورنر تھے کے حوالے یہ کام کیا انہوں نے ان ہی آٹھ سو ملین تومان سے دو سو چالیس کلو طلاء خرید کر کے دے دیا۔

یہ تو ایسی بات ہے کہ جس پر یقین نہیں آتا اور طلاء کاری اور نور سازی کا کام شروع کر دیا گیا اور مکمل بھی ہو گیا۔ آقای ری شہری فرماتے ہیں کہ آیت اللہ بہجت نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت شاہ عبد العظیم کا خوبصورت گنبد ہے اس کیلئے بھی طلاء کاری اور نور سازی کریں لیکن مالی بحران کی وجہ سے ابھی تک انکی وصیت پر عمل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایسے حالات بنادے کہ اس پر بھی عمل کیا جائے۔

۱۴۔ اللہ سے التجاء

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے التجاء کریں کہ اے اللہ تعالیٰ اختیاراً ہماری توجہ اپنے غیر کی طرف نہ جائے !

یاداشت نمبر 20

(1379 شعبان 1421)

ا۔ کونسی فضیلت علیؑ ہے کہ جس کو پیغمبر اکرم ﷺ نے بیان نہ کیا ہو!

میں نے موسوعۃ امام علیؑ ابن ابیطالبؑ کی تالیف [1] مکمل ہو گئی تو اس بارے میں آقائے بہجت کو بتایا تو انہوں نے اس حدیث نبوی کی طرف اشارہ کیا کہ

"لولا ان یقول فیك طوائف من امتی ماقالت النصاری فی عیسیٰ بن مریم لقلت فیك الیوم مقالا لاتمر باحد من المسلمین الا اخذ التراب من اثر قدمیك یطلبون به البرکة"

ترجمہ: اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری اُمت بھی تیرے متعلق وہ باتیں نہ کرنے لگ جائے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے متعلق کیں، تو آج میں تمہارے بارے میں وہ باتیں (فضائل) بتاتا کہ ہر مسلمان تیرے قدموں کی مٹی کو (بھی) تبرک کے طور پر اٹھالیتا۔

فرمانے لگے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بہت ساری فضیلتیں امام علیؑ کیلئے بیان کی ہیں کونسی ایسی فضیلت ہے جس کو غلو سے روکنے کیلئے آنحضرتؐ نے بیان نہ کیا ہو؟ میں یہ سوال کرنے سے نہ رک سکا لہٰذا میں نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں کہ کونسی فضیلت تھی؟ انہوں نے جواب دیا "میں نے یہ مطلب بالواسطہ کسی سے پوچھا تھا تو اس نے جواب میں وہ بات بتائی جس کو پیغمبر اکرم ﷺ نے علیؑ کیلئے مخفی کر رکھا تھا۔[2]

---

[1] یہ کتاب 1379 ہجری شمسی میں چھپی۔ رہبر معظم انقلاب اسلامی نے اس سال کو امام علیؑ کی ولایت کا سال قرار دیا تھا۔ اس کتاب کا نام موسوعۃ الامام علیؑ فی القرآن والسنۃ والتاریخ کے نام چھپی اور سال ولایت کی کتابوں میں اسے دوسرا انعام ملا اور اس کتاب کا بعد میں دانشنامہ امیر المومنینؑ بر پایہ قرآن وحدیث وتاریخ کے نام سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔

[2] اس کو انہوں نے مجھ سے بیان کیا لیکن یہاں اس کتاب میں مصلحت کے تحت اسے درج نہیں کیا جاسکتا۔ (دانشنامہ امیر المومنین علیہ السلام، ج ۸، ص ۲۴۸)

۲۔ یونس بن ظبیان کی مذمت اور تعریف کا تضاد

آقای بہجت نے فرمایا کہ جو امام رضاعلیہ السلام سے یونس بن ظبیان کی مذمت میں روایت آئی ہے جبکہ امام صادق علیہ السلام سے انکی تعریف وارد ہوئی ہے تو یہ ان کی جان کی حفاظت کیلئے تھااوراس میں ایسے ہی مصلحت تھی جیسے حضرت خضرؑ کی طرف سے کشتی میں سوارخ کرنے میں مصلحت تھی۔ اسی طرح کی روایات جناب زرارہؓ کی مذمت میں بھی آئی ہیں یہ سب مصلحت کے تحت ہیں۔

۳۔ خلقتِ عقل کے بارے میں روایت

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ کچھ ایسی روایات ہیں کہ جن کی سند کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کا متن ہی انکے مضبوط ہونے کیلئے کافی ہوتا ہے جیسے مناجات خمسہ عشر یا دعائے صباح ہے یا جیسے خلقت عقل کے بارے روایت ہے انکے پڑھنے سے ہی یقین ہوجاتا ہے ۔ میں نے متاخرین کی کتب میں ایسا دیکھا ہے البتہ یاد نہیں کہ کہاں دیکھا۔ اس کا متن اس طرح ہے:

"لما خلق الله العقل قال له أَقْبِلْ فأَقْبَلَ فقال له من أنا ومن انت ؟ فقال انا انا و انت انت ،قال ادبر فادبر فقال له من انا ومن انت ؟ قال انا العبدالذليل وانت الرب الجليل"

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو خلق فرمایا تو اسے حکم دیا کہ آگے آؤ، وہ آگے آیا تو اس سے پوچھا: بتا میں کون اور تو کون ہے؟ عقل نے جواب دیا: میں مَیں ہوں اور تُو تُو ہے۔ پھر حکم دیا اب پیچھے ہو جا، پس عقل پیچھے ہوا تو اس سے پوچھا: (اب بتا) میں کون اور تُو کون ہے؟ تو عقل نے جواب دیا میں عبد ذلیل اور تو رب جلیل ہے۔

جب عقل نور کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ وہ خود کچھ ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ وہ حق تعالیٰ کے نور کا آئینہ دار ہے اور خود اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا وہ کہتا ہے کہ میں میں ہوں اور تو تو ہے لیکن جب پیچھے ہٹتا ہے اور محض تاریکی میں چلا جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس

کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے اسی لئے تو وہ کہتا ہے کہ "انا العبد الذلیل انت الرب الجلیل" یہ آئینہ کی مانند ہے جب سامنے ہو تو وہ نہیں جانتا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے وہ تو نور کے سامنے آیا ہے تب اپنے وجود کا اسے احساس ہوا ہے لیکن جب پیچھے ہٹا تو تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

یہ روایت اور اسی طرح کی دوسری روایات کیلئے سند کی ضرورت نہیں یہ توحید ہے اور یہ ارشاد بحکم عقل ہے اور آیت اللہ بہجت نے مجھ سے چاہا کہ میں اس قسم کی روایات کی سند کو تلاش کروں۔ میں نے بہت زیادہ کوشش کی لیکن ابھی تک انکی سند تلاش نہیں کر سکا نہ ہی متقدمین کی کتابوں میں اور نہ ہی متاخرین کی کتابوں میں اس کے بارے کوئی منبع ملا۔

۴۔ آخوند ملا محمد کاشی کے ہمراہ چیزوں کا ذکر و تسبیح کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ سید محمد رضا خراسانی اصفہان کے علماء میں سے تھے اور آخوند کاشی کے ساتھ اکٹھے ایک ہی مدرسے میں رہتے تھے انہوں نے بتایا کہ ہم نے دیکھا مدرسہ لرز رہا ہے اور ہم باہر آگئے کہ دیکھیں کہ یہ لرزش کہاں سے ہے؟ ہم نے دیکھا کہ یہ لرزش آخوند کاشی کے کمرے سے آرہی ہے ہم انکے پاس چلے گئے تاکہ دیکھیں کہ ماجرا کیا ہے؟ ہم نے دیکھا کہ وہ ذکر کر رہے ہیں "سبوحٌ قدوسٌ رب الملائکۃ والروح" یہ بیان کرنے کے بعد آقای بہجت نے فرمایا جو بھی اس ذکر کو اچھے انداز سے پڑھے تو ساری چیزیں اس کے ساتھ ذکر کرتی ہیں۔

۵۔ مرحوم اصفہانی کے ہمراہ چیزوں کا ذکر کرنا

آقائے بہجت فرماتے ہیں کہ عبدالنبی عراقی نے یہ بات مرحوم قاضی سے اور انہوں نے محمد حسین اصفہانی نجفی سے نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”جب میں "سبوحٌ قدوسٌ رب الملائکۃ والروح" کا ورد کرتا ہوں تو ساری چیزیں میرے ہمراہ یہی ذکر کرتی ہیں۔

۶۔ مرحوم غروی اصفہانی کی کرامت

آقائے بہجت نے فرمایا: آقائے خمینیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ شیخ محمد حسن اصفہانیؒ کی کرامات کے بارے میں آپکے پاس کیا معلومات ہیں؟ تو میں نے انہیں بتایا کہ ان کے بارے میں

معروف تھا کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ نماز مغرب اور عشاء کے بعد سجدہ میں جاتے اور سحر تک حالت سجدہ میں رہتے"۔ اس پر امام خمینیؒ نے فرمایا کہ یہ عمل تو بہت ہنر مندانہ ہے۔

۷۔ دعائے عرفہ کے ذیل میں جو آیا ہے وہ کس کا ہے؟

دعاؤں کی کتاب "الاقبال" میں سید ابن طاؤوس نے امام حسین علیہ السلام کی طرف جو دعاء منسوب کی ہے۔ اس کے بارے میں نے آیت اللہ بہجت سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ میرے دوستوں میں سے ایک نے اپنے کسی دوست سے یہ بات نقل کی کہ روزِ عرفہ دعا پڑھنے کے بعد میں نے سید ابن طاؤس کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس دعا کے آخر میں جو اضافہ ہے میری طرف سے ہے کے اس لیے اس دعا کے آخر میں اضافے کو سید ابن طاؤس نے قبول کیا ہے کہ یہ اضافہ انکی طرف سے ہے۔

۸۔ علاقے کے حکمرانوں کا صہیونیت کی تاسیس میں کردار

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ابن "سعود" نے یہ بات لکھی ہے کہ "میں ہزار مرتبہ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ فلسطین ان مساکین یہودیوں کو دے دیا جائے اور قیامت تک ان کیلئے رہے۔"

۹۔ امام خمینیؒ سے متعلق رموز واسرار

آیت اللہ بہجت نے فرمایا میرے پاس امام خمینیؒ کے رموز واسرار ہیں جو میں نے آج تک کسی سے نہیں کہے اور نہ ہی کسی سے کہوں گا۔

۱۰۔ کتاب وسنت کے خلاف کوئی بھی عمل کرامت نہیں ہوتا

آقائے بہجت نے فرمایا "آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی نے ایک نمائندے کو شہر موصل کے شیخ (جو امام علیؑ کو اللہ ماننے والوں کے سردار تھے) کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان سے یہ کہو کہ "ہم امیر المومنین علیہ السلام کیلئے عظیم مقام ورتبے سے آگاہ ہیں لیکن وہ خدا نہیں ہے لہٰذا تم ان لوگوں کو گمراہ نہ کرو"۔ جب آیت اللہ ابوالحسن کا نمائندہ موصل پہنچا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ فلاں پہاڑ

کی چوٹی پر ہے۔ وہ نمائندہ اس پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا اس نے دیکھا کہ ایک بڑی داڑھی والی شخصیت ظاہر ہوئی۔ قبل اس کے کہ وہ نمائندہ کچھ بتاتا کہ وہ اسکے پاس کس لئے آیا ہے، اس شیخ نے دور سے آواز دے کر پوچھا کہ آقا نے کیا فرمایا ہے؟ تو آقائے اصفہانی کے نمائندے نے ان کا پیغام اسے پہنچایا شیخ نے کہا نہیں علیؑ ہی خدا ہے۔

آقائے اصفہانی کے نمائندے نے اس سے پوچھا کہ تمہارے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ تو اس نے ان بچوں میں سے جو اس کے ساتھ پہاڑی پر موجود تھے ایک کو آواز دی پھر اس نے اسے اوپر اٹھایا اور بلند کیا۔ پھر اسے یا علیؑ کہہ کر پہاڑ سے نیچے پھینک دیا۔ آقائے اصفہانی کا نمائندہ کہتا ہے میں نے دیکھا وہ بچہ صحیح و سالم ہے اور اس نے وہاں پر اسی وقت کھیلنا شروع کر دیا۔ اسکے بعد شیخ موصل نے مجھے کہا کہ اب تم ایک بچے کو اٹھاؤ اور اسے یا اللہ کہہ کر نیچے پھینک دو میں دیکھتا ہوں کہ وہ اسی طرح صحیح و سالم رہتا ہے؟ (آقائے اصفہانی کے نمائندے اسکی اس حرکت پر اسے کیا کہتے سوائے حیرت کے کہ کس طرح ابلیس کے شکنجے میں یہ شخص ہے خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے) یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر وہ عمل جو قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو وہ کرامت نہیں ہوتی بلکہ عملِ شیطان ہوتا ہے۔

یاداشت 21

(15 ذیقعدہ 1421)

ا۔ امام علی علیہ السلام کے قتل کی سازش

حاکم شام نے ایک آدمی کو علی علیہ السلام کی طرف بھیجا کہ وہ شخص کوفہ جا کر ان کو قتل کردے اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر تو نے علیؑ کو قتل کر دیا تو اتنی مقدار میں تجھے مال دوں گا۔ وہ آدمی کوفہ آیا قبل اس کے کہ وہ یہ کام کرتا، امامؑ نے اس کی نیت اس پر آشکار کر دی۔ جسے سن کر وہ بہت پشیمان ہوا۔ امامؑ نے قنبرؓ کو حکم دیا کہ اسے شام واپس جانے کیلئے خرچہ بھی دے دو اور اس کو سواری بھی دو جس پر وہ بیٹھ کر اپنے گھر واپس جاسکے۔[1]

[1] مناقب آل ابیطالبؑ ابن شہر آشوب ج 2 ص 260-

واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں نے نماز صبح امیر المومنینؑ کے ساتھ پڑھی تو میں نے اچانک دیکھا کہ ایک آدمی ہماری طرف آرہا ہے اس نے سفری لباس پہنا ہوا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے بتایا کہ میں شام سے آیا ہوں، پھر اس سے پوچھا تم کس کام کیلئے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا میرا یہاں ایک کام ہے، آپ نے اس سے فرمایا تم اپنا کام مجھے بتاؤ وگرنہ میں خود آپ کو بتا دیتا ہوں کہ تم کس کام لئے یہاں آئے ہو، اس نے کہا امیر المومنینؑ آپ ہی مجھے بتاؤ آپ نے اس سے فرمایا کہ حاکم شام نے فلاں دن، فلاں ماہ، فلاں سال میں یہ اعلان کیا کہ جو بھی علیؑ کو قتل کرے گا وہ اسے دس ہزار دینار انعام دے گا اسکا اعلان سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا۔ حاکم شام نے اسے کہا تم جاؤ اسے مارو جب وہ گھر واپس گیا تو وہ پشیمان ہو گیا اور اس نے اپنے آپ سے کہا کہ میں یہاں سے جاؤں اور رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اور انکے بچوں کے باپ کو قتل کروں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟! اس کے بعد دوسرے دن شام کے حاکم کی طرف سے ڈھنڈورچی نے پھر اعلان کیا کہ جو علیؑ کو قتل کرے گا اسے بیس ہزار دینار انعام دیا جائے گا ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں انہیں قتل کروں گا حاکم نے کہا جاؤ تم ان کو قتل کرو۔ لیکن وہ بھی پشیمان ہو گیا اور حاکم سے آکر کہا کہ تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو میں یہ کام نہیں کرتا۔ حاکم نے اس کی درخواست قبول کرلی تیسرے دن ڈھندورچی نے پھر اعلان کیا کہ جو علیؑ کو قتل کرے گا اس کو حاکم تیس ہزار دینار دے گا تو تم اپنی جگہ سے اٹھے اور تم حمیر قبیلے سے ہو اور تم نے کہا کہ میں یہ کام کروں گا اس نے یہ سن کر کہا کہ اے امیر المومنینؑ آپ نے سچ کہا ہے اسکے بعد امیر المومنینؑ نے اس سے کہا کہ جو ذمہ داری تجھے دی گئی ہے اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے تم یہ کام کرنے کیلئے تیار ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ اب میں یہ کام نہیں کروں گا اور شام واپس لوٹ جاؤں گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اس کو سواری بھی دو اور اسے راستہ کیلئے سفر کا خرچہ بھی، چنانچہ اسے سواری اور سفری اخراجات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

۲۔ جمال عبد الناصر کی موت میں حکومت وقت کا کردار

عبد الناصر کی موت میں اس وقت کی حکومت شریک تھی لیکن جب اس کے مرنے کا ٹیلی گرام سربراہِ حکومت کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اطراف میں دیکھنے لگا گویا خوشحال تھا کہ انہوں نے کام کر دیا۔[1]

۳۔ رشوت خوری کے علاج سے غفلت

آپ نے فرمایا کہ خدا کو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں رشوت خوری کس قدر ہو رہی ہے ہیں اور ہم اس کے علاج اور حل کے درپے نہیں ہیں۔[2]

۴۔ ایک دعا کے باقاعدہ پڑھنے کی وصیت

آیت اللہ بہجت اس دعا کے بارے بہت تاکید فرماتے ہیں "اللھم اجعلنی فی درعک الحصینة التی تجعل فیھا من ترید" اور فرماتے تھے کہ ہر صبح اس کو ضرور پڑھو، دوسروں کو بھی پڑھنے کا حکم دو۔

۵۔ غیر معمولی کام کا اہتمام اور بڑے کام کرنے کی آرزو

آقائے بہجت فرماتے ہیں کہ خدا سے درخواست کرو اور حضرت ولی العصر (عج) سے توسل کرو کہ کوئی ایک غیر معمولی کام آپ کے ہاتھوں انجام پائے اور ایسا ہو جانے کو بعید نہ سمجھو۔ ہر ایک میں قابلیت موجود ہوتی ہے کہ وہ ایسا کام انجام دے جو بالکل ہی نیا ہو۔ یہ خداوند کے فضل سے ہوتا ہے وگرنہ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان ایک کنواں کھودے اور خود ہی اسی کنویں میں جا گرے

---

[1] انہوں نے اس مطلب کو کتاب ''پیدائش حکومت'' سے نقل کیا، ص 193

[2] آیت اللہ بہجت اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بار بار بڑے سرکاری عہدیداروں کو یاد دہانی کرواتے کہ اس کا علاج کریں۔ اپنے درس میں فرماتے تھے کہ تین چیزیں حکومت کو نقصان دیتی ہیں۔ ۱۔ بیرونی دشمن ۲۔ رشوت ۳۔ اطراف میں دھوکہ دینے والے افراد بیرونی خطرات اور رشوت ستانی کا تو علاج ہو سکتا ہے لیکن دھوکہ دینے والے جو اطراف میں موجود ہوتے ہیں اور غلط بیانی سے کام کرتے ہیں ان کا علاج بڑا ہی مشکل ہے۔

اور مر جائے لہٰذا خداوند سے ایسی دعا ضرور کرتا رہا کریں کہ آپ کے ذریعہ کوئی بڑا اور غیر معمولی کام سرانجام پائے اور اس میں امام زمانہ (عج) سے توسل کرنا نہ بھولیں۔

۶۔ عبادت کیلئے خدا سے شفا مانگنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا ملا فتح علی سلطان آبادی حج پر جا رہے تھے۔ انہیں ایک پھوڑا نکل آیا جو بہت تکلیف دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اس پھوڑے کا علاج مانگا اور وہ ٹھیک ہو گئے۔ انہوں نے شیخ عبدالکریم حائری کو بتایا تھا کہ میں نے اللہ سے یہ شفاء مانگی کہ ٹھیک ہو جاؤں تا کہ حج کی عبادت انجام دے سکوں۔

۷۔ آیت اللہ ملکی تبریزی کا کتاب "تنبیہ الامہ" پر اعتراض

آقای بہجت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مرزا نائینی مرحوم حاج مرزا جواد ملکی تبریزی کی ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آقای خمینیؒ اس بات کو ایک اور شخص سے نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص اس موقع پر موجود تھا جب آقای ملکی کتاب تنبیہ الامہ (جو مرزا نائینی نے لکھی تھی اور انکی الماری میں پڑی تھی) کو اٹھاتے ہیں اور آقای نائینی کے سامنے زمین پر پھینکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کیا کتاب تم نے لکھی ہے؟ اور یہ سن کر مرزا نائینی رونے لگ جاتے ہیں۔

یاداشت نمبر 16 میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے البتہ آیت اللہ بہجت نے اس میں اضافہ کیا کہ اس کتاب میں کمزور مطالب موجود ہیں ایسے کمزور جنہیں ان کی طرف نسبت نہیں دی جا سکتی۔ مرزا نائینی نے اپنے خاص لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ "ہم نے انگور ڈالے کہ سرکہ ہوں لیکن وہ شراب ہو گئے۔" لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رضا شاہ کے ساتھ نرمی کو اپنائے بغیر کوئی اور چارہ موجود نہیں یعنی رضا شاہ کو علماء کی جانب مائل کیا جائے اور اس طرح ان کے ساتھ مصالحت آمیز اور دلجوئی کا نظریہ اپنایا جائے یہ ان کا نظریہ تھا۔ (جو تنبیہ الامہ میں بیان کیا ہے۔)

میں نے مرزا نائینی کی کتاب کے بارے میں پوچھا کہ اس میں کونسی چیز قابل اعتراض ہے تو انہوں نے فرمایا آپ خود یہ کتاب لے لو اور اس کو پڑھو۔ آقای نائینی کا جو استدلال ہے وہ خواب ہے اور خواب جیسی چیز کو دلیل قرار دینا ان کی شان کے مطابق نہیں۔ کچھ لوگوں نے بیان کیا

ہے کہ مرحوم نائینی نے اپنے سالے مرزا محمود یزدی (جنہوں نے کتاب تنبیہ الامۃ چھاپی تھی) سے یہ کہا تھا کہ اس کتاب کے سارے نسخے اکٹھے کرواور اسے دجلہ میں پھینک دو۔

8۔ رضاخان کے دو اقدامات

آقائے بہجت نے فرمایا رضاخان نے عراق کے حاکم فیصل کو کہا تھا کہ میں نے ایران میں دو کام کئے ہیں:

۱۔ لوگوں سے اسلحہ لے لیا ہے۔

۲۔ علماء کا جو نفوذ عوام میں تھا وہ میں نے ختم کر دیا ہے۔

۹۔ حاج حسین قمی کا مرجعیت تک پہنچنے کے بعد امیر المومنین سے تقاضا

آقای حاج حسین قمی جب مرجعیت پر پہنچ گئے تو انہوں نے کسی سے کہا کہ جاؤاور حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کرو کہ اگر یہ مرجعیت اور ریاست جو میرے پاس ہے اگر یہ میرے دین کیلئے نقصان دہ ہو تو مجھے اس دنیا سے اٹھالیں۔اس بات کو زیادہ وقت نہ گزرا اور وہ وفات پاگئے۔

۱۰۔ پوری توجہ خدااور خدا کے نمائندوں کی طرف رکھنا

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ ہر چیز سے زیادہ قریب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ہر انسان کی کوشش ہونی چاہیے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور اللہ کی طرف اسکی توجہ ہو کہ تمام کام اسی کے وسیلہ سے ہیں۔وہ اللہ کے وسیلہ سے سنتا ہے اور اللہ کے ذریعے دیکھتا ہے۔اگر اللہ سے تعلق کمزور ہو جائے تو اس کے نمائندگان (پیغمبرؐ اور ان کے اہل البیتؑ) سے جو رابطہ ہے وہ بھی کمزور ہو جاتا ہے۔

۱۱۔امام عصر علیہ السلام سے راہنمائی چاہنا

حج کے سفر کیلئے میں نے آیت اللہ بہجت سے سوال کیا کہ آپ کوئی رہنمائی کریں تو انہوں نے فرمایا کہ ''امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) سے رہنمائی مانگو وہ موجود ہیں اور اس طرح موجود ہیں کہ گویا تم ان کے سامنے موجود ہو۔''

یاداشت 22

(18 محرم 1421)

ا۔ بڑے کام انجام دینے کیلئے کوشش کرنا

اس ملاقات کے آغاز میں ہی آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ کوشش کرو کہ بہت ہی بڑے اور قابل فخر کام میں کامیاب رہو ایسا کام کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے لیے باعثِ افتخار ہو اور اس میں کوئی اعتراض بھی نہ ہو۔

۲۔ قرآن کی باطنی تاثیر

آقای بہجت نے فرمایا کہ اگر قرآن آپ کو یاد ہے اور حفظ ہے تو پوری طرح وہ قرآن تمہارے اوپر اثرانداز بھی ہونا چاہیئے۔

۳۔ حواس کو مرکوز کرنے کیلئے رہنمائی

آیت اللہ بہجت نے فرمایا ''میں نے وادی السلام نجف اشرف میں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی مرقد کے قریب ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس نے ایک خاص ترتیب سے اپنے ہاتھ ٹکائے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا تم کیوں ایسے بیٹھے ہو؟ اس کے ارد گرد جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ وہ اس طرح اس لئے بیٹھا ہے تاکہ اسے تمرکز حاصل ہو جائے یعنی ایک جگہ کی طرف اس کی توجہ ہو جائے یہ آدمی اس طرح کی ریاضت کرتا ہے اسکی یہ ریاضت اپنی توجہ کو ایک جگہ یا ایک سمت میں مرکوز کرنے کیلئے ہے۔ آقائے بہجت نے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تمرکز کیلئے ایسے اعمال کی ضرورت نہیں جو انسان خدا کی طرف توجہ کرنا چاہتا ہے تو اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے:

"اولم یکف بربك انه علی کل شئیٍ شهید ألا انهم فی مریةٍ من لقاء ربهم الا انه بکل شئی محیط "[1]

ترجمہ: کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر گواہ ہے جی ہاں! ان لوگوں کو اللہ کے دیدار میں تردید ہے تم آگاہ رہو یقیناً اللہ کا ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یہ مطلب بہت ہی آسان ہے کہ ارشاد ہوتا ہے (وھومعکم این ماکنتم)[2] یعنی وہ تمہارے ساتھ موجود ہے جہاں پر تم ہو۔

۴۔آیت اللہ سید محمد کاظم کا مشروطیت کے قانون پر دستخط کرنے سے انکار

آیت اللہ بہجت نے فرمایا: سید کاظم پر بہت دباؤ تھا کہ وہ مشروطیت کی تائید کردیں۔آخوند خراسانی کے کچھ شاگردوں نے سید کاظم یزدی کے شاگردوں کو آمادہ کرلیا کہ وہ سید کاظم کے گھر جائیں اورانہیں قائل کریں کہ وہ مشروطیت کی تائید کریں۔ ان شاگردوں کو سید نے جواب یہ دیا تھا کہ ''اس پیالہ میں زہر ہے میں اسے نہیں پی سکتا۔'' ان شاگردوں نے آپ کی توہین کی اورآپ سے یہ کہاکہ اگرہم کسی یہودی کے گھر بھی گئے ہوتے تو ایسا جواب ان سے نہ سنتے چنانچہ نماز جماعت کیلئے بچھایا گیا ان کا مصلےٰ اٹھالیا گیا اور سید کاظم خانہ نشین ہوگئے۔ان کو نجف بدر کرنے کی بات بھی ہوئی لیکن آیت اللہ فضل اللہ نوری کے قتل کے بعد معاملہ الٹ گیا اور پورا حوزہ علمیہ نجف مشروطہ کے مخالف ہوگیا۔آخوند خراسانی کی نماز جماعت میں زیادہ لوگ شرکت نہ کرتے تھے۔انکے پیچھے نمازیوں کی تعداد تیس افراد سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ سید کاظم گھر سے باہر آگئے اور نماز باجماعت شروع کردی انکی جماعت میں لوگوں نے زیادہ تعداد میں آنا شروع کردیا۔

---

[1] سورہ فصلت، آیت: 53-54

[2] سورۃ حدید، آیت: ۱۴

۵۔ شیخ فضل اللہ نوری کے بارے آخوند خراسانی کا نظریہ

آقای بہجت نے فرمایا: شیخ فضل اللہ نوری کی شہادت کے بعد میرزا نائینی آخوند خراسانی کے پاس گئے اور انہیں شیخ فضل اللہ نوری کا لکھا ہوا ایک کاغذ دکھایا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ جو لوگ مشروطہ میں داخل ہوئے ان پر مرتد فطری کے احکام جاری ہونے چاہیں۔ آخوند خراسانی فرماتے ہیں کہ جب میں نے شیخ فضل اللہ نوری کے قتل کی خبر سنی تھی تو مجھے دکھ ہوا تھا۔ لیکن اب ان کی یہ تحریر سننے کے بعد مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ان کے قتل پر مجھے افسوس کیوں ہوا۔

۶۔ سید مرتضٰی کشمیری کیلئے برزخی نظر

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ "سید مرتضٰی کشمیری جب حرم امیر المومنینؑ سے واپس جارہے ہوتے تھے تو وہ اپنی عباء اپنے سر پر لے لیتے تھے۔ ایک آدمی[1] جو سالوں سے ان کے ہمراہ ہوتا تھا، نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا تھا کہ آپ عبا سر پر کیوں لیتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اس شخص نے جب بار بار پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جس وقت میں حرم سے نکلتا ہوں۔ کچھ لوگ حیوانات کی شکل میں ہوتے ہیں۔ اس نے بڑا اصرار کرکے پوچھا کہ مجھے کس شکل میں دیکھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا تھا کہ "تمہیں گدھے کی شکل میں دیکھتا ہوں۔"

[1] وہ آقای شیخ حسن ہندل تھے جو طالب علم تھا وہ سید مرتضٰی کشمیری کے مریدوں سے تھا اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا، سید اسکے خرچ کیلئے پیسے دیتے تھے اسے کہہ رکھا تھا کہ جس کام میں بھی پیسے خرچ کرنے ہوں تو اس کیلئے استخارہ کرلیا کرو تمباکو کے علاوہ، تمباکو کیلئے ان پیسوں سے خرچ نہ کیا کرو۔

یاداشت 23

(5صفر1423)

ا۔ پشیمانی سے بچاؤ کی تدبیر

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ " ہمیں ایسا کام کرنا چاہئے کہ جس میں پشیمانی نہ ہو۔ ہمارے اساتید میں سے ایک کہا کرتے تھے کہ اے کاش ! کام "لا لی ولا علی" اختتام کو پہنچے یعنی نہ میرے فائدے میں نہ میرے نقصان میں، یہ وہی بات ہے جو عمرو بن عاص کہتا تھا۔

تاریخ میں ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ مرتے وقت ان کی انگلی اس کے منہ پر ہو اور وہ مرجائے سوائے عمرو بن العاص کے۔ [1]

2۔آقازادہ کی شہادت کے بارے میں الحاج فاضل کی پیش گوئی

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ حاج محمد علی فاضل اور شیخ حسن علی نخودکی، کی مشہد میں آخوند خراسانی کے بیٹے سے ملاقات ہوئی جو کہ آقازادہ کے نام سے مشہور تھا۔حاج فاضل نے اس سے کہا کہ میں کربلا جارہاہوں اور چھ ماہ بعد میں عراق میں مرجاؤں گا اور ایران میں کشف حجاب ہو گا[عورتوں کا پردہ اتار دیا جائے گا] اور تم اس معاملے میں کوئی دخالت نہ کرنا۔حاج فاضل نے جیسے کہا تھاویسے ہی ہوا جب کشف حجاب ہوا توآقازادہ نے اسکی مخالفت کی اور اسکے خلاف قیام کیاجس شخص کو اس واقعے کی خبر تھی انہوں نے ان سے کہاکہ حاج فاضل نے آپ سے نہیں کہا تھاکہ آپ اس میں دخالت نہ کریں انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا یہ میری ذمہ داری ہے آخر کار رضا شاہ نے اسے قتل کروادیا۔

---

[1] **عمروالعاص کی موت کاوقت:** کتاب انساب الاشراف میں آیا ہے جب عمرو ابن عاص کی موت کاوقت آن پہنچاتواس نے کہا قبر کھودنا اور مجھے آرام سے قبر میں لٹانا پھر اپنی انگلی کو اپنے منہ پر رکھدیا جس طرح کوئی غور و فکر کے انداز میں ہوتا ہے اور پشیمانی میں غرق ہوگیا اسی حالت میں وہ مرگیا اس وقت اس کی عمر ۹۳سال تھی۔

۳۔ مکی اور مدنی سورتوں کے بارے میں

آقای بہجت نے فرمایا کہ آقای مشکینی نے میرے پاس دو قرآن بھیجے ۔ ایک تو وہ تھا کہ جس میں ہر سورت کے شروع میں لکھا ہوا تھا کہ یہ مکی سورت ہے اور یہ مدنی سورت ہے اور ایک وہ قرآن تھا کہ جس میں ایسا نہیں لکھا ہوا تھا میں (آقای بہجت) نے پیغام بھیجا کہ میں نے پہلے کو پسند کیا ہے۔ ہر سورت کے شروع میں مکی یا مدنی ہونا لکھا جائے۔

۴۔ صاحب مفتاح الجنان

آقای بہجت نے فرمایا کہ آقای مشکینی نے لکھا کہ ،مفتاح الجنان کے لکھنے والے مجہول ہیں [ایسا نہیں اشتباہ ہوا] جبکہ اس کا لکھنے والا معلوم ہے وہ ملا رحمت اللہ کرمانی ہے جس نے کتاب رسائل کے اوپر حاشیہ بھی لکھا ہے اور یہ کتاب میرے پاس موجود تھی مگر کسی نے مجھ سے لے لی۔[1]

۵۔فَرَج کے بارے کیا خبر ہے؟

میں نے آیت اللہ بہجت سے دریافت کیا کہ فَرَج کے بارے آپ کیا اطلاع رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا؛ تقریباً بیس سال پہلے ایک شخص جس کی عمر پچاس ساٹھ سال ہو گی اور وہ ظاہر الصلاح تھا۔ مسجد فاطمیہؑ میں نماز کے بعد میرے پاس آیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے حضرت امام عصر (عج) کو دیکھا ہے تو میں نے ان سے پوچھا کہ خواب میں دیکھا؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں بیداری میں دیکھا اور امامؑ نے فرمایا کہ فَرَج قریب ہے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ میں نے امامؑ سے عرض کی کہ کیا

[1] آیت اللہ مشکینی نے مفتاح الجنان و مصباح الجنان کے مقدمہ میں یہ بات لکھی ہے کہ یہ کتاب وہ مفتاح الجنان نہیں جس کا مؤلف مجہول ہے کہ مفاتیح الجنان کے مؤلف نے اس کتاب میں دعاؤں اور زیارات میں نادرست تصرف کا ذکر کیا ہے۔آقای بہجت نے اس کتاب کے مؤلف کا نام بیان کر دیا۔

میں اس زمانے کو پالوں گا؟ تو امامؑ نے فرمایا کہ فلاں (یعنی آغا بہجت) تم سے زیادہ بوڑھے ہیں وہ بھی اس زمانے کو پائیں گے۔[1]

۶۔سب سے بڑی دعا

جب خداحافظی کہنے لگے تو میں نے آیت اللہ بہجت سے دعا کا کہا تو انہوں نے میری کامیابی اور عافیت کی دعا فرمائی اور پھر فرمایا اس سے بڑی کوئی اور دعا میں نہیں جانتا۔

[1] مسجد فاطمیہؑ مشہور ہے مسجد خانم کے نام سے جو مرحوم سرکار خانم ہمایوں رختندار کے موقوفات میں سے ہے۔ اس کی وفات 1336 ہجری شمسی کی ہے۔ آیت اللہ بہجت 1385ھ ش سے آیت اللہ شیخ عبدالنبی عراقی جو پہلے امام جماعت تھے انکی وفات کے بعد آخری عمر تک اسی مسجد ہی میں امامت کراتے تھے۔

یاداشت 24

(24 شعبان 1430)

1۔حبّ ریاست و منصب کا امتحان

آیت اللہ بہجت نے فرمایا"سید حسن کشمیری کے بیٹے سید مصطفیٰ نے یہ بات بیان نقل کی ہے کہ میرے بابا مرزا محمد تقی شیرازی کے پاس کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور تقریباً آدھا گھنٹہ سے اپنی عینک کے بارے میں بات کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا کہ میری عینک بہتر ہے اور دوسرا کہہ رہا تھا کہ میری عینک بہتر ہے۔"

اس ماجرہ کے بعد میں نے اپنے بابا سے کہا آپ اس شہر کے بڑے افسر ہیں اور وہ مرجع تقلید ہیں۔عینک کے علاوہ آپ کے پاس اور کوئی بات نہیں تھی جس کے متعلق گفتگو کرتے۔ میرے بابا نے جواب دیا کہ میں ان کا امتحان لے رہا تھا ان کے پاس جو ریاست (منصب) آئی ہے کہ اس کی وجہ سے انکے اندر کوئی تبدیلی آئی ہے یا نہیں ۔ میں نے دیکھا کہ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

۲۔آیت اللہ قمی کا حج پر جانے کیلئے استخارہ

آقای بہجت نے فرمایا الحاج آقای حسین قمی فرمایا کرتے تھے کہ میں سید مرتضیٰ کشمیری کے پاس گیا اور ان سے (حج پر جانے کیلئے) استخارہ کروایا۔ البتہ میں نے تو انکو نہیں بتایا کہ میں نے حج پر جانے کیلئے استخارہ کروایا ہے۔ لیکن انہوں نے استخارہ نکالنے کے بعد فرمایا کہ "انشاء اللہ سفر حج مبارک ہو"۔ حالانکہ اس وقت تک میں نے حج کے سفر کی نیت کسی کو بھی نہیں بتائی تھی۔

۳۔آیت اللہ کشمیری اور آیت اللہ قاضی کے عرفانی مسلک میں فرق

آقای بہجت نے فرمایا "مرحوم قاضی سید مرتضیٰ کشمیری کے شاگردوں سے تھے۔عرفانی مسلک دونوں کا مختلف تھا اور وہ مرحوم کشمیری کے بہت زیادہ عقیدت مند تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

۴۔آیت اللہ کشمیری کی ذہانت

آیت اللہ بہجت آیت اللہ سید مرتضٰی کشمیری کی ذہانت کے بارے میں خود انہی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میں بلوغ سے پہلے اس امر کی طرف متوجہ ہوا کہ کچھ علوم ایسے ہیں جن کی تعلیم حاصل کرنا حرام ہے اسی لئے میں نے ان علوم کو بالغ ہونے سے پہلے ہی سیکھ لیا تھا۔

۵۔آیت اللہ کوبہ ای کی عبادت کا تذکرہ

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ کتاب 'اخلاق ابن مسکویہ'، ایک ماہ رمضان کے دوران میں نے مرحوم سید حسن کوبہ ای سے پڑھی۔ وہ بہت ہی عبادت گزار انسان تھے کسی نے انہیں ذکر کرنے کی حالت میں دیکھا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم کونسا ذکر کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے زیارت عاشورہ کا متن پڑھا ہے اور ایک سو لعنت اور ایک سو سلام راستے میں چلتے ہوئے پڑھتا ہوں۔" شیخ محمد حسین اصفہانی بھی یہی ذکر کرتے تھے۔

٦۔مرحوم شیخ محمد حسین اصفہانی اور سورہ قدر

آقای بہجت نے فرمایا: شیخ غلام حسین ترک [1] کے توسط سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ انہوں نے مرحوم شیخ محمد حسین غروی اصفہانی (کمپانی) سے یہ پوچھا کہ یہ کونسا ذکر ہے جسکے آپ اس قدر پابند ہیں (کیونکہ کسی سے ملاقات کے دوران جب دوسرا شخص بات شروع کرتا تو وہ ذکر میں مصروف ہوجاتے تھے۔) تو انہوں نے جواب دیا کہ دن اور رات میں ایک ہزار مرتبہ سورہ قدر پڑھنے کے بہت زیادہ فضائل بیان کئے ہیں۔

---

[1] شیخ غلام حسین ترک مرحوم آیت اللہ سید جواد خامنہ ای (مقام رہبری کے والد) کے داماد مراد ہیں جو کہ آقای محمد حسین کمپانی کے فاضل شاگردوں میں سے تھے اور ہمیشہ مرحوم کمپانی کے قریب رہے اور جوانی میں ہی فوت ہوگئے۔ یہ شیخ غلام حسین خدائی جو ترک نام سے مشہور ہیں اسکے علاوہ ہیں۔ انکا بیان ہے کہ وہ رات دن میں ایک ہزار مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھتے تھے۔

۷۔ مرحوم اصفہانی کا جوانی میں مکاسب پر حاشیہ لکھنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ "آقای میلانی نے بیان کیا ہے کہ الحاج شیخ محمد حسین اصفہانی نے کتاب مکاسب پر جب حاشیہ لکھنا شروع کیا تو اس وقت انکی عمر ستائیس سال تھی۔ میں نے ایک اور شخص سے پوچھا کہ اسے مکمل کرنے میں کتنا عرصہ لگا؟ تو انہوں نے بتایا کہ چودہ سال میں مکمل کیا۔

(مکاسب شیخ انصاری کی کتاب ہے جو کاروباری معاملات کے متعلق ہے اس کتاب کو دینی علمی مراکز میں پڑھایا جاتا ہے اس پر انہوں نے چودہ سال میں شرح لکھی جو بہت ہی علمی شرح ہے، مترجم)

۸۔ آیت اللہ اصفہانی کا شور شرابے میں مطالعہ کرنا

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ مرحوم شیخ محمد حسین اصفہانی کی خصوصیات میں سے یہ تھا کہ وہ ایسی جگہ بھی مطالعہ کر لیتے تھے جہاں بہت زیادہ شور شرابا ہو رہا ہوتا تھا اور ان پر شور شرابہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔[1]

[1] خود آیت اللہ بہجت کے بارے میں بھی ایسا ہی بیان ہوا ہے۔

یاداشت 25

(6ربیع الاول1424)

ظہر کے چھ گھنٹے بعد میں آیت اللہ بہجت کے نئے گھر میں پہنچا آپ وہاں تازہ تازہ گئے تھے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ گھر مؤسسہ "درراہِ حق" کا ہے یہ اس سال کی پہلی ملاقات تھی اس نشست میں کچھ باتیں ہوئیں۔[1]

ا۔ وحدت وجود وحدت حکمیہ ہے

مسئلہ وحدت وجود کے متعلق میں نے ان کی رائے جاننا چاہی کہ جس وحدت کے بارے میں اہل عرفان کہتے ہیں کیا وہ بھی انکی بات کو قبول کرتے ہیں یا نہیں ؟ تو آیت اللہ بہجت نے جواب دیا کہ یہ بات ایک لحاظ سے تو صحیح ہے مگر ایک لحاظ سے اشتباہ بھی ہے۔ اس کی صحیح جہت یہ ہے کہ جو وہ دیکھ رہے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہے اور اشتباہ یہ ہے کہ جو وہ دیکھتے ہیں وہ کثرتِ حقیقیہ کے منافی نہیں ہے جو وہ دیکھتے ہیں وہ واحد ہے اور وہ حق تعالیٰ کی تجلی ہے۔ تجلی کا موضوع قرآن اور بہت ساری روایات میں بیان ہوا ہے۔

انہوں نے وحدت حکمیہ کو وحدت حقیقیہ میں گڈمڈ کر دیا ہے میں (آقای بہجت) وحدت حکمیہ اور کثرتِ حقیقیہ کا قائل ہوں اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ بات کہی ہو۔ اور جو وحدت حقیقیہ کے قائل ہیں وہ بھی عملًا یہی اعتقاد رکھتے ہیں جیسے سید احمد کربلائی، جو رات سے لے کر صبح تک گریہ کرتے تھے۔ اگر وحدت حقیقیہ ہے تو پھر یہ رونا کس لئے ہے؟ قرآن اور احادیث میں وحدت حقیقیہ کو رد کیا گیا ہے "کان یاکلان الطعام"۔[2]

---

[1] آیت اللہ بہجت کا پرانا گھر محلّہ ارک میں تھا اور کوچہ شہید سید محمد حسن میر جعفری، جو بزرگ حاج محمد علی سقا کے قریب تھا، زمانہ قدیم میں اس کوچہ کا نام اعتقاد الدولہ تھا۔ آپ کا گھر ایک باریک گلی میں تھا جو ہمایوں کے نام سے معروف تھی اور بند ہو جاتی تھی۔ وہ مکان قدیمی قم میں سڑکوں کو وسعت دیتے وقت، توسیعی منصوبہ میں آنے کی وجہ سے اسے خراب کر دیا گیا تو آپ نے زندگی کے آخری سات سال اسی محلے کی دوسری طرف آقازادہ کوچہ میں گزارے۔ واضح رہے کہ محلّہ ارک لمبائی میں خیابان ارم قم اور محلّہ گزرخان اور محلّہ نیچال قاضی کی حد فاصل کے درمیان واقع ہے۔

[2] سورۃ المائدۃ، آیت: 75 (یعنی عیسیٰؑ اور ان کی ماں دوسرے لوگوں کی طرح غذا کھاتے تھے)

،بہرحال کثرت حقیقیہ اور وحدت حقیقیہ محال ہے مگر یہ کہ کوئی یہ کہے کہ تناقص محال نہیں۔جو روایات میں آیا ہے "یبصر به ویسمع به" [وہ اسی کے ذریعے دیکھتا ہے اور اسی کے وسیلہ سے سنتا ہے] یہ بات اسی وحدت حکمیہ کے حکم میں ہے۔

اسی طرح ہے "لافرق بينك وبينهم الا انهم عبادك وخلقك" (یعنی اے اللہ! تیرے اور انکے درمیان کوئی فرق نہیں مگر اتنا فرق ہے کہ وہ تیرے بندگان اور تیری مخلوق ہیں۔) [1]

2۔ وحدت وجود کے نظریہ میں وجدان اور برہان کا اکٹھا ہو جانا

آقای بہجت نے فرمایا کہ ''جب سورج نکل آئے تو ستارے نظر نہیں آتے لیکن حقیقت میں تو موجود ہوتے ہیں۔ برہان، وجدان اور جو کتاب وسنت میں متواتر بیان ہوا ہے ان سب میں جمع بندی یہ ہے کہ ہم کثرت حقیقیہ اور وحدتِ حکمیہ کے قائل ہوں کیونکہ خداوند تبارک وتعالیٰ کی رؤیت در حقیقت شہود قلبی ہے۔جو دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں بھی، اور جو غیر ممکن ہے وہ شہود حسی یا احاطہ قلبی ہے وہ نہ دنیا میں ممکن ہے اور نہ آخرت میں [آقای ری شہری فرماتے ہیں] میں نے وحدت کی اس معنی میں تشریح کو کسی اور کی تحریر میں نہیں دیکھا۔مرحوم آخوند خراسانی کہتے تھے کہ یہ مسئلہ نظری ہے عملی نہیں ہے وحدت حقیقیہ کے نظریہ کے تحت اللہ کے خوف سے گریہ کا کوئی معنی نہیں۔

3۔ منصور حلاج اور وحدتِ وجود کا نظریہ

آقای بہجت نے فرمایا: ابو عبداللہ خفیف، منصور حلاج کے ساتھ اکٹھے جیل میں تھے۔ اس نے چاہا کہ منصور کے ہاتھ کا بوسہ لے۔ منصور نے اسے کہا کہ اگر یہ ہاتھ میرا ہاتھ ہوتا تو میں تجھے اجازت نہ دیتا کہ تم اس کا بوسہ لو اس کا ذوق اخباری تھا لیکن تصوف میں وہ منصور کے ہم مشرب

---

1 [1]اس سے مراد وہ احدیث ہیں جو "قرب نوافل" کے نام سے مشہور ہیں (مصباح المتہجد ص۳۰۸۔انسان الکامل ص۸۲۱۔ مشارق انوار الیقین ص۴۷۔ مفاتیح الجنان میں ماہ رجب کی ہر روز کی دعاؤں میں ہے البتہ لفظ "بینھا" کی بجائے "بینھم" ہے)

تھے۔ مرحوم آیت اللہ میلانی کہتے تھے کہ وحدت وجود کے قائل جو کچھ کہتے ہیں اگر ان کے بیانات کی توجیہہ ہو سکتی ہے تو ٹھیک وگرنہ وہ زندقہ والحاد میں سے ہے۔

۴۔اجتماع نقیضین کے محال ہونے میں شک

آیت اللہ بہجت نے میرے سوال کے جواب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ کثرت حقیقیہ اور وحدت حقیقیہ کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ البتہ بعض حضرات اجتماعِ نقیضین کے محال ہونے میں بھی شک کرتے ہیں۔ مرزا محمد تقی شیرازی نے ایک مرتبہ درس کے دوران پوچھا کہ کس نے کہا ہے کہ اجتماع نقیضین محال ہے؟ مرحوم حاج آقا حسین قمی نے منبر کے نیچے سے بلند آواز میں کہا کہ یہ بات نہ فرمائیں۔ پتھر اور روئی یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

آقای خوئیؒ بیان کرتے ہیں مرزا محمد تقی شیرازی، آخوند خراسانی کے ساتھ دور کے بطلان کے بارے میں بحث کرتے تھے اور وہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ دور محال نہیں ہے۔

یاداشت 26

(اول ذیقعدہ 1424)

1۔ امامؑ عصر کا ہر جگہ موجود ہونا

میں نے سوال کیا کہ امام عصرؑ کی خدمت میں پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ تو انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مومن کو چاہیے کہ ہر حال میں خود کو امام عصرؑ کے محضر میں موجود پائے اور متوجہ رہے کہ وہ جو بھی کام کرتا ہے، امامؑ کے سامنے کرتا ہے حتی کہ امام تمہارے خیالات سے بھی آگاہ ہیں ۔جب سید مرتضیٰ کشمیری جیسے افراد ہمارے ضمیر اور دل کی بات سمجھ لیتے تھے تو امام عصر (عج) کو کیسے پتہ نہیں چلے گا۔

۲۔ امام عصر (عج) کی خدمت میں پہنچنے کا دستور العمل

میں نے آغا بہجت سے سوال کیا کہ کیا امام عصر (عج) کے محضر میں جانے کا کوئی دستور العمل ہے؟ پہلے تو انہوں نے نہیں بتایا۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا ایسا نہیں کہ آپ نے فلاں شخص کو ایک دستور العمل بتایا ہے تو آپ نے فرمایا جی ہاں! تو میں نے عرض کیا اگر ممکن ہو تو مجھے بھی وہ دستور العمل بتائیں تو انہوں نے فرمایا کہ ”ایسا مہینہ جس کی پہلی تاریخ جمعہ کو آئے اول وقت میں صبح کی نافلہ اور نماز صبح پڑھنے کے بعد 256 دفعہ آیت نور[1] کو پندرہ دن تک پڑھیں اور اسکے بعد پندرہ دن 256 مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھیں۔“

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس شخص نے یہ عمل انجام دیا اور اس کے بعد حضرتؑ کو اس نے اپنے کمرے میں دیکھا اور اس نے بتایا کہ جب میں نے آپؑ کو دیکھا تو میں نے چاہا کہ وہ جلدی وہاں سے چلے جائیں۔[2] امام عصرؑ نے اس سے فرمایا تھا کہ ”نماز اور روزہ آقای خمینیؒ کے گھر پر“ لیکن وہ اس بات سے امامؑ کے مقصود کو نہ سمجھ سکا۔

---

[1] آیت نور سے مراد سورہ نور کی آیت 35 ہے یعنی "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ" آخر تک

[2] اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں ہمت اور طاقت نہیں تھی کہ وہ انکے حضور میں موجود رہے اور ان سے کچھ استفادہ کرے ۔

آیت اللہ بہجت نے اس بارے میں مزید فرمایا کہ "یہ عمل شیخ عباس علی قزوینی (جو مشہور واعظ مرزا حبیب اللہ رشتی کے شاگردوں سے تھے) سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اس عمل کو منبر پر بیان کیا تھا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی کسی مشکل میں مبتلا تھا۔ اس نے اس پر عمل کیا تو حضرتؑ کی اسے زیارت نصیب ہوئی۔ پھر حضرتؑ نے اس کو فرمایا تھا" سیکفیکھم اللہ" تو اسکی مشکل حل ہو گئی اور جب اس کامیابی کی خبر شیخ عباس علی قزوینی کو دی گئی تو شیخ نے اس کو مخاطب کر کے کہا تھا" مرحبا شاگردی بہتر از استاد" یعنی کتنا اچھا شاگرد ہے جو استاد سے بہتر ہے۔

جب آیت اللہ بہجت نے یہ بات ختم تو میں نے ان سے سوال کیا کہ کیا آپ نے یہ عمل کیا ہے؟ جواب میں فرمایا کہ یہ بات مت پوچھو۔

۳۔آخوند ملا فتح علی سے منقول تین دستور العمل

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ حاج آقای منیر اصفہانی ایک فاضل مرد تھے ان سے منقول ہے کہ کوئی بھی کتاب معقول کے بارے میں لکھی ہوئی نہیں مگر یہ کہ انہوں نے اس کو اول سے آخر تک پڑھا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں سامرا میں اخوند ملا فتح علی اصفہانی کے پاس گیا انہوں نے اس خط کو پڑھ لیا جو علماء اصفہان نے مرزا شیرازی کیلئے لکھا تھا جبکہ وہ خط ابھی میری جیب میں تھا اور میں نے ابھی اسے مرزا کے حوالے بھی نہیں کیا تھا۔ میں نے ان سے کہا آپ میرے لئے کوئی وصیت کریں، تو انہوں نے کہا کہ آپ خود علامہ ہو آپ کو کچھ بتانے کی کیا ضرورت ہے جب میں نے اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا تین چیزوں کی پابندی کرو:

۱۔زیارت عاشورہ

۲۔اول ماہ کی نماز

۳۔ہر رات شب دفن کی نماز، اور ہدیہ کروان اہل ایمان کو جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔

نقل ہوا ہے کہ ایک شخص ایک مردے کو خواب میں دیکھتا ہے، وہ اسے کہتا ہے کہ جو نماز ملا فتح علی نے میرے لئے پڑھی ہے اس سے قبر میں میری مشکل حل ہو گئی ہے۔ جبکہ خواب دیکھنے والا ملا فتح علی کو نہیں پہچانتا تھا جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ یہ مطلب بالکل اسی طرح ہی ہے۔

۴۔ فَرَج کے بارے میں خبر

جب میں نے ان سے خدا حافظی کی تو انہوں نے اشارہ کیا کہ اگر حضرت صاحب الزمان (عج) کی خدمت میں پہنچو تو ان سے فَرَج کے بارے میں پوچھ لینا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا!!

یاداشت 27

(24صفر1425)

اس ملاقات میں آیت اللہ بہجت کمزور نظر آئے ۔ وہ اچھی طرح بات بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن جب گفتگو گرم ہوئی تو ایک گھنٹہ سے زیادہ باتیں ہوتی رہیں ۔اس ملاقات کے چند مطالب یہ تھے :

1۔ترکِ معصیت پر شکر بجالانا

پہلا جملہ یہ تھا کہ ''ایک دن ایسا گزر جائے اور اس دن رضائے خداوندی کیخلاف کوئی کام سرزد نہ ہوا ہو تو اس کا بھی شکرادا کرنا چاہیے۔

۲۔امامؑ کے علم کی وسعت

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ''مہم یہ ہے کہ ہمیں یقین ہو کہ یہی بات جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں قبل اسکے کہ یہ آپ کے کان میں پہنچے امام زمانہ (عج) اس بات سے آگاہ ہیں۔

۳۔سید مرتضٰی کشمیری کی غیب گوئی

آقا بہجت نے فرمایا کہ ''سید مرتضٰی کشمیری ان افراد میں سے ایک تھے کہ غیبی خبر بتانا ان کیلئے عام سی بات تھی ۔انکے ہمراہ رہنے والوں میں سے ایک نے یہ بات نقل کی کہ میں ان کے ساتھ تھا جب میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ امامؑ معصوم کے علاوہ بھی کوئی غیب کی خبر جان سکتا ہے ؟ تو انہوں نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا "نِعَمَ الْمُؤْمِنُوْنَ یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ" .جی ہاں ! مومنین بھی غیب جانتے ہیں۔

ان کا بیٹا نقل کرتا ہے کہ میرے پاس سے ایک چیز گم ہو گئی میں نے کہا کہ میں نے ہر جگہ تلاش کیا ہے لیکن وہ چیز نہیں ملی تو آقا بہجت نے فرمایا کیا تم نے چھت پر جا کر بھی دیکھا ہے میں نے کہا نہیں ! جب میں چھت پر گیا تو وہ چیز وہاں پر موجود تھی۔

۴۔ قرآن کا زندہ ہونا

آقا بہجت قرآن کے حفظ کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ”کوئی ایسا کام کرو کہ جس سے احساس ہو کہ قرآن زندہ ہے تو پھر آپ قرآن سے نئے نکات کو سمجھو گے اور آپ کے پاس جو حفظ ہو چکا ہے اس کا تکرار ایسے نہ کرو کہ جس سے اکتا جاؤ۔ قرآن کے ایک جز کا دن رات میں تکرار ٹھیک اور کافی ہے اور اسے بھی تین حصوں میں تقسیم کر لو۔ ایک شخص اسی سال (۸۰ سال) کی عمر میں پہنچ کر کہتا ہے کہ میں ایسا ہو گیا ہوں کہ قرآن کے ایک جز کا بھی تکرار نہیں کر سکتا۔

۵۔ مرحوم طبرسی کی قبر کا منتقل کرنا

آیت اللہ بہجت فرماتے ہیں کہ آقای خامنہ ای کو میں نے پیغام بھیجا کہ مرحوم شیخ طبرسی کی قبر کو اپنی پہلی جگہ سے منتقل نہ کریں کیونکہ ممکن ہے یہ عمل دوسرے لوگوں کیلئے بہانہ بن جائے کہ آئمہ کی قبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ یہی بات میں نے آقا طبسی (آستان قدس رضوی کے متولی) سے کہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قبر نہیں کھودی، میں نے کہا کہ میری مراد قبر کھودنا نہیں ہے بلکہ میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں بعد میں میرے اس اعتراض کو قبول کر لیا۔[1]

۶۔ مرحوم مدرس کی مشہد منتقلی کی وصیت

آیت اللہ بہجت نے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مرحوم سید حسن مدرس کو میں نے نیند اور بیداری کے درمیان دیکھا۔ وہ اپنے عصاء کے ساتھ اوپر آ کر بیٹھ گئے ان کو کچھ تکلیف تھی لیکن مجھے کچھ کہا نہیں، میں نے خود احساس کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی قبر اس اجنبی مقام سے مشہد منتقل ہو جائے تو بہتر ہے۔ میں نے یہ پیغام دے دیا ہے۔ پتہ نہیں کہ اب تک ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

---

[1] شیخ طبرسی صاحب تفسیر مجمع البیان، امام رضا علیہ السلام کے حرم کی توسیع کے وقت ضرورت پیش آئی تو بغیر قبر کو کھودے تھوڑی سی جگہ بدل دی گئی

7۔ مرحوم مدرس کی شہادت

آقای بہجت نے فرمایا کہ رضا خان نے پہلے کہا تھا کہ آقائے مدرس کو ایک اور جگہ قتل کیا جائے لیکن وہ جگہ سرحدی پوائنٹ تھا۔ للذا اس نے رائے کو بدل دیا اور دوسری جگہ پر اس شہر کے پولیس افسر کے ذمہ لگایا کہ وہ ایسا کرے جب اس نے انکار کیا تو پھر کاشمر شہر میں پہلے ان کو زہر دیا گیا جب زہر نے اثر نہ کیا تو پھر دو آدمیوں نے ان کے گلے میں رسی باندھ کر ان کو شہید کیا۔

۸۔ امام عصر(عج) کی زیارت عالم رویاء میں

آقا بہجت نے فرمایا جو امام زمانہ (عج) کا عاشق ہے وہ کم از کم خواب میں آپؑ کو دیکھ لیتا ہے اگر بیداری میں نہ دیکھ سکے۔ ایک دفعہ میں نے انکی عالم رویاء میں زیارت کی تو ایک ایسے شخص کی عمر کی شکل میں جس کی عمر ہزار سال ہے آپؑ کے محاسن بلند تھے لمبا قد تھا پھر میں نے ان کو ایک تیس سالہ جوان کی شکل میں دیکھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ وہ ہزار سال سے زیادہ عمر کے ہیں۔ تیسری بار دونوں حالتوں میں زیارت کی۔[1]

۹۔ پیش گوئیوں کا صحیح جائزہ لینا

محی الدین نے مکہ کے بارے جو پیش گوئیاں کیں جو گزشتہ سال ظاہر ہوئی ہیں اور کچھ اس سال مکہ میں ظاہر ہوئی ہیں میں نے ان کے بارے میں پوچھا کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ کچھ لوگ امام عصر(عج) کی خدمت میں پہنچے ہوں اور ان کا مدعا سچ ہو ؟ آیت اللہ بہجت نے جواب میں فرمایا کہ اس قسم کی باتوں کی سچائی کو بنیاد بنا کر وہ امور جنکی صحت بارے ہمیں یقین ہے اسے نہ چھوڑیں، نیز فرمایا ممکن ہے وہ سب ٹھیک ہوں بشر طیکہ ہمارے ہاں جو معیارات ہیں انکی مخالفت نہ ہو۔ اسی طرح میں نے سوال کیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرتؑ (امام عصرؑ) نے اس کو تذکّر نہ دیا ہو کہ تم جس فقہ پر ہو وہ ٹھیک نہیں ہے ؟ امامؑ نے فرمایا ممکن ہے کہ آپ فروعات میں تذکّر دینا ضروری نہ سمجھتے ہوں۔

[1] تیسری بار زیارت کی وضاحت میں فرمایا کہ جب دور سے دیکھا تو تیس سالہ لگے لیکن قریب آئے تو ایسا لگا کہ ہزار سال سے بھی زیادہ کے ہیں۔

۱۰۔آخوند ملا فتح علی کی آیت اللہ حائری اور شیخ فضل اللہ نوری کے بارے پیش گوئی

آقای بہجت نے فرمایا کہ شیخ عبدالکریم حائری نے بیان کیا کہ وہ مرزا محمد تقی شیرازی کی مجلس میں موجود تھے اور آقا فضل اللہ نوری بھی وہاں موجود تھے ایک شیخ (اخوند ملا فتح علی) آیا جس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو مرزا محمد تقی نے ان کا بہت زیادہ احترام کیا۔ اس مجلس میں ایک سوال ہوا تو آخوند ملا فتح علی نے کہا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے کہ جیسے تم سمجھتے ہو صحیح مسئلہ اس طرح ہے۔ مرزا محمد تقی نے اسکے مطلب کو لکھ لیا اور پڑھ کر انہیں سنایا اور پھر پوچھا کیا مطلب اسی طرح ہے؟اخوند نے جواب دیا جی ہاں!ایسے ہی ہے۔اس کے بعد آخوند فتح علی نے میری طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مرزا نے کہا کہ یہ فلاں شخص ہے تو آخوند نے پھر کہا کہ یہی وہ عبدالکریم ہیں جو حوزہ علمیہ قم کے مؤسس ہوں گے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ وہی ہو پھر فضل اللہ نوری کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہیں؟انہوں نے بتایا کہ یہ فضل اللہ ہیں تو اخوند نے کہا کہ یہ فضل اللہ ہیں جنہیں تہران میں پھانسی دی جائے گی؟ایسا نہ ہو کہ یہ وہی ہوں۔ شیخ عبدالکریم بتاتے ہیں کہ ان تمام باتوں کے باوجود میرے لئے آخوند ملا فتح علی کی میرے نزدیک زیادہ اہمیت نہ تھی لیکن جب میں نے دیکھا کہ جب وہ جانے لگے تو مرزا نے انکے سامنے اس کے جوتے جوڑ کر رکھے۔

(آخوند فتح علی اپنے زمانہ کے بہت بڑے عارف تھے)

یاداشت 28
(25شوال 1425)

میں جب اس دن آیا توآیت اللہ بہجت کی حالت پچھلی ملاقات سے بہتر تھی۔ ان کے بیٹے نے بتایا کہ بابا نے ماہ رمضان کے روزے بھی رکھے ہیں۔

1۔ مرحوم نخودکی کاامام خمینیؒ کیلئے دستور العمل

میں نے سوال کیا کہ جوانی میں امام خمینیؒ کی شیخ حسن علی نخودکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ امام خمینیؒ نے ان سے دستورالعمل لیا تھاکہ ہر نمازکے بعد تین دفعہ سورہ قل ہو اللہ احد، تین دفعہ صلوات اور تین دفعہ "من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً"[1] پڑھا کریں کیا یہ بات صحیح ہے؟

اسکے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ امام خمینیؒ سید احمد زنجانی کے ہمراہ شیخ حسن علی نخودکی کے پاس جاتے تھے کہ ان سے علم کیمیاء حاصل کریں۔ وہ جواب دیتے کہ کیا تم اس پابندی کا وعدہ کرتے ہو اللہ کی مرضی کے خلاف اسے خرچ نہ کروگے مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کی پابندی کا وعدہ نہ کرتا۔ نخودکی فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ایسا عمل دیتاہوں جو کیمیاء سے بہتر ہے اور انہیں یہی دستورالعمل عطاکیا۔ آیت اللہ بہجت نے کہا کہ مجھے اذکار کی ترتیب یاد نہیں لیکن فرمایا کہ بحار الانوار میں بھی یہ موجود ہےاور مرحوم نخودکی نے اسکے ایک حصہ کو وہیں سے لیا ہے۔

آیت اللہ بہجت نے مزید اضافہ کیاکہ اگر آقا خمینیؒ، آقا نخودکی سے یہ کہتے کہ میں کیمیاء کو استخارہ دیکھ کر مصرف میں لے آؤں گاتو شاید وہ انہیں دے دیتے۔ شیخ حسن علی نے امام خمینیؒ سے کہا تھاکہ یہ ایسادستورالعمل ہے جو ہر حاجت کیلئے مناسب ہے۔ (آقاری شہری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بڑے بھائی حجۃ الاسلام والمسلمین آغا علی اکبر سے سنا تھاکہ انہوں نے ایک واسطہ سے یہ بات آیت اللہ حاج آقاامام خمینیؒ سے نقل کی تھی کہ امام خمینیؒ جوانی میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک کے ہمراہ مشہد میں شیخ حسن علی نخودکی کے پاس ملاقات کیلئے جاتے تھےاوران سے کچھ تقاضا کرتے تھے۔

---

[1] سورۃ طلاق، آیت: ۲۔۳

آغانخودکی نے ان سے کہا تھاکہ ہر نماز واجب کے بعد تین دفعہ سورہ توحید پڑھو، تین مرتبہ صلوات پڑھو اور تین مرتبہ پڑھو" من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللہ فھوحسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیٔ قدرا "[1]

امام خمینیؒ نے فرمایا کہ جو ہمارا ساتھی تھا اس نے وقفہ دے کر اس وصیت پر عمل کیا [یعنی مسلسل نہیں پڑھتا تھا درمیان میں وقفہ آجاتا تھا] لیکن میں اس وقت سے لے کر آج تک اس کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہوں میرے پاس جو کچھ ہے اس عمل کی وجہ سے ہے۔

البتہ حاج مصطفیٰ کی طرف سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ اس ملاقات میں امام کے ہمراہ جو تھے وہ سید صادق لواسانی تھے لیکن صحیح بات وہی ہے جو آیت اللہ بہجت نے بیان کی ہے۔

۲۔ علم کیمیاء لینے کی خواہش

اسی طرح میں 1383 میں حرم امام رضاؑ میں آیت اللہ موسیٰ شبیری زنجانی سے اس درخواست کے بابت دریافت کیا جو امام خمینیؒ نے آقا حسن علی نخودکی سے کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ واقعہ میں نے خود اپنے بابا حضرت آیت اللہ سید احمد زنجانی سے نہیں سنا لیکن ایک طالب علم سید صادق بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور میں آپ کے بابا کی نماز جماعت میں گیا میں نے دیکھا کہ وہ قطب راوندی کی قبر کے سرہانے پر ہیں اور فاتحہ پڑھ رہے ہیں میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس نسخہ کیمیاء ہے تو انہوں نے کہا کہ آؤ چلیں ناشتہ گھر پر کریں میں بھی انکے ساتھ گیا اور پھر انہوں نے میرے لئے بیان کیا کہ ہم ایک سال آقا خمینیؒ کے ساتھ مشہد میں موجود تھے۔ ہم حرم میں پہنچے وہاں شیخ حسن علی موجود تھے مفاتیح الجنان (گویا نئی چھپی تھی) سے زیارت پڑھ رہے تھے تو آیت اللہ خمینیؒ نے ان سے کہا کہ میرا آپ سے ایک کام ہے تو شیخ نے کہا سید، ابھی مجھے اجازت دو کہ میں زیارت پڑھ لوں اور طے ہوا کہ شیخ حر عاملی کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر بات کریں گے۔ شیخ نے جب زیارت تمام کرلی تو وہ آئے۔ آیت اللہ خمینیؒ کی خواہش تھی کہ وہ انہیں کیمیاء کی تعلیم دیں تو شیخ نے کہا کہ اگر علم کیمیاء تمہارے پاس ہو اور تمہارے پاس یہ

[1] سورۃ طلاق، آیت: ۲۔۳

طاقت آجائے کہ تم دنیاکے پہاڑوں کو سونے میں تبدیل کرلو توتمہیں اس بات پر اطمینان ہے کہ اس علم سے غلط استفادہ نہیں کروگے؟ تو امام خمینیؒ نے جواب دیا کہ نہیں! پھر انہوں نے فرمایا اگر مطمئن نہیں ہوتو میں ایک بات آپ کو بتاتاہوں کہ جس کی وجہ سے تمہاری کوئی بھی مالی مشکل موجود نہ رہے گی اور تمہارے لئے کوئی خطرہ بھی نہ ہوگا اور وہ عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تین دفعہ قل ہو اللہ احد، تین دفعہ صلوات اور تین دفعہ " من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً۔۔۔"[1] پڑھا کرو۔

حاج آغا موسیٰ نے مزید بتایا کہ ''اس کے بعد ایک مرتبہ اسی واقعہ کو میرے بابا سے بیان کر رہے تھے کہ میں نے اس کے آخری جملے ان سے سنے ایک اور نکتہ میں اس جگہ بیان کرتاہوں کہ شیخ نخودکی کا بیٹا آقای مقدادی[2] سے ایک واسطہ سے میں نے سنا ہے کہ وہ سورہ توحید سے پہلے آیت الکرسی کو بیان کرتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہ روایت میں آیا ہے۔[3]

۳۔ علم کیمیاء اور علم جفر

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ سید عبدالحسین نائینی بیان کرتے ہیں کہ مدرسہ صدر تہران میں ایک شخص تھا جس کے پاس علم کیمیا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور یہ مواد عطاری سے لے آؤ اور میرے پاس بیٹھو۔ میں تمہارے سامنے ان کو جوڑوں گا تاکہ تم بھی اسے یاد کرلو۔ مگر مجھے اس کے متعلق کوئی شوق نہیں تھا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے مجھ سے پھر کہا کہ جاؤ اور یہ مواد لے آؤ میں اس کیلئے پیسے خود دیتاہوں پھر بھی میں نے دیکھا کہ میرے اندر اس بارے میلان نہیں اور میں نے ایسا نہ کیا۔

اسکے بعد میں نے حاج آخوند نائینی (عبدالحسن) کو دیکھا تو میرے ذہن میں آیا کہ میں ان سے درخواست کروں کہ وہ مجھے علم جفر سکھائیں جب میں نے ان سے یہ خواہش کی تو انہوں نے فرمایا: تھوڑا صبر کرو میں خود جفر سے اس بارے سوال کرتاہوں کچھ عرصہ بعد انہوں نے بتایا کہ

---

[1] سورۃ طلاق، آیت: ۲۔۳

[2] شیخ علی مقدادی جو ستائیس اسفند ۱۳۸۸ میں فوت ہوئے ہیں۔

[3] اگرچہ بعد میں یہ اضافہ نخودکی کے بیٹے نے بیان کیا ہے لیکن آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے جو اپنے بابا کا زندگی نامہ لکھا ہے اس میں ایسا کوئی اضافہ ذکر نہیں کیا (اس سے مراد انکی کتاب نشان از بے نشا نہا ہے]

آپ کیلئے جفر سیکھنا درست نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اگر میں نے اس علم کو جان لیا تو میں اسکا اظہار کروں گا اور یہ میرے نقصان میں جائے گا۔ میں نے حاج آخوند سے پوچھا کہ کیا آپ نے علم جفر کو کتاب 'گوہر شب چراغ' سے لیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں! وہاں سے ہی لیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں بکھرا ہوا لکھا گیا ہے اور میں نے اسے مرتب اور منظّم کرلیا ہے۔

۴۔ ہم آپ کے حالات سے غافل نہیں ہیں!

آقا بہجت کہتے ہیں کہ مرزا عبدالعلی تہرانی کے مریدوں میں سے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں مالی بحران کا شکار تھا اور ایک وقت کی روٹی بھی سیر ہو کے نہیں کھا سکتا تھا۔ اس حالت میں، میں امام زمانہ (عج) سے متوسل ہوا۔ خاص دعا چھت پر بیٹھ کر پڑھی اگلے دن کے لیے ہم نے اشکنہ (خاص قسم کی نذر) بنائی ہوئی تھی۔ مجھے عبدالعلی نے اپنے پاس مہمان بلایا ہوا تھا ہم چند لوگ موجود تھے، ان افراد میں شیخ مرتضیٰ زاہد بھی موجود تھے ہم نے جب کھانا کھالیا سب چلے گئے، مگر میں اور شیخ مرتضیٰ، الحاج مرزا عبدالعلی کے گھر میں تھے اور خود کو گرم کرنے کیلئے گرم کرسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے شیخ مرتضیٰ نے بات کرنا شروع کی اور کہا کہ نجف میں سید حسن مدرس مالی مشکل میں تھے انکی ایسی حالت تھی کہ ایک وقت کا کھانا بھی انکے پاس اپنے بچوں کے لئے نہ تھا کہ وہ سیر ہو کر کھا سکتے۔ امام عصر (عج) کی خدمت میں وہ درخواست چالیس دن تک لکھتے رہے۔ چالیسویں دن اس نے اپنے گھر کے اندر سے آواز سنی کہ ہم تمہارے حالات سے غافل نہیں ہیں اور اسکے بعد انکے مالی حالات بدل گئے اور انکی مشکل حل ہو گئی۔ شیخ مرتضیٰ نے یہ مطلب نقل کیا تو میری حالت بھی ٹھیک ہو گئی اس طرح کہ میری کوئی مالی مشکل باقی نہیں رہی۔

۵۔ آب زمزم اور سید الشہداءؑ کی تربت کا اثر

آقا بہجت نے فرمایا آب زمزم اور خاک سید الشہداءؑ جہاں بھی اس کا استعمال کیا جائے اس کا اثر یقینی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص حاجت کے پورا ہونے میں مصلحت نہ ہو البتہ اسکے عوض اللہ تعالیٰ کچھ اور دے دیتا ہے جو اس سے بھی بہتر ہوتا ہے جو ہم مانگ رہے ہوتے ہیں۔

۶۔انجیل برنابا کے صحیح ہونے کی بات

آقا بہجت نے فرمایا انجیل برنابا کے مطالب ٹھیک ہیں جس میں براہ راست حضرت عیسیٰؑ سے نقل کیا گیا ہے فقط اس میں دو اشتباہ ہیں جیسے وہ کہتا ہے پیغمبرؐ اسلام اور علیؑ ان دو میں سے ایک اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں اور ایک اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہیں یہ بات غلط ہے۔

۷۔ قبور بنانے کی قرآن سے گواہی

آقا بہجت نے فرمایا کہ شاہ فیصل کا زمانہ تھا اس نے تہران سے علماء کے ایک گروہ کو مکہ بلایا ہوا تھا اور اس گروہ کی شاہ فیصل سے ملاقات کے دوران قبور بنانے کے بارے بات ہوئی تو شیخ بہاؤ الدین نوری جو شیخ عبدالنبی نوری کے بیٹے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر ہم قرآن سے دلیل لے آئیں تو قبول کرلوگے شاہ فیصل نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے تو شیخ بہاؤالدین نے وہاں پر آیت تلاوت کی: (قال الذین غلبوا علی امرھم لاتخذنا علیھم مسجدا)[1] شاہ فیصل نے اس کا جواب دیا کہ "کانی لم اسمع بھذہ الآیۃ" (یعنی ایسا لگتا ہے کہ میں نے اتنی بدیہہ اور واضح آیت کو کبھی سنا ہی نہیں!)

8۔آیت اللہ بہجت کو خدا حافظ کہنا

آیت اللہ حاج شیخ علی سعادت پہلوانی تہرانی (مرحوم) کا جب آپ کے پاس ذکر ہوا تو آپ نے ان کے بارے فرمایا: آقای پہلوانی وفات سے چند دن پہلے یہاں آئے تھے اور کہا تھا کہ میں نے دو تین سال سے آپ کو نہیں دیکھا تھا جبکہ دوسروں سے انہوں نے کیلئے انہوں نے بیان کیا کہ میں آیت اللہ بہجت کے پاس خدا حافظی کیلئے جا رہا ہوں۔

9۔حفظ قرآن کی ترغیب

اس سال کے حج میں قرآن کی محوریت و مرکزیت کے حوالے سے فرمایا: دوستوں سے کہو کہ وہ قرآن حفظ کرنے پر توجہ دیں قرآن حفظ کرنے کی کوشش کریں اس کیلئے باقاعدہ پروگرام ترتیب

---

[1] سورۃ کہف، آیت: ۲۱

دیں روزانہ پانچ آیات حفظ کریں ایسا کرنا مشکل نہیں شیطان کہتا ہے یہ مشکل ہے بلکہ شیطان کہتاہے یہ محال ہے۔ایک شخص جو گیلانی تھااور اہل علم میں سے تھااور مشھد کا رہائشی تھاوہ کہتا تھاکہ دو تین ماہ میں ،میں نے قرآن پڑھا اتفاق سے میں نے دیکھا کہ میں تو پورے قرآن کا حافظ ہو چکاہوں۔ حالانکہ قرآن حفظ کرنے کا میراارادہ نہیں تھا اور انہوں نے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا" من قرءالقرآن فقد استدرجت النبوۃ بین جنبیہ غیرانہ لایوحی الیہ"[1]

(یعنی جو بھی قرآن پڑھ لیتا ہے تو نبوت اسکے دونوں پہلوؤں میں آجاتی ہے لیکن اس پر وحی نہیں ہوتی۔) اور فرمایاکہ شرط یہ ہے کہ قرآن اہل بیتؑ سے جدانہ ہوں اور اہل بیتؑ قرآن سے جدانہ ہوں۔

10۔ مکی اور مدنی ہونے کی تاکید

آیت اللہ بہجت نے آیت اللہ مشکینی کیلئے پیغام بھجوایاکہ قرآن جو چھاپ ہوتے ہیں تو ان میں مکی اور مدنی سورتوں کا ذکر سورتوں کے ابتداء میں لایاجائے۔

[1] مستدرک الصحیحین ج۱ص۷۸۳۔ثواب الاعمال ج۲ص۲۲۵،ص۲۷۵۔کنزالعمال ج۱ص۴۳۵

یاداشت 29

(24 ربیع الاول 1426 ہجری)

1۔ قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم ہونا

شیخ علی زاہد قمی سے نجف اشرف میں یہ کہا گیا کہ دعا کرو کہ اس ماہ رمضان میں، میں روزہ رکھنے میں کامیاب رہوں تو شیخ علی نے کہا میں یہ دعا نہیں کروں گا پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو جواب دیا کیونکہ قضائے الٰہی کے آگے تسلیم ہونے کی زیادہ اہمیت ہے۔

۲۔ شیخ محمد حسین اصفہانی کی وفات کی کیفیت

آقا بہجت نے فرمایا کہ آقا طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ شیخ محمد حسین اصفہانی اپنی عمر کے آخری ایام میں کہتے تھے کہ "اب کوئی خواہش میرے وجود میں باقی نہیں رہی حتیٰ کہ میرے اندر اپنے بیٹے کی شادی کے مراسم دیکھنے کی بھی خواہش نہیں رہی اور خدا سے یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں سے برزخ میں لے جائے اور برزخ سے آگے چلا جاؤں اور پھر واپس نہ آؤں" ۔ یہ بات انکی اپنی موت کے بارے پیش گوئی تھی کہ ہم انکی اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ انکو موت کس طرح آئے گی۔ برزخ عالم خواب ہے اور وہاں سے پھر اور برزخ میں جانا یعنی موت کی طرف، ہم تو اس وقت اس کا مطلب نہیں سمجھے ہم ایران آگئے اور انکی وفات کے بعد ہم نے یہ بات سنی کہ شب وفات وہ اس رات پانچ گھنٹے تک اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ تھے اور پھر جا کر سوگئے اور ان کا پروگرام یہ ہوتا تھا کہ وہ نماز فجر سے دو گھنٹے پہلے نماز کیلئے اٹھتے تھے لیکن اس رات وہ نہیں اٹھے جب جا کر دیکھا گیا تو وہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔

۳۔ شیخ محمد حسین اصفہانی کی وفات سے چند دن پہلے

آقا بہجت نے فرمایا کہ شاید محمد حسین اصفہانی وفات سے دو تین دن پہلے میں نے خود ان سے یہ سنا کہ اب اس دنیا سے میری کوئی خواہش باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ میں اہل علم کی تربیت کروں۔

4۔ مذہب اہل بیتؑ کی ہدایت پانے کی اہمیت

میں (ری شہری) نے نائجیریا کی خاتون جو حج کے مراسم میں مذہب اہل البیتؑ سے مشرف ہوئی تھی[1]، کے متعلق آقای بہجت کو بتایا تو وہ یہ واقعہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

[1] نائیجیریا کی ایک خاتون مذہب اہل البیتؑ سے کس طرح مشرف ہوئی، اس میں ایک ایرانی خاتون کا کردار ہے، وہ ایرانی عورت بیان کرتی ہے کہ مکہ شہر، مسجد الحرام میں، میں ایک دن ایک نائجیریائی عورت سے آشنا ہوئی۔ جو اپنی ساتھیوں کے ساتھ نماز کی جماعت کی صف میں بیٹھی تھی اس کا نام خدیجہ تھا۔ جب اس کے ساتھ بات شروع ہوئی تو وہ بات سیاسی قسم کی تھی اور سیاسی بات سے چلتے چلتے بحث کو میں دینی اور مذہبی بحث کی طرف لے گئی۔ اس طرح ولایت اور امامت کی بات شروع ہو گئی اور یہ کہ شیعہ سنی کا بنیادی فرق اسی نظریہ سے ہے اور میں جو کہتی جاتی تھی گویا یہ ساری باتیں اسکے لئے بڑی واضح تھیں اور اپنے سر کو ہلا کر سب باتوں کی تائید کرتی جا رہی تھی۔ میں نے بھی اپنی اس بات کو جاری رکھا۔ ایک بار اس نے مجھے روکا اور کہا کہ اب یہ سارا بتانے کی ضرورت نہیں تم جو کہہ رہی ہو مجھے قبول ہے۔ فقط مجھے یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟ صحیح عمل کیا ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ ایسا ٹھیک نہیں ہوتا کہ انسان جو سنے اسے بغیر دلیل و منطق کے قبول کرلے یہ تو عقل مندی نہیں۔ یہ سنکر اس نے مجھ سے کہا کہ چند راتیں پہلے میں نے خواب دیکھا خواب میں حضور پاک ﷺ تشریف لائے میں نے دیکھا وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں تمام مسلمان جو مسجد الحرام میں حاضر تھے وہ پیغمبر ﷺ کی طرف دوڑ رہے تھے وہیں پر ایک شخص کوشش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی انگلی کو اس نور سے لگالے اور اس نور کو پکڑلے جو رسول اللہ ﷺ سے پھوٹ رہا ہے لیکن وہاں تک نہیں پہنچ سکے سب اس نور سے فیضیاب ہونے کیلئے بے تاب تھے۔
جس جگہ پیغمبر ﷺ بیٹھے تھے اسکے پیچھے مخصوص سیڑھیاں تھیں وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے جو دوسروں سے ان کو علیحدہ کر رہے تھے وہ خاص حضرات تھے اور آپؐ انہی حضرات کے حصار میں تھے اور میں تیزی سے ان کی طرف گئی اور اس نور کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ اس نور سے کچھ فائدہ اٹھاؤں میں نے دیکھا کہ میرے سامنے بھی رکاوٹ آگئی اور مجھے کہا گیا کہ یہ خاص لوگوں کی جگہ ہے اور آپ اس دائرہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا میں تو انکے وصال کی عاشق ہوں میں نے کونسا ایسا عمل نہیں کیا جو انہوں نے کیا ہے؟ تو نور رسالت کی جانب سے میرے لئے آواز آئی کہ ایک سفید پوش عورت تمہارے قریب آئے گی تو وہ عورت تمہیں ہم تک پہنچنے اور اس حصار کو توڑنے کا طریقہ تمہیں بتائے گی تم اس وقت تک انتظار کرو۔
میں چند دن سے یہاں موجود ہوں اور میری عجیب حالت ہے اور میں کافی دنوں سے منتظر تھی کہ تم میرے پاس آگئی ہو اور جو کچھ تم نے میرے لئے بیان کیا ہے، یہ وہی حصار تھا اور وہ حصار، ولایت کا حصار تھا جو میں نہیں جانتی تھی اور مجھے اسکا پتہ بھی نہیں تھا کہ پیغمبر ﷺ تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے، اب میں چاہتی ہوں کہ مجھے ترتیب بتائیں کہ میں رسول ﷺ کے قریب تر ہو جاؤں مجھے بتاؤ کہ میں کیا عمل کروں؟
خدیجہ کی عجیب حالت تھی اور پہلی بار تھا کہ مجھے اس قسم کی مشتاقانہ باتیں کرنے والی خاتون ملی تھی اور وہ والہانہ انداز سے سب کچھ قبول کر رہی تھی میں نے اسے "بعثت حج" والے دفتر میں آنے کی دعوت دی اس نے اسے قبول کر لیا اور بعثتِ حج کے علماء میں سے ایک کے ساتھ میں نے انکی ملاقات کروائی۔ اس طرح انہوں نے باقاعدہ شیعیت کو قبول کیا اور حج کے بعد تقلید کے حوالے سے رسالہ بھی ان کو بھیجا گیا۔ خدیجہ کہتی ہے کہ جس وقت

اس کام کی بہت زیادہ اہمیت ہے یہ ایسا عمل ہے کہ اگر تو اپنی پگڑی کو اوپر پھینکو تو وہ عرش تک جا پہنچے گی پھر وصیت کی کہ یہ تمہارے لئے واجب ہے آپ امیر حجاج ہوں یا نہ ہوں۔ پھر فرمایا ایسے لوگوں کیلئے ہدیہ بھیجو کتاب بھیجو اور ان مطالب کو کتاب کی شکل میں نشر کرو۔

۵۔ ذکر کا دوام اور لقاء اللہ

میں (ری شہری) نے عرض کیا کہ کس طرح یقین تک پہنچ سکتا ہوں؟ میں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آیت اللہ حاج آقا رضا بہاؤ الدینی فرماتے تھے کہ یقین میں، میں اس منزل پر پہنچا ہوں کہ جیسے "کالشمس فی رابعة النهار" آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ایک راستہ تو یہ ہے کہ علمی مسائل میں تفکر کرو جو انسان کو علم الیقین تک پہنچا دیتا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ دائمی ذکر کرو اصل بات جو انسان سے طلب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دائم الذکر ہو، جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ تین چیزیں انجام دو۔ " ذكر الله على كل حال، ذكر الله فى كل موطن اذا هممت على طاعته او معصيته " (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا، ہر جگہ اللہ کا ذکر کرنا، اطاعت کی حالت میں بھی ، معصیت کی حالت میں بھی۔) اہل بیتؑ یقین کے اس مرتبہ پر تھے کہ شہادت کا انتخاب کرتے ہیں۔

ذکر کے دائمی و جاری رکھنے کیلئے مراقبت کی میں دوام لازمی ہے۔ لقاء اللہ کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں نماز گزار میں دلجمعی اور گرم جوشی پیدا ہو اور لقاء اللہ کا بلند ترین درجہ ایسی حالت کا پیدا ہونا ہے جس کی طرف حدیث قرب نوافل میں اشارہ ہوا ہے۔

مہم نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق کی تجلی جب دل پر ہو جاتی ہے تو کچھ لوگ ایسا تصور کر لیتے ہیں کہ انہوں نے جسے دیکھا ہے وہی خود خدا ہے ۔ یہ دقت نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ دل کا دیکھنا بھی آنکھ کے دیکھنے کی مانند ہے ممکن ہے کہ اس جگہ خطا کرے۔ جو کائنات کی خدا کے ساتھ وحدت حقیقیہ کے قائل ہوئے ہیں انہوں نے اس جگہ خطا کی ہے "لما تجلى ربه للجبل

خواب کی حالت میں میں نے حضور پاک ﷺ کی آواز سنی اس وقت میرے ساتھ کاروان کے چند لوگ موجود تھے اور جب اس سفید عورت نے باتیں بتائیں تو عجیب یہ ہے کہ وہی لوگ وہاں پر بیٹھے تھے جو لوگ خواب میں میرے ساتھ بیٹھے تھے۔ الحمد للہ میں نے راہ حق اور حقیقت کو پالیا ہے اور خدا کی اس نعمت پر شاکر ہوں۔

جعلہ دکا وخرموسی صعقا"[1] خداوند کا جلوہ اوراسکی تجلی خداکے علاوہ ہے تجلی خداکا فعل ہے وہ خدا نہیں ہے۔

ذکر کا دوام انسان کو یقین کے مرتبے تک پہنچاتا ہے کیاایسا ممکن ہے کہ جو دائم الذکر ہو اور اسے یقین حاصل نہ ہو؟ایسا نہیں ہو سکتا۔ابتداء میں انسان خیال کرتا ہے کہ یہ کام مشکل ہے کیونکہ اسکے سامنے بڑا پہاڑ کھڑاہوتا ہے لیکن وہ آہستہ آہستہ سمجھنے لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہے وہ آہستہ آہستہ اس حالت میں آجاتا ہے کہ دوسروں سے بات کررہاہوتا ہے لیکن اس کادل خداکے پاس ہوتا ہے۔

[1] سورۃالاعراف،آیت: 143

یاداشت 30

(28 شوال 1426ھ ق)

ا۔ حرمین خشوع تک پہنچنے کا ذریعہ

میں نے آقا بہجت سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں حرمین (یعنی مسجد حرام اور مسجد نبویؐ) میں کونسا عمل کریں کہ خشوع پیدا ہو جائے۔؟

جواب میں فرمایا کہ نماز کی اصلاح کرو "واعلم ان کل شی من عملك تبع لصلاتك"[1] (یعنی یہ بات جان لو کہ تمہارے عمل کا ہر حصہ تمہاری نماز کے تابع ہے) مردِ عارف آقائے قاضی فرماتے تھے "اگر کوئی شخص نماز پنجگانہ کو اول وقت پڑھے تو تمام مقامات عالیہ کو پہنچ جاتا ہے اگر نہ پہنچے تو مجھ پر لعنت کرے۔" یہ نہیں کہا کہ اچھے انداز میں پڑھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز بھی پڑھے مگر خود یہی عمل یعنی نماز اول وقت میں نماز پڑھنا حضورِ قلب پیدا کرتا ہے۔[2]

۲۔ ابن عربی کے مذہب کے بارے میں سوال

میں نے سوال کیا کہ ابن عربی آپ کی نظر میں شیعہ تھے؟ آیت اللہ بہجت نے جواب دیا کہ ابن عربی غزالی کی طرح ہیں وہ شیعہ ہو چکے تھے لیکن اُن کی کتابیں اُن کے سنی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ تاہم وہ اپنے عقیدہ سے پلٹ آئے تھے البتہ ان کا واپس آجانا اور ان کی یہ کتابیں، خدا اسے قبول کرے یا نہ کرے تو یہ اور بات ہے۔ اس کا ہمیں علم نہیں یہ احتمال ہے کہ سیوطی نے بھی شیعہ امامیہ کا مذہب قبول کر لیا تھا۔

---

[1] نہج البلاغہ کے خط نمبر ۲۷ کی طرف اشارہ ہے

[2] (یاداشت نمبر ۳۳ بند ۴ میں بھی بات آئی ہے

ہمیں چاہیے کہ ہم اہل سنت کے ساتھ متحد رہیں۔ اپنے آئمہ کی پیروی کریں۔ ہمارے آئمہ بھی ان کی جمعہ و جماعت میں جاتے تھے۔ ہر فرقہ جو اتحاد کے لئے آمادہ ہو، ہم ان سے اتحاد کریں۔ البتہ جو اتحاد کے مخالف ہیں اور ہمیں کافر جانتے ہیں ان کے ساتھ وحدت کا کوئی معنی نہیں ہے۔[1]

۳۔ صحائف سجادؑیہ کی تعداد

صحائف سجادؑیہ کے حوالے سے آٹھ صحائف تک کا کہا گیا ہے پانچ صحیفے تو ہم نے خود دیکھے ہیں۔ پانچواں صحیفہ، صحیفہ سید محسن امین عاملی والا ہے ہمارے زمانے تک یہ صحیفہ موجود تھا اور دوسرا ایک صحیفہ مرزا علی شہرستانی کے پاس تھا۔[2]

۴۔ حفظِ قرآن کے مراتب

فرمایا کہ حفظِ قرآن بہت اہم ہے ہمیشہ اس فکر میں رہو کہ اس کے حفظ کا جو بلند ترین مرتبہ ہے اسے پالو اور اسکے بعد آقائے بہجت نے ابن ابی الحدید کی بات کا حوالہ دیا جو انہوں نے بار بار نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۲۱ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو شخص حافظِ قرآن ہے اس کے لئے قرآن کے آثار و برکات زیادہ ہونے چاہئیں۔

۵۔ ذکر کا الہام ہونا

آقا بہجت نے فرمایا کہ کوشش کرو کہ خداوند تبارک وتعالیٰ خود اپنے ذکر کا الہام آپ کو کردے "أسئلك ان تلهمنى ذكرك" (میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنے ذکر کا الہام کر)۔ اگر ایسا ہو جائے پھر ایسا ذکر اپنے لوازمات سمیت آتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ ذکر کی ہمیشگی اسکے ساتھ ساتھ آجاتی ہے۔

---

[1] یاداشت نمبر ۱۳ بند 1 اور یاداشت نمبر ۳ بند ۳ میں بھی یہ ہے۔

[2] اس بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت جو ہمارے ہاتھ میں ہے یہ مشہور صحیفہ ہے لیکن یہ ایسا نہیں ہے کہ فقط یہی ایک ہی نسخہ ہو۔ صحیفہ کے پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے متعدد نسخے موجود ہیں اور فہرستگان نسخۂ خطی حدیث و علوم حدیثِ شیعہ (جلد ۹ ص ۴۵۶، ۵۵۷ جلد ۱۳) میں خطی نسخے اور ان کی شرح اور ترجمے صحیفہ سجادؑیہ سید محمد حسین حکیم نے انکے شخصی کتاب خانہ میں موجود ہے شخصی، یونسی، اردبیلی قم اور پژوہش نامہ صحیفہ پر مجید غلامی کا اس پر ذکر ہے۔

۶۔ مرزا کوچک خاں کا انگریز کے سفیر کی تجویز کو قبول نہ کرنا

آقائے خمینیؒ نے بتایا کہ ایک ایسے شخص سے یہ بات نقل کی گئی جو اس میٹنگ میں موجود تھا جو مرزا کوچک خاں کی انگریز کے سفیر کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا سے انہوں نے چاہا کہ اگر وہ انگریز کا ساتھ دیں تو وہ اسے حکومت تک پہنچا دیں گے مرزا نے جواب دیا کہ ایسی حکومت جس کی بنیاد آپ ڈالوگے وہ باقی نہیں رہے گی۔ (آقائے خمینیؒ کو مرزا کی یہ بات اچھی لگی) انگلستان کے سفیر نے جواب میں یہ کہا کہ ہمیں آپ کے ملک کی زمین کی کوئی لالچ نہیں۔ ہم اسکا منافع چاہتے ہیں اگر آپ نے قبول نہ کیا تو دوسرا شخص موجود ہے جو رذیل ترین انسان ہے وہ تمہارے اوپر ہم مسلط کر دیں گے۔ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ میں کچھ دن بعد کرمان شہر میں ہوں گا۔ پھر بصرہ اور پھر میں ہندوستان میں ہوں گا۔ چودہ دن کا تمہارے پاس وقت ہے سوچ لو تاکہ ہم یہ کام تمہارے سپرد کر دیں۔

بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک اور فرماندار جس کا تعلق مرزا سے تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مرزا کو اس نے دیکھا کہ مرزا روتے ہوئے کہتے تھے کس بدبخت نے ناپاک دودھ پیا ہے کہ جس کو ایران کی حکومت کیلئے یہ لوگ پالیں گے۔[1]

۷۔ ابن طاؤس کی عظمت

آقا بہجت نے فرمایا کہ میں نے شیعوں میں معنوی مقامات کے لحاظ سے متقدمین اور متاخرین میں سید ابن طاؤس جیسا کسی کو نہیں پایا۔

۸۔ گم شدہ چیز کے لئے ذکر

آقا بہجت نے فرمایا کہ یہ ذکر "**أَصبَحتُ فِی أَمانِ الله، أَمسیتُ فِی جِوارِ الله**" سات دفعہ گم شدہ چیز تلاش کرنے کے لئے پڑھنا اچھا ہے۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میرا کسی کے ساتھ کچھ کام

[1] یاداشت نمبر ۳۴ بند ۳

تھا۔ مجھے اس کا نام بھی معلوم نہیں تھا اور جگہ کا بھی پتہ نہیں تھا۔ صبح سے لے کر عصر تک میں یہی ذکر بار بار دہراتا رہا تو وہ شخص خود ہی میرے پاس آگیا۔

۹۔ ایک اور دستور عمل

گم شدہ چیز تلاش کرنے کیلئے فرمایا کہ آیت کریمہ : أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرًا[1] کو ۲۰۲ مرتبہ گم شدہ چیز کیلئے پڑھو یہ بہت اچھا عمل ہے۔[2]

---

[1] سورہ حج، آیت : ۷۰

[2] شروع میں آقا بہجت ۲۰۱ یا ۲۰۲ مرتبہ پڑھنے کے بارے میں متردد لیکن پھر فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ ۲۰۲ مرتبہ پڑھنا ہے۔

یاداشت 31

(24 محرم 1427ھ ق)

1۔ اتحاد بین المسلمین کی اہمیت

مسلمانوں کے اتحاد کے بارے فرمایا کہ جو مسلمانوں کی وحدت نہیں چاہتا وہ مسلمان نہیں ہے ہمارے آئمہؑ ان کی نماز جماعت میں شرکت کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں وحدت موجود رہے۔[1]

۲۔ تین اہم وصیتیں

میں نے ان سے نصیحتوں کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

(۱) انسان یہ یقین رکھے کہ اس کا اپنا کچھ نہیں ہے۔ اچھے کام کی نیت بھی خدا کی طرف سے ملتی ہے۔

(۲) ہر حال میں اللہ کا ذاکر رہے اور ذکر کا انجام عجائب و غرائب کا حصول ہے۔ اللہ کا فرمان ہے "انا جلیس من ذکرنی" [2] (میں اس کا ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔)

(۳) اس بات کی طرف توجہ رہے کہ امام عصرؑ کی غیبت جسمانی ہے۔ لیکن کیا ایسا نہیں کہ آپ کی بات قبل اس کے اسے میں سنوں وہ سنتے ہیں (یعنی ہماری ہر بات امام زمانہؑ کے پاس جارہی ہوتی ہے لہٰذا امام زمانہؑ کی موجودگی کا اس حد تک یقین رکھیں۔)

3۔ قرآن کی قرات کی مقدار

آقا بہجت نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ شب و روز میں کتنا قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا عام طور پر ایک جزو سے زیادہ پڑھ لیتا ہوں تو فرمایا ایک جزو کافی ہے آقائے مرزا مہدی شیرازی ماہ

---

[1] یاداشت نمبر ۳۰ بند ۳

[2] الکافی جلد ۲ ص ۴۹۲، الشرائط ج ۱ ص ۲۸۴

رمضان میں جب راتیں لمبی ہوتی تھیں تو حرم امام حسینؑ میں شام سے صبح تک ایک ختمِ قرآن کر لیتے تھے جب دن لمبے ہوتے تھے تو دن میں ایک ختم قرآن کر لیتے تھے۔

یاداشت 32

(1 ذیقعدہ 1427ھ ق)

1۔ اخلاق ابن مسکوایہ کی تدریس ماہ رمضان میں

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ انہوں نے آقا سید حسین باد کوبہ ای (جو فلسفی تھے) ان کے پاس اشارات پڑھی۔ وہ چھٹیوں میں ابن مسکویہ کی کتابِ اخلاق [1] کی تدریس کرتے تھے ایک ماہ رمضان میں انکے درس میں حاضر ہوا جبکہ میں اکیلا ہی تھا۔

2۔ مرزا شیرازی اور ان کے بیٹے کی گفتگو

مرزا شیزازی اپنے بیٹے مرزا سید علی سے کہتے تھے تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو اور کیوں میرے اقدامات میں رکاوٹ بنتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں دیکھ رہا ہوتا ہوں کہ زہر کا پیالہ آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے میں جتنا بھی آپ کو اشارہ کرتا ہوں کہ یہ زہر ہے میں دیکھ رہا ہوتا ہوں کہ آپ اس وقت متوجہ نہیں ہوتے اور ایسے لگتا ہے آپ کا ان پر اطمینان ہے۔ میں مجبور ہو جاتا ہوں کہ پیالہ آپ کے سامنے سے اٹھا لوں۔ [2]

٣۔ فقہ و اصول کے بارے میں تاکید

میں نے کہا کہ حج سے فائدہ اٹھانے کے بارے کوئی وصیت فرمائیں؟ آپ نے جواب دیا خدا سے یہ چاہو تم فقہ و اصول کے بارے موفق رہو۔

---

[1] اس کتاب سے مراد ''طہارۃ الاعراق'' (تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق) ہے۔

[2] کئی سال پہلے اس مطلب کو "وظیفہ اور ذمہ داری" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ (آقا شیخ محمد مروی جو آقای خامنہ ای کے دفتر سے تھے انہوں نے مجھے یہی بات کہی تھی)

4۔خرافات سے مقابلہ

انہوں نے کچھ خرافات کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ تحقیق کے ذریعہ ہی ان کے باطل ہونے کو سمجھا جاسکتا ہے اور فرمایا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک تحریر ضریح میں رکھی کہ تم (صاحبِ ضریح) مجھ سے راضی ہو یا نہیں؟ تو جواب آیا کہ میں تم سے راضی ہوں۔ان باتوں کی کیا ضرورت ہے ؟ایک اور شخص آتا ہے اور وہ اس خط کو لیتا ہے اور اسکا جواب لکھ دیتا ہے پہلا شخص کہتا ہے خط کا جواب آیا ہے، ہمارے پاس صحیح اور غلط کا معیار قرآن ہے " ما خالف القرآن فاضربوہ علی الجدار " (یعنی جو بات قرآن کے مخالف ہو اس کو دیوار پر دے مارو، اسے قبول نہ کرو)

سید زین العابدین مقیمی رضا شاہ کے زمانے کی پارلیمنٹ کے نمائندوں میں سے تھا وہ ہمارے علاقے سے تھا ایک مسئلے کے بارے میں اس نے پارلیمنٹ میں اظہارِ خیال کیا کہ ایک آغا نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد کو نجس کرتا ہے تو اس نے حکم دیا کہ اسے باہر نکال دو پھر اس نے خواب دیکھا کہ ایک شخص نے اسے کہا کہ تم اسے مسجد سے باہر نہ نکالو وہ دوبارہ حکم دیتا ہے اسے باہر نکالو، تیسری بار وہ پھر خواب دیکھتا ہے کہ اس کو باہر نہ نکالو۔ تیسری بار بھی اس نے حکم دیا کہ اس کو باہر نکالو اس دفعہ ایک شخص نے اس سے کہا کہ میں نے تم کو نہیں کہا تھا اس کو مسجد سے باہر نہ نکالو تو اس نے جواب میں کہا کہ تم کون ہو اس نے جواب میں کہا کہ میں صاحب الزمانؑ ہوں تو اس نے کہا میں نے جو کہا ہے وہ ایسی بات ہے جس کو میں نے قرآن و حدیث سے سمجھا ہے۔

(اس واقعہ سے یہ درس ملتا ہے کہ خوابوں سے مسئلے حل نہیں ہوتے مسائل قرآن و حدیث سے سمجھ کر بیان کرنا ہوں گے اور اسی پر عمل کرنا ہوگا۔ مترجم)

۵۔آیت اللہ بہجت کے والد

میں نے آقا بہجت سے سوال پوچھا کہ کیا آپ کے بابا عالم تھے ؟ تو جواب دیا کہ نہیں! لیکن ان کی دینی معلومات بہت زیادہ تھیں وہ شعر کہتے تھے مگر اس بات کے پابند تھے کہ اہل

البیتؑ کی منقبت اور مصائب میں صحیح (مدارک سے) اشعار کہے۔ انہوں نے اہل البیتؑ کے مصائب میں مرثیہ جات بھی کہے ہیں۔[1]

آقا ری شہری فرماتے ہیں، میرے لئے یہ بات قابل توجہ ہے جب میں آقا بہجت سے بات کر رہا ہوتا ہوں تو وہ آغا مجھے کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں یا میری باتوں کو سن بھی رہے ہوتے ہیں تو مسلسل ذکر بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

[1] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدائح اور مراثی کربلائی محمود بہجت کے نام سے ایک تازہ مجموعہ چھپا ہے۔ جس کا نام ''مکن۔ای صبح۔ طلوع!'' (اے صبح طلوع نہ کر) یہ نام ان کے مشہور اشعار سے لیا گیا ہے۔

یاداشت 33
(12 محرم 1428ھ ق)

1۔ سلامتی کی نعمت پر توجہ

احوال پُرسی کے ضمن میں آقا بہجت نے فرمایا کہ انسان کے جو اعضاء سالم ہیں وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ جب اسے تکلیف ہوتی ہے تو جو اعضاء اس کے سالم نہیں ہوتے یعنی جنمیں تکلیف ہوتی ہے اس طرف تو متوجہ ہوتا ہے مگر باقی حصے جو سالم ہیں ان کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی اور اس ایک عضو کی خرابی پر تو شور مچاتا ہے باقی اعضاء کی سلامتی پر شکر نہیں بجالاتا۔

۲۔ فقہی بحث کے بارے میں دوبارہ تاکید

انہوں نے فقہی بحث اور مطالعہ پر زور دیا میں نے عرض کیامیں جو کام "دارلحدیث" میں کر رہاہوں ان میں کمی واقع ہو جائے گی۔ للذا مسجد الحرام میں میں نے استخارہ کیاکہ فقہی بحث کو شروع کروں۔ استخارہ ٹھیک آیا اس لئے میں نے یہ پروگرام بنالیا ہے کہ اس کام کو شروع کر دوں۔ انہوں نے اس ملاقات کے اختتام پر فرمایا کہ اس کام میں سنجیدگی پیدا کرو اور پھر مجھے فقہی بحث کے شروع کرنے اور اسے جاری رکھنے کے بارے بتاؤ۔

(آپ نے فقہی مسائل پر توجہ دینے کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ حدیثوں کا مطالعہ،ان کو مرتب و منظّم کرناان کی موضوع بندی یہ سب ٹھیک ہے لیکن فقہی مسائل پر توجہ اور اس کام بارے زیادہ تاکید فرمائی۔ مترجم)

۳۔ آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کی کرامت

آقا بہجت نے آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی کے بارے یں ایک کرامت نقل فرمائی کہ ایک آدمی جو اہل خراسان میں سے تھا، تین سو تومان شرعی وجوہات لے کر ان کے پاس آیا، اس

زمانے میں تین سو تومان کی بہت بڑی قیمت تھی۔ جب وہ یہ رقم انہیں دے چکا تو وہ پشیمان ہوا کہ اس نے سارے پیسے انہیں دے دیئے ہیں۔ اگر وہ کچھ رکھ لیتا اور باقی علماء کو بھی دیتا تو بہتر تھا۔

اگلی ہی رات اس نے سید کے پیچھے نماز پڑھی جب مغرب و عشاء کی نماز پڑھ چکے تو وہ کہتے ہیں کہ سید ابو الحسن نے اس کی طرف رخ کیا اور کہا کہ آؤ میرے ساتھ چلو وہ اسے ایک ایسی جگہ لے گئے جو حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی قبر کے قریب تھی۔ جسے مقام امام مہدیؑ کہتے ہیں اور وہاں پر آپ نے حضرت سے توسط کیا اور عرض کیا کہ مولاؑ آپ جانتے ہیں کہ جو پیسے اس نے مجھے دیئے وہ سارے میں نے خرچ کر دیئے ہیں۔ اب یہ شخص پشیمان ہو گیا ہے تو میں کیا کروں تھوڑی دیر بعد بالکل وہی تین سو تومان اس شخص کے ہاتھ میں آ گئے اور یوں انہوں نے وہ پیسے اسے واپس کر دیئے۔

۴۔ ذکر میں باقاعدگی (یعنی اسے مسلسل پڑھنا)

ذکر کے دوام (یعنی اسے جاری رکھنے) کے لئے پوچھا تو فرمایا نماز پر توجہ دو اگر نماز ٹھیک ہو گئی تو ساری چیزیں ٹھیک ہو جائیں گی "واعلم کل شی من عملك تبع لصلاتك" (یعنی جان لو کہ تیرا ہر عمل تیری نماز کے تابع ہے) ہر عمل کا معیار نماز ہے۔

۵۔ تعلیم و تعلم کے ساتھ معنوی ترقی کا حصول

فرمایا کہ ایک آدمی سید محمد فشارکی کے دوستوں میں سے تھا اس نے ملا فتح علی کو حمام میں دیکھا ملا فتح علی نے ان سے پوچھا کہ تم کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کوئی جواب دیا، جسے سن کر ملا فتح علی نے کہا یہ تو اصطلاحات ہیں۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ آدمی درس پڑھنے میں سست ہو گیا۔ مرحوم فشارکی نے اس سے پوچھا کہ تم درس پڑھنے کیوں نہیں آتے؟ تو اس نے وہ سارا واقعہ بتا دیا۔ اس پر مرحوم فشارکی نے کہا کہ مرزا شیرازی کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ کہتے تھے کہ درس پڑھنے میں سنجیدگی اور محنت ہو البتہ کوشش کرو کہ روزانہ کچھ نہ کچھ معنویت میں اضافہ ہوتا رہے۔

یاداشت 34

(2 شوال 1428ھ ش)

اس نشست میں جب میں انکے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے پچھلے سال جو وصیت کی تھی کہ میں فقہی بحث شروع کروں۔ اس کے بارے مجھ سے پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ آپ کی تاکید کی وجہ سے میں پچھلے سال سے لے کر اب تک متعدد فقہی مسائل کے بارے بحث کر چکا ہوں اس کے بعد جو باتیں ہوئی ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کا غارِ حرا میں عبادت کیلئے جانے کی حکمت

فرمایا کہ ایک شخص منیٰ میں گم ہو گیا۔ اسی دوران اسکی حضرت امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے ملاقات ہوئی۔ امامؑ نے اس سے فرمایا! میرے عَلَم پر نظر رکھو اور میرے پیچھے آؤ۔

اسی طرح آپ نے فرمایا ''کیا تم جانتے ہو کہ پیغمبر اکرم ﷺ غارِ حرا میں کیوں جاتے تھے؟ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ غار کعبۃ اللہ پر مشرف تھی اور وہاں سے آپ بیت اللہ کو دیکھتے تھے۔''

۲۔ رضاخان کا برطانیہ کے ساتھ معاہدہ

فرمایا کہ تیمور تاش کے گھر میں رضاخاں نے مدرس سے کہا تھا کہ ان اقدامات کو انجام دینے کے بعد میں نے انگریزوں سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو اگر میں نے پورا نہ کیا تو مجھے معطل کر دیں۔ تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ مدرس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں تم حکومت پر نہ رہو۔ کیا یہ حکومت مشروطہ اور جمہوری حکومت ہے؟ کیا یہی ہے جس کے لیے ہم سب نے اس قدر قربانیاں دی ہیں؟

[اس وقت جو تحریک قاچار خاندان کے خلاف چلائی گئی تھی وہ جمہوریت کے لیے تھی لیکن انگریز نے ایرانیوں پر رضاخان کو مسلط کر دیا اور اسے پھر ملک کا بادشاہ بنا دیا اس کے دور ہی میں اس کا بیٹا تخت پر بٹھا دیا۔ رضاخان کے خلاف بھی تحریک چلائی گئی اس کا خاتمہ ہوا۔ لیکن برطانیہ

نے ایک اور خباثت کی ۔رضا خان کے بعدجو جمہوری حکومت مصدق کی سربراہی میں قائم ہوئی انگریزوں نے اس کا تختہ الٹ دیا اور رضاشاہ کو بادشاہ بنادیا اس کا صفایا امام خمینیؒ کے انقلاب سے ہوا اوراب چالیس سال ہونے کو ہیں جمہوری حکومت علماء کی سربراہی میں موجود ہے۔۔۔ مترجم]

۳۔مرزا کوچک خاں کا برطانیہ کی حکومت کے نمائندے کی پیشکش کو ٹھکرانا

آقای بہجت نے فرمایا کہ انگلستان کا نمائندہ مرزاکوچک خاں سے کہتا ہے کہ انگریز حکومت کا تمہاری زمین سے کوئی سروکار نہیں وہ فقط تمہاری زمین کے منافع حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس سے وہ چشم پوشی نہیں کر سکتے اگر انگلستان کے منافع کی ضمانت دیتے ہو تو تم حکومت کرو لیکن مرزا نے یہ قبول نہیں کیا۔ اس نمائندے نے کہا تھا میں فلاں فلاں جگہ جاؤں گا۔ چالیس دن کلکتہ میں ہوں گا اس لئے آپ غور کریں۔ اگر آپ کی رائے بدل گئی تو مجھ کو اطلاع دے دینا۔ اگر قبول نہ کیا تو برطانیہ اس بات کو چھوڑنے والا نہیں ہے اور رذیل ترین شخص کو تمہارے اوپر ایران میں مسلط کردے گا۔

مرزا نے اس کے جانے کے بعد وہاں موجود ایک شخص سے کہا تھا کہ کون سا رذیل انسان ہوگا جس نے پاک دودھ نہیں پیا اور وہ ان کے ساتھ ایسا معاہدہ کرے گا۔[1]

۴۔امام خمینیؒ کا اپنے اعمال پر خوش ہونا

آقا بہجت نے فرمایا کہ امام خمینیؒ ہسپتال میں داخل تھے، ان کی وفات سے چند دن پہلے جب جمعرات کا دن تھا۔ صبح کی نماز کے بعد میں ایسی حالت میں تھا کہ میں نہ تو خواب میں تھا نہ ہی میں جاگ رہا تھا۔میں نے ان کو دیکھا کہ بہت ہی خوبصورت، خوش رو اور لب خنداں میرے آگے سے گزر گئے۔ان کا چہرہ ان کی تصویر سے زیادہ خوبصورت تھا۔کچھ دن بعد ان کے وفات کی خبر مل گئی۔ چنانچہ میں متوجہ ہوا کہ وہ سے مجھ سے خدا حافظی کرنے آئے تھے اور بہت ہی خوش تھے کہ

[1] یاداشت نمبر30بند10

انہوں نے آخر تک جو کام کئے ہیں وہ سب ٹھیک تھے اور وہ اپنے کاموں کے انجام دینے میں پشیمان نہیں تھے اور وہ اپنے کام میں کامیاب رہے۔

۵۔ دین اور سیاست کے جوڑ پر رضاخان کی عالم برزخ میں ناراضی

آقا بہجت فرماتے ہیں کہ میں نے رضاخان کو عالم خواب میں دیکھا (جس وقت عزالدین حسینی نے کُردستان میں ہنگامہ برپا کیا ہوا تھا) میں نے دیکھا کہ وہ ہمارے آگے سے گزرا اس کا لباس قاچاریوں والا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس نے خصوصی ٹوپی بھی پہن رکھی تھی اس نے اپنے پوتے کی طرف اشارہ کیا کہ اسے شاہ ہونا چاہیے اور کبھی بھی دین اور سیاست اکٹھے نہیں ہوں گے۔

۶۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی حالت بیماری میں نماز کے بارے بخاری کے بیانات

آغا بہجت نے فرمایا کہ بخاری کے جو بیانات پیغمبر اکرم ﷺ کی بیماری کی حالت میں نماز کے بارے ہیں، وہ مختلف ہیں۔[1]

جب بخاری سے پوچھا گیا کہ تم نے تین طرح سے کیوں نقل کیا ہے؟ ایسا جائز ہے کہ تم ایک واقعہ کو تین طرح نقل کرو؟ اس نے جواب دیا کہ میں تو وہاں پر موجود نہیں تھا۔ بعض کہتے ہیں اس طرح تھا اور دوسرے کہتے ہیں اس طرح تھا اور تیسرے کہتے ہیں اس طرح تھا۔

[1] صحیح بخاری نے پیغمبر اکرم ﷺ کا بیماری کی حالت میں نماز پڑھنا اور ابو بکر کا نماز پڑھنا اسے تین طرح نقل کیا ہے۔

یاداشت شمارہ 35

(15 محرم 1429ھ)

۱۔ معصیت چھوڑنے کا پختہ ارادہ

میں (ری شہری) نے نصیحت کیلئے درخواست کی تو فرمایا کہ اس سے بڑی کوئی اور نصیحت نہیں ہے کہ انسان پختہ ارادہ کرلے کہ اگر خدا اسے ایک سو سال بھی عمر دے تو وہ جان بوجھ کر اس کی ایک معصیت بھی نہیں کرے گا اگر کوئی ایسی حالت پیدا ہو جائے تو پھر خدا اس کی مدد کرتا ہے اور اسے توفیق دیتا ہے اور وہ معصیت سے بچ جاتا ہے۔

۲۔ راہ خدا کی آسانی

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ آسان ہے۔[1]

۳۔ رزق حلال کیلئے نسخہ

آقا بہجت نے فرمایا کہ ایک آدمی نے کسی سے کیمیاء کا تقاضا کیا تو اس نے جواب دیا یہ دعا پڑھا کرو:

"اللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"[2]

ترجمہ: اے اللہ! اپنے حلال کے ذریعہ تو حرام سے بے نیاز کردے۔

۴۔ درس اور نماز جماعت میں ٹکراؤ

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے استاد آیت اللہ قاضی کو کبھی خواب میں دیکھا ہے تو فرمایا جی ہاں! عالم رؤیا میں مجھ سے کہا درس اور نماز جماعت میں ٹکراؤ آجائے تو درس مقدم ہے کیونکہ نماز جماعت مستحب ہے اور درس دینا واجب ہے۔

---

[1] یہ حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے "بعثت بالحنيفية السمحة السهلة" (میں آسان بے ضرر شریعت پر مبعوث کیا گیا ہوں)

[2] آمالی شیخ صدوق ص472؛ سنن ترمذی ج5 ص560؛ مثبت آمد ج1 ص153

۵۔آیت اللہ خوئی اور آیت اللہ قاضی کا رابطہ

اس بارے میں سوال کیا کہ کیا آیت اللہ خوئی کا آیت اللہ قاضی سے رابطہ تھا ؟جواب دیا کہ ایک مدت تک آقائے خوئی ان کے پاس آتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں درس اور انکی خدمت میں آتے رہنا ان دونوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا۔اسکے بعد نہیں آئے۔آقائے قاضی نے ان کی مرجعیت کی طرف اشارہ کیا تھا جس وقت وہ آتے تھے تو اپنے بچھونے کو ڈبل کر لیتے تھے۔[1]

۶۔ جمہوری اسلامی کو نقصان سے بچانے کیلئے اقدام

آقای بہجت نے فرمایا کہ کچھ مہینے پہلے میں نے آقا خمینیؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ میرے پاس آکر بیٹھے ہیں اور بہت ہی کمزور اور لاغر ہیں پھر اچانک انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ وفات پا گئے۔ اسکی تعبیر یہ تھی کہ ان کا انقلاب جو آج تک موجود ہے۔اس کو مشکل در پیش آئے گی۔ میں نے آقا خامنہ ای کو پیغام دیا کہ وہ اس کیلئے اقدامات کریں تاکہ انقلاب کو نقصان نہ پہنچے۔میں نے بتایا ہے کہ میں نے بھی کچھ اقدامات کیے ہیں لیکن وہ خود بھی کچھ کام کریں۔ معلوم نہیں انہوں نے اس بارے کچھ کیا یا نہیں۔اس کے بعد انہوں نے آقا حجازی کو بھیج کر اس بارے وضاحت مانگی تھی۔ آغا نے مجھ (ری شہری) سے بھی کہا کہ تم بھی اس سلسلے میں کچھ کام کرو۔میں نے عرض کیا دعا اور ذکر کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں فرمایا کہ قربانی اور صدقہ (اس کیلئے) موثر ہے۔

۷۔ فقہ کی تدریس پر تاکید

ملاقات کے اختتام پر فقہ کی تدریس پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں بہت زیادہ جدیت اور سنجیدگی دکھاؤ۔فقہ کی تدریس میں توجہ دو یہ آپ کی شرعی ذمہ داری ہے میں نے کہا فقہی بحث ومباحثہ تو جاری ہے، فرمایا نہیں ! بحث کافی نہیں، فقہ کی تدریس ضروری ہے۔

[1] انکے مرجع ہونے کی پیش گوئی آقائے قاضی نے کی تھی۔

یاداشت 36

(14ذیقعدہ1429ھ)

احوال پرسی کے بعد پہلی بات جو انہوں نے کہی وہ علمی بحث برقرار رکھنے کی تاکید تھی میں نے انہیں بتایا کہ آپ کی فرمائش کی برکت سے میں نے فقہ کی بحث کا آغاز کر دیا ہے انہوں نے فرمایا اس کو جاری رکھو۔

۱۔ مناسک میں احتیاط

آقا بہجت نے فرمایا کہ حاجیوں کو مشقت میں ڈالے بغیر انہیں مناسک حج کے بارے احتیاط کی تلقین کرو۔

۲۔ دعا میں دل اور زبان کی ہمراہی

آقای بہجت نے فرمایا کہ حج کی معنویت سے بہرہ مند ہونے کیلئے معتبر کتابوں میں جو دعائیں موجود ہیں ان سے استفادہ کریں اس پر توجہ رہے کہ فقط زبان سے دعا کے جملوں کو نہ پڑھیں بلکہ دل بھی اس کے ساتھ ساتھ پڑھ رہا ہو۔

۳۔ زید بن علی زین العابدین علیہما السلام کے مقامات

زید بن علیؑ کے مقامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عیون الاخبار میں ابن قتیبہ اور دیگر منابع سے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ زید بن علی ابن الحسینؑ ہشام بن عبد الملک کے پاس پہنچے، ہشام نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا بھائی بقرہ (گائے) کیا کر رہا ہے؟ تو زید بن علیؑ نے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان کو "باقر علم" (یعنی علم کو کھولنے والا) نام رکھا ہے اور تو اسے بقرہ (گائے) کہتا ہے تمہاری یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے خلاف ہے۔

زید بن علی ابن الحسینؑ اور عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علی ابن ابی طالبؑ کے درمیان حضرت علی بن ابیطالب علیہما السلام کی اپنے موقوفات اور وصیت کے بارے میں اختلاف نظر

ہو گیا عبداللہ نے زید سے کہا "اے ہندی جادو گرنی کنیز کے بیٹے" زید نے اسے کہا کہ وہ ہندی ہے لیکن خدا کا شکر کہ وہ جادو گرنی نہیں ہے اور جو اس کا بقیہ ہے وہ سرچشمہ تقویٰ ہے اور ان کا شوہر جب فوت ہو گیا تو اس نے اور شوہر نہیں کیا اور صبر کیا اور جبکہ وہ دوسری مانند نہیں جو صبر نہ کر سکے تو پھر کس طرح ان کی عیب جوئی کرتا ہے۔

عبداللہ ابن حسن بن حسنؑ، خالد بن عبد الملک اموی کے پاس تھے انکا زید بن علی ابن الحسینؑ کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا عبداللہ نے زید کے بارے میں سخت الفاظ بولے اور یہ کہا کہ تم ہندی کنیز کے بیٹے ہو۔ زید ہنسے اور جواب میں کہا کہ حضرت اسماعیلؑ کی ماں بھی اُسی طرح تھیں جس طرح میری ماں تھیں میری ماں تو ایک ایسی خاتون تھیں کہ جب انکے شوہر وفات پا گئے تو انہوں نے دوسرا شوہر نہیں کیا لیکن فاطمہؑ بنت الحسینؑ جو عبداللہ کی ماں ہے جب عبداللہ کے بابا حسن مثنیٰ فوت ہو گئے تو انہوں نے دوسرا شوہر کیا لیکن یہ جملہ کہنے کے بعد وہ پشیمان ہو گئے کہ فاطمہؑ تو ان کی پھوپھی تھی انہوں نے اپنی پھوپھی کے بارے ایسے جملے کیوں کہے؟ اس پر ان کو سخت افسوس تھا۔

حضرت زید کی شان و جلالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! کہ زید نے اپنے بارے میں کہا جب سے میں نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پہچانا ہے تو میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جب سے میں نے سمجھا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے تو میں نے کوئی حرام کاری نہیں کی اور نیز محمد نفسِ زکیہ کے قیام کی طرف بھی اشارہ کیا۔ [1]

عیسیٰ بن زید نے امام صادق علیہ السلام سے کہا اگر تم بات کرو گے تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا امام صادق علیہ السلام نے اس سے کہا یہ بات جان لو اللہ کی قسم! "اے کھلی سیاہ آنکھ والے میں تو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ تم چھپنے کیلئے کسی سوراخ کی تلاش میں ہو اور تمہیں چھپنے کیلئے جگہ نہیں مل رہی" [2]

---

[1] الدر النظیم، ابن حاتم عاملی، ص ۵۹۵

[2] الکافی ج ا ص ۳۶۳

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسکے ساتھ تندی اس لئے دکھائی کہ وہ جسارت کی وجہ سے کہیں مشکل میں گرفتار نہ ہو اور کسی بڑی مصیبت میں نہ پڑ جائے۔

۴۔ رضا خاں کا جانشیں

آقا بہجت نے فرمایا مسجد گوہر شاد کے حادثہ کے بعد ایک شخص نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حرم میں رضا خان کے چلے جانے کی دعا کی تو اُسی جگہ یا کسی اور جگہ اس نے امام علی رضا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور رضا خاں کو بھی دیکھا کہ وہ بھی حرم کے سامنے کھڑا ہے امامؑ نے فرمایا ہم اس ملعون کو یہاں سے ہٹا سکتے ہیں، اس نے اچانک دیکھا کہ وہ نابود ہو گیا لیکن امامؑ نے ایک اور سرکش کو دیکھایا اور فرمایا اگر یہ جائے گا تو وہ آئے گا۔

۵۔ موثر ذکر

میں نے پر اثر ذکر کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ خداوند ہر انسان کے لیے اس کی خاص شرائط کی مناسبت سے اسے اپنے ذکر کا الہام کردے۔ اگر بیمار ہے تو یہ ذکر پڑھے: "یااللہ الشافی" (اے اللہ شفاء دینے والے)۔ روزی کا مسئلہ ہے تو کہے: "یااللہ الرازق" تو ایسا کارساز اور موثر ہے۔ لیکن اگر مریض کہے "یااللہ الرازق" تو یہ ذکر کارساز نہیں۔ اگر فقیر یہ کہے "یااللہ الشافی" تو یہ ذکر بھی اس کے لیے کارساز نہیں۔ جیسی حالت ہے اُسی قسم کا اللہ کے اسم کا ذکر کرنا چاہیے تو یہ ذکر موثر ہوگا۔

۶۔ حجاج کی رضایت حاصل کرنا

آپ نے میرے لئے وصیت فرمائی کہ کوشش کرو کہ حجاج کی رضایت حاصل کرو۔

۷۔ غیبت اور امام عصر علیہ السلام کا موجود ہونا

میں نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس فَرَج (امام زمانؑ کے ظہور بارے) کوئی خبر نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس بات کی معرفت اور علم کہ حضرت میری بات کو تم سے پہلے سُنتے

ہیں "لا فرق بینك و بینهم الا انهم عبادك" جو بھی اس عقیدہ پر پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے امامؑ غائب نہیں بلکہ حاضر ہے۔

میں نے ایک دفعہ اپنے استاد حضرت آیت اللہ مصباح یزدی سے امام زمانہ (عج) کے ظہور کی بات کی تو انہوں نے فرمایا وہ تو حاضر اور موجود ہیں یہ سب برکات ان ہی سے ہیں، جو شخص اس طرح اپنے امامؑ کے بارے سوچ رکھتا ہو تو پھر اس کیلئے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔۔ امامؑ کی حکومت کے قیام کا انتظار ہے جس کا انتظار خود امامؑ کو بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے امامؑ سے ایسا ہی تعلق قائم کرنے کی توفیق دے۔ (مترجم)

۸۔ زندگی کے آخری سال میں تدریس اور روزہ داری

میں نے سوال کیا کہ کیا آپ نے اس سال ماہ رمضان کے روزے رکھے ہیں؟ تو جواب دیا جی ہاں! ظہر تک تو مشکل نہیں ہوتی لیکن ظہر کے بعد تھوڑی استراحت (آرام) کرتا ہوں، تدریس کے بارے میں فرمایا کہ درس اُصول الفقہ کے ساتھ فقہ کا درس بھی شروع کر رکھا ہے البتہ اب درس کو مختصر کر دیتا ہوں۔

۹۔ آیت اللہ قاضی کی کرامت

آقای بہجت نے بیان کیا آقائے قاضی آیت "غلبت الروم فی ادنی الارض" کو بار بار دہراتے تھے۔ میں نے اسکے متعلق پوچھ لیا کہ اسکی وجہ کیا ہے؟ دوسروں نے بھی اس بارے پوچھا تھا تو فرمایا کہ عراق پر برطانیہ مسلط ہو جائے گا لیکن وہ ہٹلر سے شکست کھا جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

۱۰۔ مرحوم آخوند اور وحدتِ وجود کے قائلین

آقای بہجت نے فرمایا مُلا محمد کاظم خُراسانی سے کہا گیا کہ آپ وحدت وجود کے قائلین کی تکفیر کریں تو آپ نے جواب میں فرمایا یہ مسئلہ نظری ہے عملی نہیں۔ و گرنہ عمل میں ان کا ہمارے ساتھ کوئی اختلاف نہیں اور ان کا اشتباہ جو ہے برہان کے مقتضیات میں سے ہے اُن کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا یہ اسی طرح ہے کہ کوئی خیال کرے کہ آتش دان خود آتش ہے۔

۱۱۔آخوند خُراسانی کی دقت نظر

آقای بہجت نے فرمایا: آقای سید محمود شاہرودی نے بیان کیا کہ میں نے مرزا نائینی سے کہا آخوند کے نقطہ نظر کا آغاز دوسروں کے نقطہ نظر کا اختتام ہوتا ہے تو انہوں نے میری اس بات کی تصدیق کی تھی۔

۱۲۔شرح منظومہ شیخ محمد حسین اصفہانی

آقای بہجت نے فرمایا شیخ محمد حسین اصفہانی منظومہ کی شرح بیان کرتے تھے اس درس کو لکھا بھی گیا تھا۔ اسے میں نے اپنے رفقاء میں سے کسی کے پاس دیکھا بھی تھا۔ میں نے جب اس تحریر کو دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ آقائے خوئی کی لکھائی ہے، اس زمانے میں ان کا خط اچھا نہیں تھا اس کے بعد میں نے جتنی جستجو کی اسے ڈھونڈ نہ سکا۔ ان کا ہر کلمہ برہان تھا اور میں چاہتا ہوں کہ وہ ہمیں مل جائے کیونکہ وہ ایک مسلک کی تعلیم دیتا ہے مُلا ہادی سبزواری کے ذوقیات مُلا صدرا سے بہتر تھے اور منظومہ اور حاجی سبزواری کے دیوان میں جو جاذبیت ہے وہ مُلا صدرا کے دیوان اور اسفار میں نہیں ہے البتہ نظریات پیش کرنے میں اسفار مقدم ہیں۔

۱۳۔امام عصر علیہ السلام سے توسل

ایک شخص مشکل میں گرفتار تھا وہ امام عصرؑ سے متوسل ہوا جب گھر سے باہر نکلا تو اس نے پانچ دینار اپنی بیوی کو دیے تاکہ بچوں کیلئے اسکنہ (خاص قسم کی غذا) بنالے۔ جب وہ غذا کھانے لگے تو اس نے دیکھا کہ کوئی شخص مرزا عبدالعلی تہرانی کی طرف سے آیا ہے کہ وہ اسے بلا رہے ہیں وہ اس کے گھر گیا۔ شیخ مرتضیٰ زاہد بھی وہیں پر موجود تھے، گویا کھانا ابھی تیار نہیں ہوا تھا تو شیخ مرتضیٰ نے ایک آدمی کی داستان کی ہے کہ وہ حضرت صاحب الزمانؑ سے متوسل ہوئے تھے چالیس دن بعد اسے آواز آئی تھی "آقا سید حسین"۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ ایسے ہی خیالات ہیں لیکن اس دوران پھر سے آواز آئی "سید حسین! تم خیال کرتے ہو کہ ہم آگاہ نہیں ہیں" وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے سوچا کہ میں نے رات کو دعا پڑھی تھی اور امامؑ سے توسل کیا تھا ایسا نہ ہو کہ شیخ مرتضیٰ یہ بات مجھ سے

کہہ رہے ہوں شیخ مرتضیٰ نے یہاں تک داستان کہی پھر خاموش ہو گئے جب میں نے یہ جملہ سُنا بغیر اس کے کہ میرے سامنے کچھ پیسے پہنچیں میں نے دیکھا کہ میرے پاس کوئی مشکل نہیں رہی۔

یاداشت 37

(2صفر1430ھ)

ا۔ بعض شیوخ الاسلام کا قاصر ہونا

یہ میری اس عارف عالی قدر کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ بعض ایسے افراد جو امام عصر(عج) کی حیات کے انکاری ہیں وہ کہتے ہیں کہ "وہ تکلیف اور ذمہ داری کے ضامن ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کریں" پھر فرمایا بہت سارے شیخ الاسلام ایسے ہیں جو جاہل اور قاصر (کوتاہ اندیش) ہیں۔

۲۔ انقلاب کی کامیابی میں اللہ پر اعتماد کرنے کا اثر

آقا بہجت نے فرمایا کہ آقا خمینیؒ سے یہ بات نقل ہوئی ہے جبکہ ہم بھی ان کے گھر میں موجود تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ شروع میں ہم نے اشتباہ کیا کہ ہم نے عوام پر اعتماد کیا اور عوام کو اپنا سہارا بنایا، اس وجہ سے انقلاب دس سال موخر ہو گیا ضروری ہے کہ خدا پر اعتماد کیا جائے خدا کی پناہ میں آئیں۔

۳۔ ایک نابینا شخص قرآن کی آیات کو دیکھتا ہے

آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ ایک شخص نابینا تھا جو پانچ سال پہلے وفات پا گیا اسکے بارے بیان کیا گیا کہ وہ حافظ قرآن تھا اس سے جو آیت پوچھی جاتی تو وہ اس آیت پر ہاتھ رکھتا تھا اور بیان کرتا تھا کہ یہ آیت قرآن کے فلاں مقام پر ہے۔[1]

---

[1] اس میں علی آقا، (آقا بہجت کے فرزند) نے وضاحت دی کہ جب یہ مطلب میرے بابا کیلئے نقل ہوا تو میں اپنے بابا کے پاس موجود تھا۔ جو شخص یہ بات نقل کر رہے تھے وہ آقائے دیبائی تھے جو اس وقت تہران کے تاجروں کی انجمن کے سربراہ تھے اور دین دار شخص تھے۔ مراجع تقلید کی طرف سے انکے پاس نمائندگی بھی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ یا مدینہ میں ایک اندھا شخص تھا جب قرآن اس کے پاس لے آتے تھے وہ پوچھتا تھا یہ کون سی چاپ ہے پھر جو بھی آیت پڑھتے وہ قرآن کھولتا اور اس آیت پر ہاتھ رکھ دیتا تھا۔ میں نے بار بار اصرار کیا کہ یہ ایسا نہیں ہے وہ بار بار کہتا کہ ایسا ہی ہے اور مجھ سے کہتا کہ تم خود اندھے ہو یہی آیت ہے تم دیکھتے نہیں ہو۔

ایک دفعہ اس کا امتحان لینے کی غرض سے جب اسے کہا گیا کہ تم نے غلط آیت پر ہاتھ رکھا ہے تو اس نے اصرار سے کہا کہ یہی آیت ہے اور کہنے لگا کہ کیا تم اندھے ہو؟

۴۔ سحر اور طلسم کے بطلان کے لئے دستور العمل

میں نے سوال کیا کہ سحر اور طلسم کے بطلان کے لئے کوئی عمل بتائیں، کسی نے میرے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ میں اس بارے آپ سے دریافت کروں، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کے لئے چند عمل ہیں:

(الف) حرز امام جوادؑ کو بازو سے باندھنا۔ فرمایا کہ یہ حرز میں نے خود بھی بازو پر باندھا ہوا تھا لیکن میرے بازو میں درد ہو گیا تو میں نے اس کو اپنے پاس رکھا۔ لیکن وہ خاصیت جو بازو پر باندھنے کی ہے وہ اسے پاس رکھنے کی نہیں ہے۔

(ب) سورہ واقعہ کا ختم کرنا۔ مہینے کی پہلی سوموار کو شروع کریں اور چودھویں روز تک روزانہ اس پر ایک عدد بڑھاتے جائیں اور جو دعا وارد ہوئی ہے اس کو بھی پڑھیں۔

پھر فرمایا کہ میں ختومات کے بارے اپنے استاد آیت اللہ قاضی سے سوال نہیں کرتا تھا لیکن بعض دفعہ وہ خود کچھ فرما دیتے تھے ان میں سے ایک سورہ واقعہ کا ختم ہے اور روز جمعرات کی نماز جو ابن طاوٴس سے نقل ہوئی ہے اور سید مرتضٰی کشمیری نے بھی بیان کی ہے وہ اس کو باقاعدہ پڑھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی پڑھتے تھے۔

(ج) روز جمعرات کی نماز جو کہ چار رکعت ہے رکعت اول میں سورہ الحمد اور گیارہ دفعہ سورہ توحید اور دوسری رکعت میں ایک دفعہ سورہ الحمد اور اکیس دفعہ سورہ توحید اور تیسری رکعت میں ایک دفعہ سورہ الحمد اور اکتیس مرتبہ سورہ توحید اور چوتھی رکعت میں سورہ الحمد اور اکتالیس مرتبہ سورہ توحید پڑھنی ہے۔ دو رکعت میں ایک سلام ہے چار رکعت کی نماز کا سلام پھیرنے کے

بعض اہل منبر اس داستان کو خود آیت اللہ بہجت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے خود اسے دیکھا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یہ اشتباہ ہوا ہے جو اُن کے بیٹے نے بات نقل کی ہے وہ صحیح ہے۔

بعد سورہ توحید کو اکاون بار اور صلوات کو اکاون بار پڑھے اور پھر سجدہ میں جائے اور سو بار کہے "یااللہ" اور دعا کرے۔

آیت اللہ بہجت نے آیت اللہ مرتضیٰ کشمیری کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جب بھی وہ اس نماز کو پڑھتے تھے تو ان کیلئے کسی جگہ سے ہدیہ پہنچ جاتا تھا۔

۵۔ زیارت عاشورہ کو مرتے دم تک پڑھنا

انہوں نے مرحوم شیخ محمد حسن اصفہانی کی وفات کے حوالے سے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا کہ علامہ محمد حسین طباطبائی نے مجھ سے دس سال پہلے انکی شاگردی کی تھی۔ آقائے طباطبائی نے فرمایا کہ ایک مجلس میں ہم تین آدمی تھے استاد آئے اور کچھ مطالب بیان فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میں نے اللہ سے یہ درخواست کی ہے کہ زیارت عاشورہ مجھ سے مرتے دم تک ترک نہ ہو اور اسی طرح ہی ہوا۔[1]

مترجم کی وضاحت

آیت اللہ ری شہری نے آیت اللہ بہجت کے ساتھ جو ملاقاتیں کیں ان میں آیت اللہ بہجتؒ سے کئی سوالات کیے اور آقا بہجت نے جو جوابات دیے ہم نے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔ آیت اللہ ری شہری کی ملاقاتوں کا آغاز ا۔۹۔۷۰ ۱۳ھ ش (بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ ق) سے ہوا۔ ان ملاقاتوں میں جو کچھ انہوں نے پوچھا ہر ملاقات کو ایک یادداشت کے عنوان سے لکھ لیا۔ ان یادداشتوں کی تعداد ۳۷ بنتی ہے آخری ملاقات ۱۰۔۱۱۔۸۷ ۱۳ھ ش (بمطابق ۲ صفر ۱۴۳۰ھ ق) کو ہوئی تھی۔

اس کا ترجمہ مدرسہ امام خمینیؒ میں ۷ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو مکمل ہوا۔ آیت اللہ ری شہری "زمزم عرفان" یادنامہ فقیہ آیت اللہ محمد تقی بہجت لکھا، یہ اس کا تیسرا حصہ ہے جس کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اس کا چوتھا حصہ ان علماء کا زندگی نامہ ہے جن علماء کا ذکر آیت اللہ بہجت نے اپنی گفتگو کے دوران فرمایا تھا۔ ان یادداشتوں کا ترجمہ ریکارڈنگ کی صورت میں تھا اسے تحریر کرنے میں وقت لگ

---

[1] آیت اللہ بہجت نے فرمایا کہ شیخ محمد حسن اصفہانی پر آخری عمر میں فالج ہوا ان کا آدھا بدن مفلوج ہو گیا تھا ان کے دانت بھی نہیں تھے بہت زیادہ خون بدن سے خارج ہو چکا تھا وہ بہت ہی لاغر ہو چکے تھے لیکن آخر دم تک زیارتِ عاشورہ پڑھتے رہے۔

گیا۔ ریکارڈنگ سے صفحات پر اتارنے کے بعد اس کی پہلی باقاعدہ پروف ریڈنگ ۲۳۔۷۔۲۰۱۸ء بمطابق ۱۱ ذالحجہ ۱۴۳۹ ہجری کو مکمل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان یاداشتوں میں جو آیت اللہ بہجت نے تربیتی حوالے سے بیانات دیے ہیں ان سے قارئین کو استفادہ کی توفیق ملے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت کرنے والوں کو اسکا اجر دے اور میرے لئے میرے تمام ان احباب کیلئے جنہوں نے میری تعلیم وتربیت سے متعلق کسی بھی حوالے سے کچھ کام کیا ہے ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ بالخصوص میرے والدین کو اسکا ثواب ملے۔ اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز کو اپنے ولی حضرت امام عصر (عج) کے انصار میں سے قرار دے اور جو آپ کی عالمی عادلانہ حکومت کے قیام کیلئے کوشاں ہیں ان سے محبت کرنے والوں میں سے قرار دے (آمین)

حصہ چہارم

یہ کتاب کا چوتھا حصہ ہے یہاں ان شخصیات کا تذکرہ ہے جن کے متعلق آیت اللہ بہجت نے اپنی گفتگو میں ذکر کیا ہے کیونکہ دورانِ گفتگو آپ نے متعدد علماء کا تذکرہ کیا اور ضروری نہیں کہ کتاب پڑھنے والے کو ان علماء کے بارے معلومات ہوں۔

لہٰذا مناسب جانا ہے کہ ''زمزم عرفان'' کے چوتھے حصے میں ان علماء کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جائے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حصہ میں جن شخصیات کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے ان کے نام کے مشہور حصہ کو پہلے لکھ کر الفبائی ترتیب سے ذکر کیا جائے گا۔

۱۔آخوند خراسانی، ملا محمد کاظم

آیت اللہ آخوند ملا محمد کاظم خراسانی (۱۲۵۵۔ ۱۳۲۹ق) مشہد مقدس میں پیدا ہوئے، 12 سال کی عمر میں مشہد مقدس میں انہوں نے اسلامی معارف کی تعلیم کا آغاز کیا اور 22 سال کی عمر میں مشہد مقدس سے سبزوار تشریف لے گئے، وہاں پر عظیم المرتبت الحاج ملا ہادی سبزواری کے دروس میں شرکت کی اس کے بعد وہاں سے تہران آگئے جہاں میرزا ابوالحسن جلوہ (اپنے زمانے کے بڑے بزرگ عالم) سے کسب فیض کیا اور پھر وہاں سے نجف اشرف کی طرف ہجرت کر گئے۔ نجف اشرف میں شیخ مرتضی انصاریؒ اور میرزا شیخ حسن شیرازیؒ کے دروس میں جاتے رہے اور جلد ہی محمد کاظم خراسانی کا شمار اُن کے ممتاز شاگردوں میں ہونے لگا۔ ان کے دیگر اساتید میں آیت اللہ شیخ حسن فاضلؒ اردگانی، سید علی شوستری، شیخ راضی نجفی اور سید مہدی قزوینی شامل ہیں۔ مرحوم آخوند خراسانیؒ کا شمار حوزہ علمیہ نجف اشرف کے بڑے اساتید میں ہوتا تھا جن افراد نے ان سے سندِ اجتہاد حاصل کی ان کی تعداد تین ہزار بنتی ہے اور ان میں کافی معروف شخصیات بھی شامل ہیں جن میں سے بعض مراجع تقلید بھی بنے، کچھ کے نام یہ ہیں: آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، آقا شیخ ابوالقاسم کبیر قمیؒ، سید محمد تقی خوانساریؒ، سید جمال الدین گلپایگانیؒ، شیخ محمد جواد بلاغیؒ، آقا حسین قمیؒ، آقا ضیاء الدین عراقیؒ، شیخ عبدالکریم حائری (جو بعد میں حوزہ علمیہ قم المقدسہ کے بانی اور مؤسس بنے)،

سید حسین طباطبائی بروجردیؒ، سید حسن مدرسؒ، میرزا علی شیرازی اصفہانیؒ، سید علی نقی فیض الاسلام سدھیؒ، شیخ آقا بزرگ تہرانیؒ، سید ابو القاسم کاشانیؒ، سید ھبۃ الدین شہرستانی، سید محمود شاہرودیؒ وغیرہ۔

مرحوم آخوند خراسانیؒ کی اہم ترین کتاب ''کفایت الاصول'' ہے جو اصول الفقہ پر لکھی ہوئی ہے۔ جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی تب سے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے یہ علمی مراکز کی تدریس کی کتب میں شامل ہے، یہ اصول الفقہ کی آخری کتاب شمار کی جاتی ہے، اس پر ایک سو سے زائد شروحات لکھی جاچکی ہیں۔ اس کے علاوہ مرحوم آخوند خراسانی کی دس سے زیادہ کتب بھی شائع ہو چکی ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں: الفوائد الاصولیہ، تعلیقۃ علیٰ الرسائل، تعلیقۃ علی المکاسب، القضاء والشہادات، الرسائل الفقہیہ الرضاؑ، الرھن، الوقف، الدماء، الفراق، العدالۃ، کفایۃ الفقہ جو عروۃ الوثقیٰ سے متعلق ہے۔ لمعات نیرۃ فی تکملۃ التبصرۃ، کتاب الاجارۃ، شیخ ابراہیم عباس کی کتاب ''نخبۃ المسائل'' پر حاشیہ، شیخ الشریعت اصفہانی کی کتاب ''ألاَبانۃ'' پر حاشیہ، شیخ انصاری کی متاجر اور رسائل پر حاشیہ بھی لکھا۔ اسی طرح نہج البلاغہ کے پہلے خطبے کی شرح حکماء کے نکتہ نظر سے کی ہے۔

مرحوم آخوند خراسانی جمہوریت پسندوں کے دینی رہنما تھے۔ ایران میں بادشاہت کے خلاف جو انقلاب آیا اس انقلابی تحریک کو ''انقلاب مشروطہ'' کہا جاتا ہے چنانچہ آپ نے جمہوریت کے دفاع کے لیے استعمار اور آمریت کے خلاف بہت سارے بیانات دیئے جو شائع بھی ہوئے۔ 21 ذوالحجہ 1329 ہجری قمری میں جب آپ ایران کی جانب آرہے تھے (تاکہ وہاں جو انقلابی تحریک تھی اس کا انتظام سنبھالیں) آپ وفات پا گئے مگر آپ کی موت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ مولا علی علیہ السلام کے حرم اقدس میں آپ کو دفن کیا گیا۔[1]

[1] حوالہ جات: اخوند خراسانی، آفتاب نیمہ شب، مرگی در نور، حیات سیاسی، فرھنگی واجتماعی آخوند خراسانی، شناخت نامہ آخوند خراسانی، فقہ فتوای آخوند خراسانی، سیاست نامہ خراسانی، التراثت الفقہی للمحقق خراسانی: ج ۳، مقدمہ

۲۔ آذری قمی، احمد

آیت اللہ احمد آذری بیگدلی قمی (۱۳۰۲۔۱۳۷۷ ش) قم المقدسہ میں پیدا ہوئے۔ قم میں ہی میٹرک تک تعلیم مکمل کی اور پھر 18 سال کی عمر میں امام خمینیؒ کی وصیت کے مطابق دینی علوم کا آغاز کیا۔ ۱۳۲۳ ہجری شمسی میں نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت آیت اللہ محمد تقی بہجتؒ، میرزا ہاشمی آملیؒ، سید ابوالقاسم خوئیؒ:، میرزا عبدالهادی شیرازیؒ و میرزا باقی زنجانیؒ کے درس میں شریک ہوئے اور پھر دوبارہ قم المقدسہ واپس آگئے۔ آپ کا شمار سید محمد داماد، حاج آقا حسین بروجردی اور امام خمینی رضوان اللہ علیہم کے نامور شاگردوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے جدید علوم بھی حاصل کئے جن میں علم ریاضیات، اقتصادیات، فزکس، کیمسٹری اور جغرافیہ شامل ہیں۔ آپ کو تین مختلف زبانوں (عربی، انگریزی، فرانسیسی) پر بھی مکمل عبور حاصل تھا، آپ پورے قرآن پاک کے حافظ بھی تھے۔

۱۳۴۱ ہجری شمسی میں آپ امام خمینیؒ کے خاص شاگردوں میں شامل ہوئے، کئی مرتبہ آپ کو شاہ ایران کے زمانہ میں اسیری اور شہر بدری کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ حوزہ علمیہ قم کے مدرسین پر مشتمل تنظیم ''جامعۃ المدرسین'' میں نا صرف آپ نے انتہائی موئثر کردار ادا کیا بلکہ آپ کا شمار اس کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ انقلابِ اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد آپ مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے ان میں دادساتان انقلاب تہران، مجلس خبرگان رہبری کے رکن، حوزہ علمیہ کی منتظمہ کی مشاورتی مجلس کے رکن، قم میں امام جمعہ والجماعت، قانونی اثاثی کی تجدید نظر کے لیے بنائی گئی کمیٹی کے رکن، مجلس شوریٰ اسلامی میں قم کے نمائندہ اور تہران میں عبوری امام جمعہ بھی رہے۔

۱۳۶۳ ہجری شمسی میں آپ نے روزنامہ ''رسالت'' شائع کیا اور ۱۳۶۷ ہجری شمسی سے آپ نے فقہ کا درس خارج جدید مسائل کے حوالے سے شروع کیا اور اپنی آخری عمر تک اس درس کو جاری رکھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی ملتا ہے کہ مرجعیت کا عنوان ان کے لئے پیش کیا گیا۔ انہوں نے فقہی مسائل پر مشتمل ''رسالہ عملیہ'' (توضیح المسائل) میں ایک نیا انداز اپنایا جو بعد میں دیگر

مراجعِ تقلید کے لئے بھی نمونہ بنا۔ آپ کی کتابوں میں الاجتہاد والتقلید، المکاسب المحرمہ، التحقیق فی الاصول المفیدۃ، مالکیت در اسلام، جنگ و صلح در اسلام، ولایت فقیہ از دیدگاہ قرآن و فقہاء، دیۃ و شطرنج و مجسمہ سازی از دیدگاہ فقہاء، سیمای زن و نظام اسلامی، ربا و بینکاری، ضمان و زکوۃ در اوراق نقدی، اِحتکار و گران فروشی، مسؤلیت اخذ و صرف وجوہ شرعی، شئون و شرائط رہبری، احکام زمین و متعلقات آن وغیرہ شامل ہیں۔[1]

۳۔آشتیانی، سید جلال الدین

میر جلال الدین موسوی آشتیانی (۱۳۰۴۔ ۱۳۷۴ ش) آشتیان میں پیدا ہوئے۔ خاقانی اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد آشتیان کے دیگر تعلیمی اداروں سے تحصیل علم کیا۔ مرحوم آیت اللہ حاج شیخ ابو القاسم دانش آشتیانی کی تشویش اور تعاون سے سید جلال الدین ۱۳۲۳ ہجری شمسی میں قم المقدسہ آگئے جہاں بزرگ علماء و اساتیذ سے علم حاصل کیا جن میں میرزا رضی تبریزیؒ، شہید صدوقی یزدی:، میرزا عبد الجواد جبل عاملی اصفہانیؒ، حاج شیخ مہدی مازندرانیؒ، آیت اللہ بروجردیؒ اور آقا سید محمد تقی خوانساریؒ شامل ہیں، اس کے بعد نجف اشرف چلے گئے اور دو سال آیت اللہ سید محسن الحکیمؒ اور آقائی عبد الھادی شیرازیؒ کے درس میں شریک ہوئے۔

سید جلال الدین نے قم میں علامہ محمد حسین طباطبائی کے درسِ فلسفہ اور حکمت میں پانچ سال شرکت کی۔ اس کے بعد تہران میں میرزا ابوالحسن شعرانی اور میرزا مہدالٰہی قمشہ ای اور سید کاظم وغیرہ کے دروس الٰہیات میں بھی کسب فیض حاصل کیا۔ امور عامہ اسفار والٰہیات شفا پڑھی۔ ۱۳۳۸ ہجری شمسی میں سید جلال الدین علوم معقول و منقول کی تدریس کے لئے فردوسی یونیورسٹی میں مدرس بنے اور مشہد چلے گئے اس کے بعد ۱۳۵۵ ہجری شمسی میں مشہد مقدس کی یونیورسٹی کی

[1] اثر آفرینان، موسوعہ مؤلفی الامامیہ، فرہنگ رجال و مشاہیر تاریخ معاصر ایران، توضیح المسائل آیت اللہ آذری قمی، مقدمہ ناشر۔

جو سندات دینے کی مسئولیت ہوتی ہے اس کے منتظمین میں شامل ہو گئے اور فلسفہ اور حکمت دانشکدہ الٰہیات مشہد کے سربراہ بن گئے۔

۱۳۷۶ ہجری میں آپ کو "دانشمند برجستہ" کے عنوان سے انعام سے نوازا گیا۔ ۱۳۷۸ ہجری شمسی میں آپ کو جمہوری اسلامی کا امتیازی نشان دیا گیا۔ ۱۳۸۱ ہجری شمسی میں آپ کو "چہرہ ماندگار" کے عنوان سے فلسفہ اور عرفان اسلامی کے عنوان سے انعام ملا اور ۱۳۸۱ ہجری شمسی میں ہی آپ نے تدریس کا کام چھوڑ دیا۔ آپ علم اور حکمت کا بہت بڑا مینارہ تھے اس دور میں علمی جدوجہد میں زندگی گزاری۔ ۱۳۸۴ ہجری شمسی میں رحمت الٰہی سے متوصل ہو گئے اور آپ کا جسد خاکی مولا امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے حرم اطہر میں سپرد خاک کیا گیا۔

سید جلال الدین موسوی نے درج ذیل تصنیفات تالیف کی:

شرح فصوص الحکم، ہستی از نظر فلسفہ و عرفان، اصول المعارف، شرح حال وآرای فلسفی ملا صدرا، شرح مقدمہ قیصری بر فصوص الحکم، شرح برزاد المسافر ملا صدرا، تصحیح و تحقیق: المظاہر الالٰہیہ، الشواہد الربوبیۃ، شرح آخوند ملا محمد جعفر لنگرودی، مشاعر ملا صدرا وغیرہ [1]

۴۔ آملی، شیخ محمد تقی

شیخ محمد تقی آملی ملا محمد آملی کے بیٹے تھے، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۰۴ ہجری قمری کو تہران میں پیدا ہوئے، ان کا شمار علوم عقلیہ و نقلیہ میں اپنے زمانے کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے۔ اسی طرح مراقبت و سلوک اور تدریس و تصنیف میں انہوں نے بہت کام کیا ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد دینی علوم میں مصروف ہو گئے۔ فقہ و اصول کی تعلیم اپنے والد اور دیگر علماء جیسے شیخ عبد النبی نوری اور میرزا حسن کرمانشاہی سے حاصل کی۔ ۱۳۴۰ ہجری قمری میں آپ نجف اشرف چلے گئے جہاں ۱۴ سال تک بزرگ اساتذہ سے کسب فیض کیا جن میں میرزا حسین نائینی، آقا ضیاء عراقی (اراکی) اور آقا سید

[1] فصل نامہ حضور، شمارہ: ۵۳

ابو الحسن اصفہانی وغیرہ شامل ہیں۔ اس زمانے میں عارف بے بدل آیت اللہ سید علی قاضیؒ کے خصوصی شاگردوں میں بھی شیخ محمد تقی آملی کا شمار ہوتا تھا۔ تہران واپسی کے بعد آپ تدریس و تصنیف میں مصروف ہو گئے، ان کے شاگردوں میں آیت اللہ حسن زادہ آملی، جوادی آملی، یحییٰ نوری، میرزا ہاشم آملی، سید جلال آشتیانی، سید رضی شیرازی، یحییٰ عابدی، مصطفیٰ مسجد جامعی اور محی الدین انواری کے نام قابل ذکر ہیں۔

شیخ محمد تقی آملی ایک گوشہ نشین فقیہ تھے لہٰذا انہوں نے قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کیا اور آخری عمر تک فقہی مسائل سے متعلق اپنا "رسالہ عملیہ" بھی نہیں لکھا۔ آپ کی کتابوں میں شرح العروۃ الوثقیٰ، منظومہ سبزواری پر حاشیہ، شیخ مرتضی انصاری پر حاشیہ، بو علی سینا کی شرح الاشارات پر حاشیہ، میرزا نائینی کی کتاب الصلوٰۃ شامل ہیں۔ ماہ صفر ۱۳۷۹ ہجری قمری بمطابق یکم شہر یور ۱۳۳۸ ہجری شمسی میں تہران میں دارِ فانی کو وداع کیا۔

۵۔ ابن ابی الحدید

عز الدین ابو حامد عبد الحمید بن ھبۃ اللہ مدائنی (۵۸۶-۶۵۶ ق) شہر مدائن میں پیدا ہوئے۔ آپ ابن ابی الحدید کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ معروف محدث، شاعر، ادیب، فقیہ شافعی اور متکلم معتزلی ہیں۔ مدائن میں ہی پرورش پائی اور یہیں سے ادبیات اور عقائد کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے والد مدائن کے قاضی تھے۔ ابن ابی الحدید بچپن میں اور ایک قول کے مطابق جوانی میں بغداد چلے گئے تھے اور وہاں کے مشہور بزرگ علماء کے درس میں شرکت کی۔ ان کے زیادہ اساتید کا تعلق شافعی مسلک سے تھا۔ بغداد میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی محافل میں بھی شرکت کرتے رہے۔ انہوں نے فقہ و کلام کا درس ابو جعفر نقیب سے پڑھا۔ ابو البکا البقای عکبری اور ابو الخیر مصدق بن شبیب واسطی سے ادب اور تاریخ کے علوم پڑھے۔ متعصم باللہ (آخری عباسی خلیفہ) کو دانشور اور ادیب وزیر علقمی (م۶۵۴ق) سے سیاسی قربت کے باعث ابن ابی الحدید دار الخلافہ کے کاتبانِ دیوار کا حصہ بن گئے۔ ابن ابی الحدید کی دو کتابیں بھی ہیں: 'القصائد السبعہ اور شرح نہج البلاغہ'۔

ابتداء میں دار التشریفات کی کتابت اُن کے ذمہ تھی اور اس کے بعد ۶۲۹ ہجری قمری میں خزانہ کی کتابت کا کام بھی ان کے ذمہ لگایا گیا اور پھر اس کے بعد دیوان کے کاتب قرار پائے۔ ماہ صفر ۶۴۲ ہجری قمری کو حلہ شہر کے منتظم اور ناظر متعین ہوئے اس کے بعد بیمارستان (ہسپتال) عضدی کے ناظم قرار پائے اور آخر میں بغداد کے کتب خانوں کی دیکھ بھال اور مدیریت ان کے سپرد کی گئی۔

ابن ابی الحدید مختلف مضامین کے اشعار بھی کہتے تھے لیکن ان کے مناجاتی اور عرفانی اشعار زیادہ مشہور ہیں۔ صدرِ اسلام کی تاریخ کے بارے میں وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور کلام اور عقائد میں معتزلی تھے اور فقہ اور فروعات میں شافعی تھے۔ وہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے درمیان ایک تقریبی مذہب کے قائل تھے (یعنی دونوں کے ساتھ ایک تیسری شکل تھے) چونکہ شرح نہج البلاغہ میں عقیدتی بحث میں جاحظ کی موافقت کی اس لئے آپ کو معتزلی جاحظی بھی کہا جاتا ہے۔

ابن ابی الحدید کی عمدہ ترین کتاب شرح نہج البلاغہ ہے اور اس کی اتنی شہرت ہوئی کہ ابن ابی الحدید کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ادبِ تاریخ، عقائد، اسلامی ثقافت سب کچھ موجود ہے۔ یہ شرح حقیقت میں ابن ابی الحدید کی مختلف علوم و فنون میں دسترس اور فکر پیش کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس شرح میں انہوں نے زیادہ تر معتزلہ آراء کو شامل کیا ہے۔ ادبی اور تاریخی حوالے سے یہ شرح انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ابن ابی الحدید منگولوں کے دور میں موجود تھے چنانچہ انہوں نے بڑی تفصیل سے منگولوں کے ابتدائی حملوں، ماوراء النھر، ایران، عراق اور ان کے گردونواح کی فتوحات اور بغداد پر ایران کے حملوں کا ذکر کیا ہے، یہ ایک اہم تاریخی مصدر ہے۔

۶۵۵ ہجری قمری میں بغداد پر ہلاکو خان کے حملے کے بعد ابن ابی الحدید کی پھانسی کا حکم دے دیا گیا لیکن ابن علقمی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی وساطت سے سزائے موت سے نجات پائی لیکن کوئی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بغداد میں ہی وفات پا گئے۔[1]

۶۔ابن عربی

محی الدین ابوبکر محمد بن علی طائی اندلسی (۵۶۰۔۶۳۸ ہجری) عالم اسلام کے بزرگ عرفاء میں سے تھے۔ سپین کے شہر مورسیا میں پیدا ہوئے، ان کے والد علی بن محمد، حاتم طائی کے خاندان میں سے تھے، اُن کا شمار فقہ و حدیث کے آئمہ میں ہوتا تھا، وہ زاہد اور صوفی بھی تھے جبکہ ان کے دادا اندلس کے قاضیوں میں سے تھے، ابن عربی کے مشہور ترین القابات شیخ اکبر اور محی الدین ہیں۔ اندلس میں ابن افلاطون اور ابن سُراقہ کے نام سے بھی مشہور تھے جبکہ مشرق میں انہیں "ابن عربی" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ابن عربی ۲۱ سال (۵۸۰ ہجری قمری) کی عمر میں تصوف (آج کی اصطلاح میں جسے عرفان کہتے ہیں) میں نام پیدا کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اتنی شہرت حاصل کی کہ اس زمانے کے بزرگ مشائخ و علماء بھی ان کی زیارت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے بعد (فلسفہ، تفسیر، حدیث اور عرفان میں) بہت قیمتی آثار چھوڑ کر گئے۔ انہوں نے تصوف (عرفان) کو فلسفے کی ایک قسم میں تبدیل کرکے رکھ دیا۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں جو عرفان نظری کا بہترین اور عمدہ ترین حوالہ شمار ہوتی ہیں، بہت سارے مکاتب کے عقائد اور نظریات کو بیان کیا اور ان کی تفسیر کی۔ ان کی کتابوں میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، احکام القرآن، الاحادیث القدسیہ، طباشیر المحرورین شامل ہیں۔ دمشق میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

[1] دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، محمد آصف فکرت

۷۔ اراکی، شیخ محمد علی

آیت اللہ شیخ محمد علی اراکی (۱۳۱۲تا ۱۴۱۵ ہجری قمری) اراک (ایران) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۰ ہجری قمری میں اسی شہر میں بزرگ اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کی، جن میں مرحوم سلطان العلماء بھی شامل ہیں اور اس کے بعد جب آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری قم تشریف لائے تو آپ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حوزہ علمیہ قم المقدسہ میں بزرگ اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درس پڑھا جن میں حاج شیخ عبد الکریم حائری اور سید محمد تقی خوانساری شامل ہیں۔ آیت اللہ سید محمد خوانساری کی وفات (۱۳۷۱ ہجری قمری) کے بعد بہت سارے فضلاء اور شاگردوں کی درخواست پر اپنے استاد کی کرسی پر بیٹھے اور فقہ و اصول میں درس خارج دینا شروع کر دیا اور درس کا یہ سلسلہ مسلسل پینتیس برس تک جاری رہا۔ مفصل فقہی بحثوں کے ساتھ ساتھ علم اصول و فقہ کی تدریس کے تین دور مکمل کیے۔ آیت اللہ خوانساری کی وفات کے بعد قم المقدسہ میں نماز جمعہ کی مسؤلیت بھی آپ کے سپرد کر دی گئی۔ بہت سارے بزرگ علماء نے اس عظیم مرجع کی خدمت میں علم و عمل کے مراحل طے کیے جن میں شہید شیخ مہدی شاہ آبادی، محمد تقی ستودہ، رضا استادی، شیخ علی پناہ اشتھادی اور سید محسن خرازی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ شیخ اراکی جب قم المقدسہ میں تحصیل علم میں مشغول تھے تو حضرت امام خمینی رضوان اللہ سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ انقلاب سے پہلے امام کے انقلابی ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جب امام کو نجف اشرف بدر کر دیا گیا (یعنی ایران سے ترکی اور ترکی سے نجف اشرف) تو حکومتی مظالم کے باوجود نماز جمعہ قائم کرتے تھے۔ اس وقت نماز جمعہ ایک اہم سیاسی عمل شمار ہوتا تھا۔ امام خمینی کی رحلت کے بعد آپ مرجع تقلید قرار پائے۔ امام خمینی کے متعدد مقلدین نے آپ کی جانب رجوع کر لیا۔ آپ کی بہت ساری تالیفات بھی ہیں جن میں "عروۃ الوثقیٰ" پر حاشیہ، مرحوم حاج شیخ عبد الکریم حائری کی "درر الاصول" پر حاشیہ، مرحوم حاج شیخ عبد الکریم کے فقہ پر جو درس تھے ان کی تحریریں اور سید محمد تقی خوانساری کے فقہ کی تحریریں آپ کی کتابوں میں شامل ہیں۔

ایک صدی پوری جدوجہد کے بعد آپ ۸ آزر ۱۳۷۳ ہجری قمری میں وفات پا گئے اور حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے حرم بالاسر میں آپ کو دفن کیا گیا۔[1]

۸۔اشعری، میرزا علی اصغر

آیت اللہ میرزا علی اصغر اشعری قمی (۱۳۱۸۔۱۴۰۷ ہجری قمری) شیخ محمد علی اشعری کے بیٹے اور آیت اللہ آخوند ملا محمد طاہر اشعری (متوفی ۱۳۵۱ ہجری) کے پوتے تھے۔ آپ نے اپنے جدبزرگوار آخوند ملا محمد طاہر سے بھی علم حاصل کیا جو قم کے بزرگ علماء میں سے تھے۔ فقہ اور اصول ان ہی سے حاصل کی۔ آخوند ملا محمد طاہر ہیئت، منطق اور ریاضی کا درس دیا کرتے تھے۔ میرزا علی اصغر نے شیخ عبد الکریم حائری، شیخ حسن فاضل قمی، سید حسین کوچہ حرمی (رضوی مبرقع)، سید ابو الحسین رفیعی قزوینی اور آقا شیخ ابو القاسم کبیر قمی سے علمی کمالات حاصل کیے تھے جو شیخ عبد الکریم حائری کے ان شاگردوں میں سے ان کے ہمراہ اراک سے قم آئے تھے۔

میرزا علی اصغر اشعری، سید احمد خوانساری اور سید محمد رضا گلپایگانی کے ہم درس اور امام خمینی و آیت اللہ شہاب الدین مرعشی کے ہم مباحثہ تھے۔ سید ابو الحسین اصفہانی، شیخ عبد الکریم حائری اور اس دور کے بڑے مراجع سے اجتہاد کی سند حاصل کی، اسی طرح آیت اللہ بہجت کے ساتھ آپ کی بڑی دوستی تھی۔

میرزا علی اصغر اشعری ہر سال گرمیوں میں تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے اور نماز جماعت، تفسیرِ قرآن اور عوام میں شرعی احکام بیان کرنے کے پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ان کے زہد اور کرامات کی یادیں لوگوں میں زبان زد عام ہیں۔ ان کے فقہ کے شاگردوں میں امام موسیٰ صدر، آیت اللہ میرزا محمد فیض کے صاحبزادے حاج شیخ مہدی و ڈاکٹر علی رضا، آیت اللہ میرزا محمد کبیر کے صاحبزادے حاج شیخ جواد اور حاج شیخ احمد شامل ہیں۔

---

[1] آیت اللہ اراکی، یک قرن وارستگی، شرح احوال آیت اللہ العظمیٰ اراکی

آیت اللہ میرزا علی اصغر اشعری نے ۲۸ مہر ۱۳۶۵ ہجری قمری میں وفات پائی اور امام خمینی کی وصیت کے مطابق حرم حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا مسجد طباطبائی میں دفن کیا گیا۔[1]

۹۔اشعری، شیخ محمد حسین

حجۃ الاسلام والمسلمین حاج شیخ محمد حسین اشعری (متولد ۱۳۲۰ ہجری) مرحوم آیت اللہ میرزا علی اصغر اشعری قمی کے فرزند تھے، قم میں پیدا ہوئے اور وہیں درس میں مصروف ہو گئے۔ دینی علوم پر خصوصی توجہ دی، فقہ اور اصول میں خاص مقام حاصل کیا۔ امام خمینی، آیت اللہ گلپائیگانی، سید حسن فرید اراکی، سید محمد محقق داماد، میرزا ہاشم آملی و شیخ مرتضی حائری کی خدمت میں پیش ہو کر تعلیم حاصل کی۔

انقلاب کے بعد ۱۳۵۸ ہجری شمسی میں صحت کے حوالے سے قم میں علاج معالجہ کی صورتحال ٹھیک نہیں تھی چونکہ امام خمینی کو آپ پر اعتماد تھا اس لئے انہوں نے آپ کو حکم نامہ جاری کیا اور قم کے وسائل کو وزارت صحت کے ذریعے منظم کرنے کے لئے آپ کو مقرر کیا گیا۔ ۱۱ سال آپ نے اس سلسلے میں جدوجہد کی اور بہت ساری خدمات سرانجام دیں۔ ہسپتال بنائے اور ڈسپنسریاں قائم کیں، بنیادی صحت کے مراکز بنائے اور اسی طرح امام خمینی کی زندگی میں مختلف چھوٹے شہروں میں بھی دینی مدراس کی ذمہ داری اور پھر حوزہ علمیہ قم المقدسہ کی معاونت و آموزش یعنی تعلیم کی جو ذمہ داریاں تھیں ان میں بھی آپ کو معاون کے طور پر رکھا گیا اسی طرح عمارتوں سے محروم پرائمری، مڈل سکولوں کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی اور اس قسم کی آپ کی بہت ساری خدمات ہیں جو انہوں نے انجام دیں۔ آپ نے ایک کتاب ''پیرامون قیام مقدس حسین بن علی علیہما السلام و یادداشتہا و خاطرہ ہا'' بھی لکھی۔ اسی طرح وہ علمی، دینی اور اجتماعی خدمات میں مصروف عمل رہے۔[2]

---

[1] آثار الحجۃ، گنجینہ دانشمندان، معجم القبور، آئینہ دانشواران، تربت پاکان قم، دائرۃ المعارف تشیع، ذیل، اشعریان قم، پیام بھارستان۔
[2] گنجینہ دانشمندان، ج ۹، ص ۸۳، تربت پاکان قم، ج ۲، ص ۳۶۵ محضر نور۔

۱۰۔ اشعری قمی، ملا محمد طاہر

آیت اللہ محمد طاہر اشعری قمی (۱۲۶۱۔۱۳۵۱ ہجری) آخوند ملا محمد طاہر کے نام سے معروف ہیں۔ آپ قم میں پیدا ہوئے، ان کے والد ملا عبد اللہ بن آخوند ملا محمد باقر اپنے زمانے کے مدرسین اور علماء قم میں سے تھے۔ محمد طاہر نے مقدمات، فلسفہ، علومِ ریاضی اور ابتدائی حوزوی دروس قم میں اپنے والد کے علاوہ آغا شیخ حسین حرمی (۱۳۲۷ ہجری قمری)، آقا سید جواد مجتہد قمی پیشوائی (۱۳۰۳ ہجری قمری)، آقا شیخ محمد حسن نادی چھار مردانی (۱۳۱۷ ہجری قمری) اور کچھ دیگر حوزہ کے علماء و حکماء سے حاصل کیے۔ ۱۲۸۱ ہجری قمری میں نجف اشرف میں شیخ مرتضٰی انصاری کے درس سے استفادہ کے لئے تشریف لے گئے مگر جیسے ہی وہاں پہنچے تو شیخ بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے چنانچہ آپ ان کے درس میں حاضر نہ ہوسکے لیکن وہاں پر موجود دیگر علماء کے دروس میں گئے جن میں میرزا محمد تقی ھروی اصفہانی (متوفی ۱۲۹۹ ہجری قمری)، میرزا حسین خلیلی تہرانی (متوفی ۱۳۲۶ ہجری قمری)، آقا سید حسین کوہ کمرہ ای تبریزی (متوفی ۱۲۹۹ ہجری قمری) سے استفادہ کیا اور تیس سال وہاں رہے اور فقہ و اصول میں اجتہاد کی سند ھروی اصفہانی سے لی اور قم واپس آگئے۔ ادبیات، علوم ریاضی، فلکیات، حکمت کے درس دینے میں مصروف ہوئے اور وہاں آخر سید جواد مجتہد اور آخوند ملا محمد صادق قمی صادقی (متوفی ۱۲۹۸ ہجری قمری) کے درس میں شرکت بھی کی اور بڑا علمی مقام حاصل کیا۔ ملا محمد صادق قمی سے سندِ اجتہاد لی اور سند نقل حدیث حاصل کی اور فقہ و اصول کی تدریس کا آغاز کیا۔ آپ آخری عمر تک یہیں پر رہے اور پچاس سال تک عقائد، فلکیات، ھیئت، ریاضی میں (ایساغوجی تحریر اقلیدس، شرح مجسطی، خلاصۃ الحساب، شرح تجرید اور قوشچی وغیرہ کا) حوزیہ علمیہ میں درس دیتے رہے۔

مشروطیت کے دور (۱۳۲۶ سے ۱۳۲۷ق) میں جب علما دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تو ملا محمد طاہر اشعری قم چھوڑ کر ساوہ زرند چلے گئے۔ وہاں پر بھی درس و تدریس میں مصروف رہے اور وہاں سے قم واپس آگئے تھے۔ لیکن پھر قم سے تبلیغ کیلئے چھٹیوں کے ایام میں زرند چلے جاتے تھے۔

اور وہاں جو مدرسہ قائم کیا تھا اس میں درس دیا کرتے تھے آپ تربیت نفس مدرسے اخلاق میں مصروف رہے۔ جب شیخ عبدالکریم حائری قم میں آئے۔ (نوروز 1301 ہجری) تو آپ شہر کے ممتاز علما اور صاحب تقوی شخصیات میں ہوتا تھا اس لئے عبدالکریم نے آپ کا زیادہ احترام کیا۔ کبھی وہ آپ کی ملاقات کیلئے آتے تھے تو کبھی آپ ان کے گھر ان سے ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے۔ شیخ عبدالکریم فقہی بحث کا درس (جو تکیہ عشق علی میں ہوتا تھا) اسی محلے میں موجود آخوند ملا محمد علی کے گھر لے جاتے اور ان کے ہمراہ ان کے شاگردوں کا گروہ بھی ہوتا تھا۔

ملا محمد طاہر کے برجستہ شاگردوں میں آیت اللہ ابو القاسم کبیر، میرزا محمد کبیر، میرزا محمد فیض، شیخ مہدی حرم پناہی، میرزا علی اصغر اشعری، میرزا باقر کمرہ ای اور امام خمینیؒ کا نام شامل ہے۔

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۱ ہجری قمری (یعنی ۱۲ مہر ۱۳۱۱ ہجری شمسی) کو زرند میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ وہاں امانت کے طور پر آپ کو دفن کیا گیا اور پھر ۱۴۱۳ ہجری میں قم لے جایا گیا اور قبرستان شیخان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ نے قم اور زرند میں جو زندگی گزاری اس دوران کافی ساری کرامات آپ سے ظاہر ہوئی جو آپ کے عظیم مقام کی نشانی ہے۔

۱۱۔اصطہباناتی، شیرازی محمد باقر

آیت اللہ شیخ محمد باقر اصطہباناتی شیرازی (۱۲۵۳ سے ۱۳۲۶ قمری) نے اصفہان میں شیخ محمد باقر بن محمد تقی اصفہانی (صاحب معلم کے بیٹے) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے بعد تہران کی طرف ہجرت کی۔ ایران میں آقا محمد رضا قمشہ ای، میرزا جلوہ اور آقا علی مدرس زنوزی سے علم حاصل کیا اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس اپنے وطن شیراز لوٹ گئے اور اس کے بعد سامرہ کا رخ کیا۔ جہاں مرزا شیرازی سے کسب فیض کیا۔ پھر نجف اشرف چلے گئے جہاں 7 سال رہے اور حکمت متعالیہ کا درس دینا شروع کیا۔ ان کے درس میں شاگردوں کی بڑی تعداد موجود رہتی تھی اور

اس زمانے میں حوزہ علمیہ نجف فقہ واصول کے سینکڑوں دروس کے درمیان تنہا آپ ہی کا درس فلسفہ کے متعلق ہوتا تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ حوزہ علمیہ نجف اشرف میں فلسفی بحثوں کے دروس شروع کرنے میں آپ ہی پہلی شخصیت ہیں۔

اصطہباناتی سات سال میں (۱۳۱۲ سے ۱۳۱۹ قمری) نجف اشرف میں فلسفے کی تدریس کے بعد واپس اپنے وطن شیراز آ گئے اور فقہ و فلسفے کی تدریس کے ساتھ ساتھ شیراز میں مشروطہ تحریک کی قیادت بھی سنبھالی اور مشروطہ کا دفاع بھی کیا اور جب شیراز کے عوام نے (۱۳۲۶ ہجری قمری میں ۱۷ اسفند ماہ ۱۲۸۶ ہجری شمسی) قیام کیا تو اس دوران آپ جان کی بازی ہار گئے آپ کو قبرستان جنب حافظیہ شیراز میں دفن کیا گیا۔آپ کے آثار میں حدوث عالم اور احکام دین کے عنوان سے کتاب موجود ہے۔

۱۲۔ اصفہانی، سید ابوالحسن

آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی (۱۲۸۴ سے ۱۳۶۵ ق) اصفہان میں پیدا ہوئے اور حوزہ علمیہ اصفہان کے بزرگ علماء شیخ محمد ابراہیم کلباسی، چہار سوقی اور جہانگیر خان قشقائی سے علم حاصل کیا۔ دس سال بعد تحصیل علم کی غرض سے ہی عراق چلے گئے پہلے سامرہ میں رہے پھر نجف اشرف چلے گئے۔ ان دو شہروں میں جن بڑے علماء سے کسبِ فیض کیا۔ان میں میرزا شیرازی، شیخ حبیب اللہ رشتی، شیخ محمد حسن مامقانی، سید محمد کاظم یزدی، آخوند خراسانی، مرزا محمد تقی شیرازی اور شیخو شریف اصفہانی شامل ہیں۔ شیخ محمد تقی شیرازی اور شیخ الشریعۃ اصفہانی کی وفات کے بعد آپ شیعوں کے تین بزرگ مراجع تقلید میں سے تھے اور پھر آیت اللہ مرزا حسین نائینی اور آیت اللہ کاشف الغطا جب وفات پا گئے تو مرجعیت آپ ہی میں منحصر ہو گئی۔آپکے مشہور فتاویٰ میں قمہ زنی اور

عزاداری میں طبل بجانے کی ممانعت نے بہت زیادہ شہرت پائی۔ ۱۳۶۵ہجری قمری آپ کی وفات ہوئی اور آپ کو صحن حرم مطہر حضرت امام علی علیہ السلام میں دفن کیا گیا۔ [1]

۱۳۔اصفہانی، نجفی محمد حسین

آیت اللہ محمد حسین اصفہانی نجفی (۱۲۶۶ سے ۱۳۰۸ قمری) اصفہان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اصفہان میں حاصل کی اور اعلی تعلیم کے حصول کے لئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ وہاں پر مرزا رشتی، شیخ راضی نجفی مرزا محمد حسن شیرازی سے تعلیم حاصل کی اور اجتہاد کے مقام پر فائز ہوئے وہاں شیخ محمد علی ترکی کے فلسفے کے شاگردوں میں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔اس کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں الفقہ، اصول الفقہ، اصول العقائد، تفسیر القرآن الکریم نمایاں ہیں۔ ان کی تفسیر (جو بہت ساری تحقیقات وتدقیقات نظری پر مشتمل ہے اور اہل عرفان کے مشرب پر لکھی گئی ہے) صرف سورہ حمد اور سورہ بقرہ کے کچھ حصہ پر مشتمل ہے یعنی مکمل قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔

آپ نور اللہ نجفی اصفہانی (متوفی ۱۳۴۶ قمری) کے بھائی اور شیخ محمد رضا مسجد شاہی اصفہانی کے والد تھے۔آپ نے یکم محرم ۱۳۰۸ قمری نجف اشرف میں وفات پائی اور صحن علوی میں دفن ہوئے۔ [2]

۱۴۔الہی طباطبائی، سید محمد حسن

آیت اللہ سید محمد حسن الہی طباطبائی (۱۳۲۵ سے ۱۳۸۸ قمری) تبریز میں متولد ہوئے۔ ۹ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی علامہ سید محمد حسین طباطبائی کے ساتھ نجف اشرف چلے گئے۔ حوزہ علمیہ میں علوم دینی میں مشغول ہوگئے۔ جہاں نائینی اور سید ابوالحسن اصفہانی جیسے اساتذہ سے فقہ

---

[1] حوالہ: گنجینہ دانشمندان وفیات العلماء دایرۃ المعارف تشیع۔

[2] حوالہ: تفسیر و مفسران طبقات مفسران شیعہ

واصول کا درس پڑھا۔ عقلی و فلسفی علوم سید حسین باد کوبہ ای سے اور علم عرفان مرحوم حاجی سید علی آقا قاضی سے پڑھا۔ آیت اللہ الہی دس سال بعد جب حوزیہ علمیہ سے تبریز میں واپس آ گئے تو وہاں پر مدرسہ بنایا اور شاگردوں کی اخلاقی و علمی تربیت شروع کر دی اور یہ عارف کامل ۶۳ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ تبریز میں آپ کی تشییع جنازہ ہوئی اور پھر قم میں دفن کیا گیا۔[1]

۱۵۔ امام جمعہ سید محمود

آیت اللہ سید محمود حسین موسوی امام جمعہ زنجانی (۱۳۰۹ سے ۱۳۷۴ قمری) زنجان میں متولد ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم آخوند ملا سبز علی اور شیخ جواد طارمی سے حاصل کی اور درس اسفار مرزا مجید زنجانی سے پڑھا۔ فقہ واصول کا درس خارج شیخ غلام حسین فقیہ زنجانی، اخوند ملا قربان علی زنجانی اور مرزا عبداللہ زنجانی سے زنجان میں پڑھا۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ ہجری میں نجف اشرف تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ محمد حسین غروی اصفہانی کے خاص شاگردوں میں سے قرار پائے اور ان کے ساتھ عرفان اور سلوک کے حوالے سے بھی فیض حاصل کیا۔ سید محمود نے آیت اللہ آخوند خراسانی، مرزا حسین نائینی، ملا فتح اللہ شریعت اصفہانی اور سید محمد کاظم یزدی کے دروس میں بھی شرکت کی۔

آیت اللہ امام جمعہ زنجانی فارغ التحصیل ہونے کے بعد نجف سے زنجان واپس آ گئے اور فقہ کی تدریس اور امامت جمعہ میں مصروف ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ قم میں بھی مقیم رہے اور آپ فقیہ سیاست مدار تھے۔ آیت اللہ سید قاضی مرحوم اور دیگر عرفا کی شاگردی میں رہے اور ان کے ساتھ دوستی بھی تھی۔ ان کے قریبی دوستوں اور شاگردوں میں ان کے بیٹے سید عزالدین زنجانی کے علاوہ سید محمود طالقانی، ابو عبد اللہ زنجانی، عبد الکریم زنجانی، شیخ حسین لنکرانی، سید رضا اور سید ابوالفضل زنجانی شامل ہیں۔ آپ نے ۱۳۷۴ ہجری کو تہران میں وفات پائی۔[2]

---

[1] گلبرگ شمارہ: ۷۵

[2] گنجینہ دانشمندان، جلد ۵

۱۶۔امین، عاملی سید محسن

آیت اللہ سید محسن امین عاملی (۱۳۸۴ سے ۱۳۷۱ قمری) بستی جبلِ عامل لبنان کے علاقے شقرا میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر بنت جبیل میں سید مہدی حکیم سے علمی استفادہ کیا اور ۱۳۰۸ ہجری قمری میں نجف تشریف لے گئے جہاں بزرگ علماء سید علی آملی، سید احمد کربلائی، شیخ محمد باقر نجم آبادی اور شیخ الشریعہ اصفہانی سے کسب فیض کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ دمشق آ گئے اور وہاں دین کی ترویج و تبلیغ میں مصروف ہوئے۔ وہاں پر موجود خرافات کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ شیعہ جوانوں کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور یادگار تحریک چلائی۔ وہاں پر شیعہ و سنی وحدت کا قیام ان کے عظیم کاموں میں سے ایک ہے۔ اعیان الشیعہ، تاریخی جبل العامل، البحر الزخار، مجالس السنیہ لواعج الاشجان ان کی کتابیں ہیں۔ ماہ رجب ۱۳۷۱ ہجری قمری میں وفات پائی اور زینبیہ دمشق میں مدفون ہیں۔ [1]

۱۷۔انصاری، شیخ مرتضی

شیخ مرتضی انصاری (۱۲۱۴ سے ۱۲۸۱ قمری) دزفول ایران میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عراق چلے لے گئے اور نجف میں بزرگ علماء کے دروس میں شرکت کی جن میں شیخ موسی کاشف الغطا، شیخ علی کاشف الغطا اور سید محمد شامل ہیں شیخ انصاری ۱۲۴۰ھ میں میں امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد تشریف لائے اور پھر راستے میں بروجرد، اصفہان، قم اور کاشان میں بھی رُکے۔ ان کا یہ سفر چار سال تک جاری رہا اور اس دوران ملا محمد احمد عراقی کے دروس سے بھی استفادہ کیا۔ نجف اشرف واپسی کے بعد وہاں کے بڑے مدرسین میں سے قرار پائے ۔انہوں نے بڑے بڑے شاگرد تیار کیے جن میں مرزا محمد حسن شیرازی، مرزا محمد حسین آشتیانی، ملا

[1] حوالہ: اعیان الشیعہ، الامام السید محسن الامین معجم المؤلفین

حسین قلی ہمدانی ، آخوند خراسانی ، مرزا حبیب اللہ رشتی ، سید جمال الدین اسدآبادی ، ملا ابراہیم قمی، مرزا ابوالحسن سبزواری اور سید ابوالقاسم خوانساری وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ مرتضٰی انصاری نجف اشرف کے حوزہ کے زعیم تھے ۔ عرفان و سلوک آیت اللہ سید علی شوستری سے حاصل کیا۔ان کے بہت سارے قلمی آثار بھی ہیں۔جن میں المقاصد، فرائد الاصول ،کتاب الصلاہ اور کتاب الطہارہ شامل ہیں۔آپ نے حوزہ علمیہ نجف اشرف میں ۶۷سال کی زندگی بسر کی اور نجف میں ہی وفات پائی ۔ حرم امیرالمومنین میں باب القبلہ کی جانب دفن ہوئے۔[1]

۱۸۔ بادکوبہ ای، سید حسین

آیت اللہ سید حسین بادکوبہ ای (۱۲۹۳ سے ۱۳۵۸قمری) باکو شہر کی بستی باکوبہ میں پیدا ہوئے۔نوجوانی کے آغاز میں ہی دینی علوم کی تحصیل کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ابتدائی دینی تعلیم کا آغاز اپنے والد سے کیا اور پھر تہران چلے گئے جہاں سید ابوالحسن جلوہ ،مرزا قاسم اشکوری اور مرزا علی آقا مدرس زنوری سے کسبِ فیض کیا۔وہاں سے نجف اشرف چلے گئے اور مرحوم آخوند خراسانی کے درس میں شرکت کی ۔

تحصیل علم کے بعد تدریس شروع کی اور بلند مقامات تک پہنچے اور پھر فقہ، اصول، فلسفہ، عرفان و کلام میں بہت سارے شاگرد تربیت کئے جن میں ابو القاسم خوئی، سید محمد حسین قاضی طباطبائی، سید محمد حسن الٰہی طباطبائی، سید مرتضی مرعشی نجفی، سید محمد بادکوبہ ای، میرزا علی اکبر مرندی، شیخ مجتبیٰ لنکرانی، سید عبد الاعلیٰ سبزواری، سید علی اصغر خوئی، سید علی اکبر طسوجی، سید محمد اشکوری، شیخ محمد تقی آملی اور شیخ غلام حسین جعفری ہمدانی جیسے مشہور شاگرد شامل ہیں۔آپ بہت ہی سادہ، زاہد اور پرہیزگار زندگی گزارنے والے تھے۔

[1] شیخ انصاری، مرتضی انصاری، سبط الشیخ، قم، کنگرہ جہانی، سیستمین سال تولد شیخ انصاری

یہ عظیم فلسفی 28 شوال 1358 ہجری قمری میں دار فانی سے وداع کر گئے اور حرم اقدس امام علی علیہ السلام کے احاطہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔[1]

۱۹۔ بحر العلوم سید مہدی

آیت اللہ سید محمد مہدی طباطبائی بروجردی (۱۱۵۵ سے ۱۲۱۲ قمری) سید بحر العلوم کے نام سے معروف ہیں۔ آپ نے نوجوانی میں ہی مقدمات، نحو وصرف، ادبیات، منطق اور فقہ اصول کی ساری کتابیں اپنے والد اور دیگر فضلاء کے ہاں چار سال سے کم عرصے میں ختم کرلیں، بلوغ کے اوائل میں کربلا میں اپنے والد کے درسِ خارج کے علاوہ وحید بہبہانی، آیت اللہ یوسف بحرانی کے درس خارج میں جانا شروع کردیا تھا اور پانچ سال تحقیق درس و بحث کے بعد ان تینوں اساتذہ اجتہاد کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد نجف اشرف تشریف لے گئے اور تحقیق وتدریس سے منسلک ہو گئے تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کی عمر ۳۰ سال بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مقام مرجعیت پر پہنچ گئے۔ آپ تدریس و تعلیم اور فقہاء اور بزرگ اساتذہ کی مشکلات کو نپٹاتے تھے۔ آپ کے استاد وحید بہبہانی کی وفات کے بعد مرجعیت آیت سید بحر العلوم کے پاس آ گئی۔ اجتماعی مشکلات کے حل کرنے اور علمی مراکز کو منظّم کرنے کے لئے آپ نے خود کو وقف کردیا اور اس کام کے لئے اپنے زمانے کی برجستہ شخصیات کو بھی دعوت دی، اپنے شاگردوں میں سے شیخ جعفر کاشف الغطا کی ذمہ داری لگائی کہ وہ استفتاءات کی کمیٹی کی سربراہی کریں اور سوالوں کے جوابات دیں۔ آیت اللہ شیخ حسین نجفی جو نجف کے مقدس اور متقی علماء میں سے تھے۔ ان کو مشہور مسجد ہندی میں امام جماعت کی ذمہ داری دی اور شیخ محی الدین کو قضاوت اور لوگوں کی شکایات کے ازالے اور فیصلوں کے لئے متعین کیا اور حوزہ میں تدریس اور اس کے نظم ونسق کو اپنے ذمہ لیا۔ آپ امامیہ کا جو طریقہ عرفان و سلوک ہے اس سلسلے کے مشہور عرفا میں سے بھی ہیں۔ لوگوں کی خدمت اور شاگردوں کی تعلیم کے باعث آپ کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ کی زیادہ کتابیں نہیں ہیں البتہ ان میں

[1] نقباء البشر، اثر آفرینان؛ گنجینہ دانشمندان، تاریخ حکماء وعرفا۔

المصابیح ،الزکوۃ، الہدایہ ، الفوائد الرجالیہ کے نام سامنے آتے ہیں آپ ۷۵سال کی عمر میں وفات پائی اور شیخ طوسی کی قبر کے کنارے آپ مدفون ہیں۔[1]

برغانی قزوینی، محمد تقی

آیت اللہ ملا محمد تقی قزوینی (1172 سے 1263 ہجری قمری) قزوین کے ایک قصبے برغان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر قزوین شہر چلے گے اور وہاں سے تعلیم کی غرض سے اصفہان آگئے جہاں فلسفہ کے دروس پڑھے اور پھر عراق چلے گئے۔ کچھ عرصہ کربلا میں رہے اور سید علی طباطبائی کے درس فقہ میں بھی جاتے رہے۔ پھر ۱۲۲۰ ہجری میں ایران واپس آگئے۔ قاجاریوں سے اختلاف کے سبب سوچا کہ نجف اشرف ہجرت کر جائیں، نجف اشرف میں شیخ جعفر کاشف الخطاء سید محمد مجاہد اور سید علی طباطبائی کے درس میں گئے اور ان سے سند اجتہاد بھی حاصل کی۔ کچھ عرصہ بعد قزوین چلے گئے جہاں درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ منہج الرشاد، نہج الاجتہاد، عیون الاصول و ملحض العقائد ان کی بعض مشہور تصنیفات ہیں۔ اور آپ کے مناظرات اور مبارزات شیخ احمد احسائی کو کربلا سے نکالنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ اسی طرح آپ کا بابیگری سے بھی مبارزہ ہوا جو آپ کے درجہ شہادت پر فائز ہونے کا سبب بنا۔ محراب عبادت میں آپ کو ۱۲۶۳ہجری قمری میں شہید کر دیا گیا۔[2]

۲۱۔ برقعی، سید عیسیٰ

حجۃالاسلام سید عیسیٰ برقعی (متوفی 1310 ہجری شمسی) صدر الواعظین قمی کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت ہی باتقویٰ عالم تھے، ظلم کے خلاف جہاد کرنے والے تھے۔ قم کے مشہور لوگ آپ کے عقید تمند تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ''آقا سید عیسیٰ کے ہاتھوں میں شفا ہے۔'' آج بھی ان کے اخلاص، توکل اور توسل کے باعث کرامات زبان زد عام ہیں۔ ۷۶ سال کی عمر میں ۱۳۱۰ شمسی کو اللہ

---

[1] فقہائے شیعہ

[2] اعیان الشیعہ، دانش نامہ جہان اسلام۔

کو پیارے ہو گئے۔ آپ کو حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے پرانے صحن میں دفن کیا گیا۔ آپ سید مرتضیٰ برقعی (جو مشہور خطیب ہیں) اور آقا سید رضا برقعی (جو مشہور مصنف اور مدرسہ اسلامی باقریہ قم کے مدیر ہیں) کے والد تھے۔[1]

۲۲۔ برنابا (بارنابا)

آئین مسیح علیہ السلام کے ابتدائی مبلغین میں تھے۔ ان کا اصل نام یوسف تھا۔ اس کے ماں باپ یہودی تھے۔ وہ قبرص میں پیدا ہوئے۔ برنابا نے مسیحی دین قبول کیا اور دین مسیح کے مبلغ بن گئے البتہ یہ بارہ حواریوں میں نہیں تھے۔ لیکن پیغام رسانی کے مرتبے کو پہنچے۔ یہ ان دو میں سے ایک ہیں جنہیں پولس نے اپنی انجیل پیش کی۔ برنابا کے پاس بھی انجیل تھی جیسا کہ قدیم مؤلفین نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اسی انجیل کے ساتھ تین سو سے زائد دوسری اناجیل بھی تھیں جنہیں ایک مجلس شوری نیقیہ (۳۲۵ عیسوی) میں غیر رسمی قرار دیا گیا اور پوپ گلاسیوس اول نے حکم دیا کہ تین سو باقی اناجیل کو ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد والے پاپاؤں نے لکھا کہ ان کتابوں کا مطالعہ ٹھیک نہیں ہے۔ ۴۷۸ عیسوی میں جو مقبرے تلاش ہوئے تو ان میں برنابا کی طرف منسوب انجیل بھی دریافت ہوئی جسے روم کے کلیسا نے انجیل متیؓ سمجھا اور کہا گیا کہ انجیل برنابا کے چند کلمات باقی چار اناجیل سے فرق رکھتے ہیں۔ جیسے: ۱۔ عیسی علیہ السلام نے ہزاروں یہودی سپاہیوں، مردوں، عورتوں اور بچوں کے سامنے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے کا انکار کیا ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی کا ارادہ کیا تھا وہ اسماعیل تھے نہ کہ اسحاق۔ نبوت کے لئے بھی اسماعیل علیہ السلام ہی کا انتخاب ہوا۔ ۳۔ مسیح منتظر عیسی علیہ السلام نہیں بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اور جب آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا تو انہوں نے دروازے کے اوپر توحید خدا اور رسالت محمد ﷺ کی گواہی لکھی دیکھی۔ ۴۔ عیسیٰ کو مصلوب نہیں کیا گیا بلکہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے۔ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا وہ یہودی اسخریوطی تھا جو اچانک حضرت عیسی علیہ السلام کا ہمشکل بن گیا تھا۔

---

[1] گنجینہ دانشمندان، ج۱، ستارگان حرم: ج ۱۲، خاندان بزرگ برقعی: ص ۲۰۳۔

کہا جاتا ہے کہ اس انجیل کے دو صدی پہلے کچھ نسخہ ہاتھ لگے ہیں اور شائع بھی ہوئے ہیں۔[1]

۲۳۔ بروجردی حاج آقا حسین

آیت اللہ سید حسین طباطبائی بروجردی (۱۲۹۲ سے ۱۳۸۰ق) بروجرد میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور پھر اصفہان چلے گئے۔ وہاں آخوند کاشی ،ابوالمعالی کلباسی ، مرزا جہانگیر خان قشقائی اور سید محمد تقی مدرس سے کسب فیض کیا۔

آیت اللہ بروجردی ۱۳۱۹ہجری قمری میں نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں پر آخوند خراسانی کے درس میں شریک ہوئے۔ شیخ الشریعہ اصفہانی اور سید کاظم یزدی کے دروس میں گئے اور بہت جلد آخوند خراسانی کے خاص طور پر مورد نظر قرار پائے۔ اپنے والد کے ساتھ ۱۳۲۹ہجری میں واپس آگئے اور کئی سال اپنے شہر میں درس وتدریس میں مصروف رہے۔ بہت ساری تحقیقات اور تالیفات مرتب کیں اور بہت سارے شاگردوں کی تربیت کی۔

۱۳۶۴ہجری قمری علمائے قم کے بہت زیادہ اصرار کے باعث بردجرد قم مقدسہ تشریف لائے اور وہاں پر درس دینا شروع کردیا اور بہت جلد علمی مرکزیت آپ نے سنبھال لی اور قم کی مدیریت اور حوزہ کی سربراہی آپ کے پاس آگئی۔ سیدابوالحسن اصفہانی اور حاج حسین قمی کی وفات کے بعد شیعیان جہان کے لئے مرجع تقلید بن گئے۔ آپ نے بہت سارے شاگردوں کی تربیت کی اور آپ کی کتابوں میں رسالہ فی المہر ،الموسوعۃ الرجالیۃ، اطلالۃ فی الحدیث والرجال وغیرہ شامل ہیں۔

آیت اللہ حاج آقا حسین بروجردی ماہ شوال ۱۳۸۰ہجری قمری میں انتقال کرگئے۔ ان کو مسجد اعظم قم مقدسہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔[2]

---

[1] دانشنامہ جہان اسلام مدخل "برنابا"

[2] زندگی نامہ آیت اللہ بروجردی، دوانی، خاطرات زندگی آیت اللہ بروجردی، علوی، زندگی آیت اللہ العظمی بروجردی، واعظ زادہ

۲۴۔بروجردی، حاج آقامنیر الدین

آیت اللہ حاج آقا منیر الدین بروجردی احمد آبادی(۱۲۶۹تا ۱۳۴۲قمری) کا شمار حوزہ علمیہ کے فقہ کے مشہور اساتذہ میں ہوتا تھا۔اپنے زمانے کے ممتاز محققین میں سے تھے۔ابتدائی تعلیمی مراحل بروجرد میں طے کیے پھر اصفہان چلے گئے جہاں حاجی شیخ محمد باقر مسجد شاہی کے درس میں حاضر ہوتے رہے۔کچھ عرصہ سامرامیں مرزا محمد حسن شیرازی کے درس میں بھی گئےاور پھر اصفہان واپس آ گئے۔ عوام وخواص میں آپ کو بہت احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔وہ مسجد ایلچی میں نماز پڑھاتے تھے اور وہیں پر درس دیا کرتے تھے۔انہیں علم الرجال اور علم درایہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ فقہ وادبیات پر بہت ساری کتابیں بھی لکھیں۔آپ کو ملک تخت فولاد میں دفن کیا گیا۔[1]

۲۵۔بنی صدر، سید نصراللہ

آیت اللہ سید نصراللہ بنی صدر ۱۳۹۲ہجری قمری میں وفات ہوئی۔آپ صدر العلماء ہمدانی کے بیٹے ہیں۔ مقدمات وسطوح کے دروس ہمدان میں پڑھے اور اس کے بعد تہران آ گئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے لئے نجف اشرف چلے گئے، جہاں مرزا محمد حسین نائینی ،آقا ضیاء الدین عراقی اور سید ابوالحسن اصفہانی سے کسب فیض کیا۔اس کے بعد ہمدان واپس آ گئےاور آخر عمر تک وہیں پر علمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وفات کے بعد آپ کو نجف اشرف منتقل کر دیا گیا جہاں مقبرہ مرحوم آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی میں دفن کیا گیا۔[2]

---

[1] دانشمندان وبزرگان اصفہان

[2] ہجو سلمان صفحہ ۱۳۵،۱۳۶۔

۲۶۔ بہاؤالدینی، سید رضا

آیت اللہ سید رضا بہاؤالدینی (۱۲۸۷ سے ۱۳۷۶ شمسی) شہر قم میں پیدا ہوئے۔ حوزہ علمیہ قم میں تحصیل علم کا آغاز کیا اور علمی مدارج طے کرنے کے بعد اسی حوزہ میں ہی درس دینا شروع کیا اور آیت اللہ سید محمد خوانساری سے اجتہاد کی سند حاصل کی۔ فقہ و اصول کی تدریس کے ساتھ ساتھ درس اخلاق میں بھی بڑا مقام تھا۔ سیر و سلوک کی وادی میں بھی مدارج طے کیے۔ خاص طور پر ہر ہفتہ جو درس اخلاق دیتے تھے اس سے بہت زیادہ لوگ فیضیاب ہوتے تھے۔ امام خمینی کی تحریک کے حامی اور انقلابِ اسلامی کے دفاع کرنے والوں میں سے تھے۔ جب ایران پر جنگ مسلط ہوئی اس میں بھی سپاہیوں اور فوجیوں کے لئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ رہنمائی بھی فراہم کرتے تھے۔

آیت اللہ بہاؤالدینی نے تیر ماہ ۱۳۷۶ ہجری شمسی میں وفات پائی اور حرم مطہر حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا میں مدفون ہوئے۔ [1]

۲۷۔ بہبہانی، سید عبداللہ

آیت اللہ سید عبداللہ بہبہانی (۱۲۱۹ سے ۱۲۸۹) شیعوں کے عظیم مراجع میں سے تھے اور ایران میں جو جمہوریت کی تحریک چلی، اس کے قائدین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ سید بہبہانی نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے پاس ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر شیخ مرتضی انصاری مرزا محمد حسن شیرازی اور سید حسین کوہ کمری کے دروس میں شرکت کی اور درجہ اجتہاد کو پہنچے۔ ۱۲۸۷ ہجری قمری میں واپس تہران آگئے اور اپنے والد کی وفات کے بعد لوگوں کے دینی اور اجتماعی امور انجام دینے لگے۔

---

[1] فصل نامہ حوزہ، دانشوران یاد نامہ آیت اللہ بہاء الدینی

سید عبداللہ بہبہانی نے مشروطیت کی تحریک میں سید محمد طباطبائی اور شیخ فضل اللہ نوری کے ساتھ مل کر قیادت کی اور مراجع تقلید نجف کی حمایت و تائید سے اس میں شریک ہوئے۔ شاہ عبدالعظیم حسنی اور حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا میں اس تحریک کے لیے دھرنا بھی دیا۔ جب محمد علی شاہ کے حکم سے روسیوں کی وجہ سے پارلیمنٹ کو توپ کا نشانہ بنایا گیا تو اس موقع پر آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور پھر نجف بدر کر دیا گیا۔ کامیابی کے بعد آپ واپس تہران آ گئے تو لوگوں نے بہت شاندار استقبال کیا۔

کہا جاتا ہے کہ مرزا شیرازی (متوفی ۱۳۱۲ ہجری قمری) کی زندگی میں ہی بہبہانی اور شیخ فضل اللہ (جو تہران میں مرزا شیرازی کے نمائندہ تھے) کے درمیان اختلافات پائے جاتے تھے ،جس کی وجہ سے جو کچھ مرزا شیرازی ملک اور لوگوں کی بہتری کے لئے چاہتے تھے وہ نہیں کر پاتے تھے۔ اسی لئے محمد طباطبائی کو مرزا نے اصلاحات کی خاطر مقرر کیا اور ان کے درمیان جو اختلافات تھے ان کو دور کر دیا پھر یہ تینوں افراد مل کر مشروطیت کے حق میں اکٹھے کام کرتے رہے۔ یہ ۱۳۲۴ ہجری قمری کی بات ہے۔ سید عبداللہ بہبہانی کو ۱۳۲۸ ہجری رجب کے مہینے میں شہید کر دیا گیا اور ان کا جنازہ نجف اشرف لے جا کر وہیں پر دفن کیا گیا۔[1]

۲۸۔ بہبہانی، سید محمد

آیت اللہ سید محمد موسوی بہبہانی (۱۲۵۰ تا ۱۳۴۲ ہجری شمسی) کی تہران میں ولادت ہوئی۔ آیت اللہ سید محمد، سید عبداللہ بہبہانی کے بیٹے تھے۔ ان کے والد مشروطیت کے دوسرے بڑے قائد تھے۔ مقدمات اور ابتدائی تعلیم تہران سے مکمل کرنے کے بعد حوزہ علمیہ نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں فقہ اصول کو مکمل کیا اور اجتہاد کی سند لی۔ پھر سید محمد واپس آ کر تہران میں

[1] زندگی سیاسی و اجتماعی سید عبداللہ بہبہانی، اخوند خراسانی، نقباء البشر، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی

درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ اپنے والد کے ساتھ پارلیمنٹ کی تشکیل میں بہت زیادہ متحرک رہے۔

سید محمد اپنے والد کی شہادت کے بعد حوزہ علمیہ تہران کے سربراہ بن گئے۔ پارلیمنٹ کے دوسرے دور میں نمائندہ منتخب ہوئے اور مراجع نجف نے اس پارلیمنٹ کے لئے جن پانچ علماء کا نام دیا تھا، ان میں سے ایک آپ تھے اور آپ بہت جلد تہران میں مرجعیت کے مقام پر پہنچے اور تہران کے عظیم مجتہدین میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ سید محمد بہبہانی اس ڈر سے کہ پورا ایران کیمونسٹ نہ بن جائے، اس حوالے سے پہلوی دربار اور ڈاکٹر مصدق کے درمیان جو جھگڑا ہوا اس میں شاہ کے حامی بن گئے۔ حتی کہ آیت اللہ کاشانی نے بھی شاہ کی حمایت اور مصدق کی حکومت کے خاتمے کے لئے اپنے ساتھ کرلیا۔ اور ان کا شاہ کی حمایت میں بیان اور شاہ کو ملک میں رہنے کی تحریری درخواست مشہور ہے، جس نے 28 مرداد ۱۳۳۲ ہجری میں مصدق کی حکومت کے خاتمے میں موثر کردار ادا کیا۔ ان سب کے باوجود جب ریفرنڈم ہوا جس میں شاہ کے چھ نکات موجود تھے جسے انقلاب سفید کا نام دیا گیا تھا، ان کی بہبہانی نے مخالفت کی اور اس حوالے سے کافی سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دور کی جو سیاسی شخصیات تھیں جن کا دربار شاہ میں کافی اثر ورسوخ تھا، ان کے ہاں آپ کا کافی آنا جانا تھا اور کافی معاملات میں آپ نے حکومت وقت کے درمیان رابطہ میں کافی کردار ادا کیا اور بزرگ علماء جیسے آیت اللہ بروجردی اور مراجع نجف اشرف اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کے حوالے سے بھی اپنے کردار ادا کیا۔ آیت اللہ سید محمد بہبہانی ۲۰ آبان ۱۳۴۲ ہجری شمسی میں تہران میں انتقال کرگئے اور ان کو نجف اشرف میں سپرد خاک کردیا گیا۔[1]

1 فصل نامہ حضور شمارہ ۴۲، جرعہ ای از دریا

۲۹۔ بہجت، علی

حجۃ السلام والمسلمین علی بہجت فرزند مرحوم آیۃ اللہ محمد تقی بہجت ۱۳۳۰ ہجری شمسی میں قم میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں اسکول سے حاصل کی۔ آیت اللہ محمد مومن جو ہائر سیکنڈری اسکول میں تھے، ان کے استاد تھے۔ ابتدائی علوم دینی پڑھنا شروع کیے تو ادبیات عربی مرحوم جلیلی تبریزی اور دیگر استادوں سے پڑھے۔ حضرت آیت اللہ فاضل ہرندی، سید ابوالفضل موسوی تبریزی اور شیخ علی پناہ اشتہاردی کے پاس دیگر علوم پڑھے۔ رسائل و مکاسب کی تعلیم حضرت آیت اللہ حسین نوری اور بنی فضل جبکہ کفایہ آیت اللہ سید محمد باقر سلطانی سے حاصل کی۔ ۱۳۵۰ ہجری شمسی میں اپنے والد کے درس خارج میں حاضر ہوئے۔ نیز گلپایگانی اور شیخ مرتضی حائری سے بھی کسب فیض کیا۔

۱۳۴۶ ہجری سے ۱۳۴۷ ہجری تک درس شرح منظومہ آیت اللہ یحییٰ انصاری شیرازی کے پاس پڑھا اور ۱۳۴۹ سے چودہ سال تک آیت اللہ حسن زادہ آملی سے فلسفہ پڑھا۔ ۱۳۵۷ میں سات سال عرفان نظری، شرح تمہید القواعد، فصوص، مصباح الانس، ہیئت، ریاضیات اور علم نجوم بھی پڑھتے رہے اور اسی طرح استعار کا ایک حصہ بھی آیت اللہ جوادی آملی سے پڑھا۔

آیت اللہ بہجت کے تین بیٹے ہیں۔ ان کے ایک بیٹے شیخ محمد بہجت ہیں جو ۱۳۲۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور فضلا قم میں ان کا شمار ہوتا ہے اور انہوں نے کشف الوجوہ الغرّ لمعانی نظم الدرّ عزالدین محمود کاشانی، کا ترجمہ بھی کیا ہے۔[1]

۳۰۔ پہلوانی (سعادت پرور)، حاج شیخ علی

آیت اللہ علی سعادت پرور (۱۳۰۵ سے ۱۳۸۴ ہجری شمسی) جو پہلوانی تہرانی کے نام سے مشہور ہیں۔ تہران میں پیدا ہوئے، جوانی میں شیخ محمد زاہد اور شیخ علی اکبر برہان کے پاس تعلیم

[1] شرح قصیدہ تائیہ، ابن فارض

حاصل کی۔ حوزہ علمیہ قم میں بزرگ اساتید کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔آیت اللہ سلطانی طباطبائی اور آیۃ اللہ مرعشی نجفی کے دروس میں بھی گئے۔آیت اللہ بروجردی اور امام خمینی کی بھی شاگردی کی۔ چالیس سال تک علامہ طباطبائی کی خدمت میں اخلاقی و عرفانی مباحث میں شرکت کی اور خود قم کے مشہور اساتذہ میں مشہور ہوئے۔آپ کی کتابوں میں جمال آفتاب (غزلیات حافظ کی شرح ہے جو علامہ طباطبائی کی رہنمائی میں آپ نے لکھی ہے اور ۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے) قرآن و فطرت، معارف ادعیہ، جلوہ نور (در فضائل فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا)، فروغ شہادت (قیام امام حسینؑ سے متعلق ہے) الاسرا (شرح حدیث معراج)، راز دل (تقریر علامہ طباطبائی در شرح گلشن راز)، پاسداران حریم عشق، (سلوک و تعالیم عرفائے اسلام کی شرح ہے، یہ کام علامہ طباطبائی کی رہنمائی میں کیا ۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے) ۵ آزر ۱۳۸۴ ہجری شمسی میں فوت ہوئے اور کریمہ اہل بیت علیہا السلام کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا۔[1]

۳۱۔ تبریزی، مرزا رضی

آیت اللہ مرزا رضی تبریزی(۱۲۹۴ تا ۱۳۷۰ ہجری قمری) تبریز میں پیدا ہوئے ۔ابتدائی تعلیم اسی شہر میں حاصل کی اور پھر نجف اشرف تشریف لے گئے۔صاحب کفایہ اور صاحب عروۃالوثقی یعنی شیخ الشریعہ اصفہانی سے درس پڑھے۔ ۱۳۲۴ ہجری قمری میں تبریز واپس آئے اور چار سال بعد پھر قم مقدسہ آگئے اور درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ متعدد شاگردوں کی تربیت کی جن میں آپ کے معروف شاگرد سید جلال الدین آشتیانی بھی شامل ہیں۔[2]

---

[1] کیہان فرہنگی شمارہ ۲۳۵، ۲۳۴

[2] الاجازۃ الکبیرۃ صفحہ 60

۳۲۔ تہرانی مرزا عبد العلی

آیت اللہ حاج مرزا عبد العلی تہرانی (۱۳۱۸ سے ۱۳۸۷) تہران میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حوزہ علمیہ تہران سے حاصل کی۔ پھر قم چلے گئے اور وہاں آیت اللہ حاج شیخ عبد الکریم حائری یزدی سے کسب فیض کیا اور درس اخلاق مرزا جواد آقا ملکی تبریزی سے حاصل کیا۔

اس کے بعد تہران واپس آ گئے اور وہاں لوگوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ بازار کی مسجد میں نماز جماعت کا اہتمام کیا اور وعظ و اخلاق کی مجالس کا اجراء کیا۔ ساتھ ساتھ تہذیب نفس اور تصفیہ قلب میں بھی مشغول رہے اور اس حوالے سے شیخ مرتضی زاہد سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔

۱۳۷۱ ہجری میں مشہد چلے گئے جہاں سے وہ اخلاق کے علاوہ مسجد بالاسر حرم مطہر امام رضا علیہ السلام میں اقامت جماعت میں مصروف ہو گئے۔ تین سال تک وہاں رہے اور پھر آیت اللہ مرزا احمد آشتیانی کے اصرار پر واپس تہران آ گئے۔ آخری عمر تک تہران کی مسجد جہاں بزازہا میں امام جماعت رہے۔ ان کے آثار میں ربیع الانوار، سیر الحدیث، شرح معانی الآثار کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ [1]

۳۳۔ تہرانی (شیخ العراقین) شیخ عبد الحسین

آیت اللہ شیخ عبد الحسین تہرانی (۱۲۲۶ سے ۱۲۸۶ ہجری) تہران میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی اور پھر نجف اشرف چلے گئے۔ وہاں بڑے بڑے اساتذہ کے دروس میں شرکت کی، جن میں شیخ مشکور حولادی، شیخ عیسیٰ زاہد اور صاحب جواہر شامل ہیں۔ پھر وہی پر درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے اور اس کے بعد تہران واپس آ گئے۔ ناصر الدین شاہ کی درخواست پر تہران کے حوزہ علمیہ کے سربراہ بن گئے۔ ۱۲۸۰ ہجری قمری میں ناصر الدین شاہ کی خواہش پر تہران کو خیر باد کہا اور خاندان کے ہمراہ عازم کربلا ہو گئے تاکہ باقی عمر کربلا میں گزاریں۔ حکومت ایران کی طرف

[1] گنجینہ دانشمندان

سے کربلا کاظمین اور سامرا کے حرم کی تعمیر کے لئے متعین ہوئے شیخ العراقین ان کا لقب قرار پایا۔ صاحب گنجینہ ان کا نسخہ ہے اور ان کا ایک رسالہ عملیہ بھی ہے اس کے علاوہ رسائل پر حاشیہ، راویوں کے طبقات کے متعلق کتاب اور علم رجال میں بھی کتاب موجود ہے۔ شیخ عبدالحسین تہرانی 2 رمضان بار 1286 ہجری قمری میں کاظمین میں انتقال فرماگئے کیا گیا اور امام حسین علیہ السلام کے جوار میں دفن کیا گیا۔

۳۴۔ تیمورتاش، عبدالحسین

عبدالحسن تیمورتاش (۱۲۶۰۔ ۱۳۱۲ش) بجنور میں پیدا ہوئے، آپ کریم داد بجنوری کے فرزند تھے جو خراسان کے بڑے زمینداروں میں سے تھے۔ مظہر الدین شاہ کے زمانہ میں سبزوار اور جوین کے حاکم رہے۔ عبدالحسین جب تیرہ سال کے تھے تو انہیں روسی زبان سیکھنے کے لئے عشق آباد بھیجا گیا، وہاں سے سن پتر زبورگ گئے جہاں نظام نیکای مدرسہ میں جدید علوم اور عسکری فنون حاصل کئے اور چوبیس سال کی عمر میں واپس آگئے اور وزارتِ خارجہ میں روسی زبان کے مترجم قرار پائے۔ جب انقلاب مشروطہ کی تحری چل رہی تھی تو اس کے حامیوں میں سے تھے اور پارلیمنٹ کا جو دوسرا دورانیہ تھا اس میں مشہد کے نمائندے کے طور پر منتخب ہوئے اور تیسرے دور میں کوچان کے نمائندے بنے۔ اسی دوران چوتھی اور تیسری مجلس کے دوران گیلان کے حاکم بھی بنے اور لوگوں کی بدسلوکی کی وجہ سے بغیر عدالت میں مقدمہ چلائے ان کی معزولی کا حکم ہو گیا، آپ عہدہ چھوڑ کر واپس تہران آگئے۔

اول فروردین ۱۳۰۰ شمسی سید ضیاء طباطبائی وزیراعظم تھے، اور انقلاب کے بعد انگریز کے نمائندہ وزیر تھا، اس سے رابطہ رکھنے کے الزام میں پکڑے جاتے ہیں اور قم بھیج دیا جاتا ہے اور جب قوام احمد شاہ وزیراعظم تھے تو اس وقت آپ قم المقدسہ میں تھے اور جب پارلیمنٹ کا چوتھا دور آیا تو قائنات شہر کے نمائندہ مقرر ہوئے۔ اس پارلیمنٹ میں ۱۹۱۹ عیسوی کی قرارداد کی مخالفت میں اعلامیہ جاری کیا اور پارلیمنٹ کے پانچویں اور چھٹے دورانیہ میں نیشاپور کے نمائندہ منتخب ہوئے اور

شہریور میں ۱۳۰۳ میں تجارت اور فوائد عامہ کے وزیر بن گئے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ رضا خان (جو سپاہ سالار اور وزیر اعظم تھا) وہ اکثر کہتا تھا "قول تیمور تاش قول من است" (یعنی تیمور تاش کی بات میری بات ہے)۔ ۱۳۰۴ ہجری شمسی میں رضا خان کی سلطنت کے آغاز میں دربار کی وزارت تک پہنچ گئے اور ساتویں پارلیمنٹ میں انہوں نے کوشش کی کہ پارلیمنٹ کے نمائندگان ایسے آئیں جو حکومت کے حامی ہوں۔ آپ حکومتِ ایران کے نمائندہ کے طور پر ملک سے باہر بھی جاتے تھے اور دیگر ممالک میں جا کر مذاکرات کرتے تھے اور تیمور تاش اپنے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ اور طاقت کے باعث رضا خان کے عتاب کا شکار ہوئے اور اچانک ۱۳۱۱ ہجری شمسی میں آپ کو گرفتار کیا گیا اور وزارت دربار سے معزول کر دیا گیا۔ رشوت لینے کے جرم میں پانچ سال انہیں قید تنہائی دی گئی اور جرمانہ بھی لگایا گیا اور شاہ کے حکم سے ۱۳۱۲ ہجری شمسی میں زندانِ قیصر کے اندر قتل کر دیا گیا۔ [1]

۳۵۔ جعفری، محمد تقی

آیت اللہ علامہ محمد تقی جعفری (۱۳۰۲۔۱۳۷۷ ہجری شمسی) کو تبریز شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا اپنی والدہ سے سیکھا۔ اس لیے جب تبریز میں عصری علوم کے اسکول میں داخل ہوئے تو جماعت چہارم سے تعلیم کا آغاز کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں دینی علوم حاصل کرنے کی غرض سے تہران چلے گئے اور مدرسہ مروی میں فاضل اساتذہ کے پاس رسائل و مکاسب کی کتابیں پڑھیں اور فقہاء اور حکماء کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جن میں میرزا مہدی آشتیانی، شیخ محمد رضا تنکابنی اور میرزا محمد تقی زرگر تبریزی شامل ہیں۔

کچھ عرصہ بعد قم کی طرف ہجرت کی، وہاں مدرسہ دار الشفاء میں تحصیل علم کے ضمن میں روحانی لباس زیب تن کیا اور وہاں سے ہی درس خارج کا آغاز کیا۔ ماں کی بیماری اور رحلت کے بعد تبریز واپس لوٹ گئے اور وہاں میرزا فتاح شہیدی کے درس میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد اُن کے اصرار کے باعث ۱۳۲۲ ہجری بمطابق ۱۳۶۳ ہجری شمسی میں نجف اشرف چلے گئے جہاں کے ممتاز

[1] اسناد مکاتبات تیمور تاش، صعود و سقوط تیمور تاش

اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۲۳ سال کی عمر میں آیت اللہ کاظم شیرازی سے درجہ اجتہاد کی سند لی۔ آیت اللہ ہادی میلانی سے بھی سندِ اجتہاد حاصل کی۔

استاد محمد تقی جعفری گیارہ سال نجف اشرف میں مقیم رہے اور اس کے بعد ایران واپس آگئے، ایران میں کیونکہ الحادی مادی افکار عام ہو چکے تھے انہوں نے فقہ اور اصول کی تدریس چھوڑ کر نئی نسل کی رہنمائی کے لئے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے درمیان ایک پل کا کام دینے کے لئے ان کی فکری، نظریاتی اور فلسفی شبہات کے جواب دینے کے لئے اپنی پوری زندگی لگا دی اور آخری عمر تک اسی حوالے سے تدریس اور تالیف بھی کرتے رہے۔ آپ کی کتب میں تفسیر نہج البلاغہ، شرح مثنوی، از دریا بہ دریا، رسائل فقہی، حیات معقول و مولوی و جہان بینی ہاشامل ہیں۔[1]

۳۶۔ حائری یزدی، آقا شیخ مرتضی

آیت اللہ شیخ مرتضیٰ حائری (۱۳۲۴۔ ۱۴۰۶ق) شیخ عبد الکریم حائری کے فرزند تھے جو کہ حوزہ علمیہ قم کے مؤسس تھے۔ آپ اراک میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۰۱ ہجری شمسی بمطابق ۱۳۴۰ ہجری قمری میں اپنے والد کے ہمراہ قم میں ٹھہر گئے اور علوم عربی و فقہ و اصول کو حاصل کیا۔ اور فنون ادب میرزا محمد علی ادیب تہرانی اور آقا شیخ ابو القاسم نحوی سے حاصل کیا اور اپنے والد کے بزرگ طلاب سے اعلیٰ سطوح دروس پڑھتے رہے جیسے آیت اللہ سید محمد رضا گلپایگانی سے رسائل، آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری اور آیت اللہ سید محمد محقق داماد سے الکفایہ کا درس پڑھا۔ پھر درس خارج فقہ و اصول اپنے والد کے درس میں حاصل ہوئے اس کے بعد پندرہ سال تک سید محمد حجت کوہ کمرہ ای (جو آپ کے سسر تھے) اور آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری سے بھی فقہ و اصول کے درس میں استفادہ حاصل کیا اور کچھ سال آیت اللہ بروجردی کے درس میں بھی شرکت کی۔ چالیس سال حوزہ علمیہ میں تدریس فقہ اور اصول کرتے رہے۔ آپ کا بہترین مدرسین میں شمار ہوتا تھا۔

[1] پایگاہ اطلاع رسانی، استاد محمد تقی جعفری

آپ کی اجتماعی خدمات میں صندوق خیریہ، تکفل ایتام، ساخت مراکز درمانی بھزیستی، مدرسہ سازی، جوانوں کے ازدواج میں مدد، محتاجوں کے لئے گھر بنانا، قیدی اور اسیر افراد کے گھر والوں کی مشکلات حل کرنا اور دیگر اس قسم کے اجتماعی اور ویلفیئر کے بہت زیادہ کام شامل ہیں۔

تحریک اسلامی کے شروع میں ہی امام خمینی کے ہمراہ تھے اور انقلابیوں کے لئے مرجع اور پناہ گاہ تھے اور امام نے ان کی وفات پر باقاعدہ پیغام دیا تھا کہ یہ عظیم شخصیت تھے۔ فقاہت اور عدالت کے مقام پر فائز ہونے کے علاوہ باطنی پاکیزگی میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کا شمار تحریک اسلامی کے ابتدائی کام کرنے والوں میں ہوتا تھا اور ہمیشہ اس تحریک میں پیش قدم رہتے تھے۔ انقلاب ایران کی کامیابی کے بعد قانون اساسی کے ماہرین کی جو کمیٹی "مجلس خبرگان" بنی، اس کے رکن تھے آپ کی لکھی گئی کتابوں میں ابتغاالوسیلۃ، صلاۃ الجمعۃ، خلل الصلاۃ، مبانی الاحکام فی اصول شرائع الاسلام، شرح العروۃ الوثقیٰ، علوم قرآن، الخمس اور النکاح شامل ہیں۔

آیت اللہ حائری 15 اسفند ۱۳۶۴ ہجری شمسی میں وفات پا گئے۔ ایک بہت بڑے تشیع جنازہ کے بعد آپ کو حرم معصومہ قم سلام اللہ علیہا میں دفن کر دیا گیا۔[1]

۳۷۔ حائری یزدی، حاج شیخ عبدالکریم

آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی (۱۲۶۷ سے ۱۳۵۵ قمری) کی پیدائش مہرجرد یزد کی بستی میں ہوئی۔ بچپن ہی میں ابتدائی تعلیم اردکان میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ وہاں پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد عتبات المقدسہ عراق میں گئے۔ کربلا میں وہاں کے بزرگ اساتذہ جیسے فاضل اردکانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر سامرا چلے گئے۔ وہاں مرزا شیرازی کے درس میں حاضری دی۔ سید محمد فشارکی، شیخ محمد تقی شیرازی اور فضل اللہ نوری اور دیگر اساتذہ سے سامرہ میں فیض حاصل کیا۔ جب مرزا محمد تقی شیرازی ہجرت کرکے کربلا آگئے آپ بھی کربلا آگئے اور وہاں

[1] ماہنامہ کوثر، شمارہ 19، ماہنامہ گلبرگ، سر دلبران استادی

اصول کے خارج کی تدریس میں مصروف ہوگئے اور ۱۳۳۳ ہجری میں اراک کے لوگوں کی دعوت پر وہاں آگئے۔ اور حوزہ علمیہ اراک میں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ متعدد شاگردوں کی تربیت کی۔ رجب ۱۳۴۰ ہجری قمری نوروز کے موقع پر علماء قم نے جب آپ کی یہ صلاحیت دیکھی اور علمی شہرت اور مقبولیت کا مشاہدہ کیا تو ان کو قم آنے کی دعوت دی تاکہ وہ ہزار سالہ حوزہ علمیہ قم میں آکر ٹھہریں اور شیخ عبدالکریم اور ان کے ساتھیوں (جیسے ضیاء الدین کاشفی خوانساری، جو اراک میں امام خمینیؒ کے استاد تھے) اور حوزہ علمیہ قم میرزا قمی کے اس فتویٰ کے بعد جو میرزا اور اس کے شاگردوں نے دیا تھا کہ خمس نہ لیا جائے یا خمس طلبا کے امور پر خرچ نہ کیا جائے تو اس پر ظاہراً کافی نقصان ہو چکا تھا۔ اس لئے آیت اللہ حائری اور ان کے آنے کے بعد دوبارہ ایک رونق آگئی اور دور دراز کے طلبا وہاں آنا شروع ہوئے اور قم بہت بڑا مرکز بنا۔

بہت سارے شاگرد آیت اللہ حائری کے درس سے تربیت یافتہ ہیں جن میں امام خمینی، سید احمد خوانساری، سید محمد رضا گلپایگانی، شیخ محمد علی اراکی، سید شہاب الدین مرعشی نجفی اور اخوند ملا علی ہمدانی شامل ہیں۔ فقہ و اصول میں آپ کی کتابوں میں کتاب الصلوٰۃ اور دُرر الاصول قابل ذکر ہیں۔

آیت اللہ حائری نے ۱۳۱۵ ہجری شمسی یعنی ۱۳۵۵ ہجری قمری میں وفات پائی۔ آیت اللہ سید فخر الدین سیدی نماز جنازہ پڑھائی اور حرم معصومہ قم میں ان کو دفن کیا گیا۔[1]

۳۸۔ حافظ عثمان

حافظ عثمان (۱۰۵۲ سے ۱۱۱۰ قمری) معروف خوش نویس ترک استنبول میں پیدا ہوائے اور بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا اور حافظ عثمان کے نام سے مشہور ہوئے اور اس وقت کے مشہور وزیر مصطفیٰ پاشا کے ہاں ان کی تربیت ہوئی اور علم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ اس دور کے معروف

[1] آیت اللہ موسس، گنجینہ دانشمندان، تاریخ حدیث شیعہ، وفائی۔

خوشنویس درویش علی کے پاس خطاطی سیکھی اور کچھ عرصہ بعد ان کے استاد نے بڑھاپے کی وجہ سے انہیں اپنے لائق ترین شاگر مصطفیٰ ایوبی صویولجی کے سپرد کیا۔ حافظ عثمان نے اٹھارہ سال کی عمر میں خوشنویسی کی سند حاصل کی اور اسماعیل افندی نفس زادہ کی شاگری میں آگئے اور مصحف شیخ حمد اللہ آماسی کی مشق کی اور بڑا تسلط حاصل کرلیا اور بہت ہی ہنرمند اور حمد اللہ آماسی کی طرز پر بہرہ مند ہوئے اور خط نسخ او خط ثلث میں تبدیلیاں لے کر آئے۔

حافظ عثمان ۱۰۸۳ ہجری قمری میں مصر اور ۱۰۸۷ ہجری قمری میں مکہ تشریف لے گئے اور چند بار ادرنہ اور بورسا (ترکی کے شہر) کا سفر کیا اور ایک قول کے مطابق سفر حج میں خطاطی یعنی لکھنے کی تمرین میں مصروف رہتے تھے۔ ۱۱۰۶ ہجری قمری میں سلطان مصطفیٰ دوم سے خوشنویسی کے استاد اور یار بجرا کے والی بنے۔ اس کے بعد آر پالق (اقطاع) بھی ان کے سپرد کردیئے گئے۔ احمد سوم کی ولی عہدی کے زمانے میں حافظ عثمان ان کے خطاطی کے معلم تھے۔ اتوار کے اتوار جو فقیر اور محتاج شاگرد تھے ان کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ حافظ عثمان طریقت سنبیلیہ جو تصوف کا سلسلہ ہے کے پیروکار تھے۔ رحلت سے تقریبا چار سال پہلے فالج کا شکار ہوگئے اور ۱۱۱۰ ہجری قمری میں وفات پاگئے۔ خانقاہ قوجہ مصطفیٰ پاشا میں آپ کو دفن کیا گیا۔ انہوں نے قرآن مجید کے پچیس نسخوں کی کتابت کی جن میں سے ۱۰۹۴ سے ۱۰۸۷ کے درمیان لکھے گئے نسخے زیادہ مشہور ہوئے اور جو ۱۰۹۷ میں قرآن کا نسخہ لکھا گیا وہ سلطان عبدالحمید دوم کے حکم سے عثمان بیک کی زیرنگرانی مطبعہ چی نے ۱۲۹۸ ہجری میں چھاپا اور دربار عثمانی کی مہر کے ساتھ دنیا بھر پر نشر کیا گیا۔ یہ نسخہ سینکڑوں بار چھپ چکا ہے اور مسلمانوں کے ہاں مصحف حافظ عثمان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد اور نسخے بھی حافظ عثمان کی خطاطی سے نشر ہوئے۔ [1]

[1] تراجم خطاطی بغداد المعاصرین، ولید اعظمی، معجم مصطلحات الخط العربی والخطاطین، عفیف بھنسی، حلیہ رسول اللہ، بروایۃ الحسن والحسین علیہما السلام، محمد رضا حسین جلالی، علوم الحدیث، شمارہ ۰۲، اطلس خط، حبیب اللہ فضائلی۔

۳۹۔ حجت کوہ کمرہ ای، سید محمد

آیت اللہ سید محمد حجت (۱۳۱۰ تا ۱۳۷۲ ہجری قمری) تبریز میں پیدا ہوئے۔ اہل علم و ادب خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنی ابتدائی تعلیم تبریز میں حاصل کی اور پھر نجف اشرف تشریف لے گئے۔ آیت اللہ سید محمد کاظم یزدی، سید ابو تراب خوانساری، شریعت اصفہانی، میرزا حسین نائینی، سید محمد فیروز آبادی اور شیخ ضیاء الدین عراقی اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ اسی طرح شیخ عبد اللہ مامقانی، شریعت اصفہانی، سید حسن صدر، سید ابو تراب خوانساری، شیخ محمد باقر بیر جندی اور خود اپنے والد معظم آیت اللہ سید علی کوہ کمرہ ای سے سند روایت حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اجتہاد کے منصب پر فائز ہوگئے۔ آیت اللہ حجت 1349 ہجری قمری میں قم کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں پر آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری کی خاص توجہ کا مرکز بنے اور مرحوم حائری کے بعد مراجع تقلید میں سے قرار پائے۔

ان کے شاگردوں میں سید یونس یونسی اردبیلی (جو آقا میر محیی الدین کے فرزند ہیں) شیخ مہدی اور شیخ مرتضی حائری یزدی، سید محمد حسین طباطبائی (صاحب المیزان) اور آقا سید محمد محقق داماد شامل ہیں۔

ان کی تصنیفات میں االاستصحاب، البیع، تنقیح المطالب، المہمہ فی عمل الصور المجسمۃ، جامع الاحادیث والاصول، الصلاۃ، لوامع الانوار الفردیۃ فی مرسلات الآثار النبویۃ اور الوقف شامل ہیں۔

ان کے عظیم کاموں میں سے شیخ طوسی کی احیای تفسیر التبیان کی تحقیق اور قم مقدسہ میں مدرسہ حجتیہ کی تاسیس ہے۔ ان کی رحلت 3 جماری الاول 1372 ہجری قمری میں ہوئی اور مدرسہ حجتیہ کی مسجد میں آپ کو دفن کیا گیا۔[1]

---

[1] آثار الحجہ، علماء معاصرین، آئینہ دانشوران۔

۴۰۔ حسینی، شیخ عزالدین

شیخ عزالدین حسینی (۱۳۰۰سے ۱۳۸۹ء) میں دربانہ (کردستان) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۷ء میں سردشت کے قریب اہل سنت کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۷ء میں ایک عالم کی حیثیت سے شہر بوکان میں سکونت اختیار کی۔ ۱۳۲۲ء میں احیائے کردستان کی ایک تنظیم کے رکن بن گئے۔ ایران کے تیل کی صنعت کے قومیانے کی جو تحریک چلی تھی اس سلسلے میں مصدق کی تحریک کے حامی بن گئے۔ ۱۳۴۶ء اور ۱۳۴۷ء میں مہاباد میں انقلابی کمیٹی کا ساتھ دیا۔ تین سال اہل سنت کے علمی مراکز میں تدریس میں مصروف رہے اور انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے ساتھ ہی جمہوری اسلامی ایران کی مخالفت کی اور کردنشین علاقے کی علیحدگی کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ ایران کے مغرب میں جمہوری اسلامی کے آغاز میں جو پرآشوب فتنے کھڑے ہوئے ان میں شیخ عزالدین کا بہت موثر کردار تھا۔

۴۱۔ حلاج، حسین منصور

حسین بن منصور حلاج ''جسے منصور حلاج'' کہا جاتا ہے، ایران کے تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے عرفاء میں سے ہیں۔ ۲۴۴ ہجری قمری میں تور نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ ان کے اساتید میں سہل بن عبد اللہ تستری، عمرو بن عثمان مکی اور جنید بغدادی شامل ہیں اور یہ اپنے زمانے کے اہم ترین صوفیا میں سے تھے۔ منصور حلاج عرفانی نشے کی حالت میں رہتے تھے اور انا الحق کا نعرہ لگاتے تھے۔ اس لئے شریعت کے پابند لوگوں نے ان پر اعتراض کیا یہ انا الحق کہہ کر کفر بول رہا ہے۔ لہٰذا ان کو پہلے پکڑا اور جیل میں ڈال دیا گیا اور پھر پھانسی دے دی گئی۔ ان کا سر قلم کیا گیا اور جسم کو جلا کر دجلہ میں اس کی راکھ بہا دی گئی۔ منصور حلاج کی مشہور کتب میں طاسین الازل، الجواھر الاکبر، طواسین، الھیاکل، الکبریت الاحمر و نور الاصل شامل ہیں۔[1]

[1] مصائب حلاج، جستجو در تصوف ایران۔

۴۲۔ حلی، سید صالح

سید صالح حلی عراق کے مشہور خطباء میں سے تھے، آیت اللہ سید ابو الحسن اصفہانی نے قمہ زنی یا زنجیر زنی کی حرمت کا جو فتویٰ دیا تھا سید صالح حلی نے ان کے اس فتویٰ کی مخالفت کی۔ ابو الحسن اصفہانی نے ان کو فاسق قرار دیا اور ان کے خطابات کو سننا حرام قرار دیا۔ اس کی وجہ سے اس کی مجالس بے رونق ہو گئیں۔ لیکن اس کا بیان بہت ہی تند و تیز ہوتا تھا ان کا شمار اچھے خطیبوں میں ہوتا تھا لیکن جب لوگوں نے مرجع تقلید کے فتویٰ کی وجہ سے ان کو سننا بند کر دیا تو تمام تر خوبیوں کے باوجود لوگوں کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ [1]

۴۳۔ خراسانی، سید محمد رضا

آیت اللہ سید محمد رضا خراسانی (متوفی ۱۳۰۲ ہجری) کے والد علماء اصفہان میں سے تھے۔ سید محمد رضا نجف اشرف میں شیخ مرتضی انصاری کے قریبی شاگردوں میں سے تھے اور میرزا محمد حسن شیرازی اور میرزا حبیب اللہ رشتی سے دوستی تھی۔ آخری عمر میں بینائی چلی گئی تھی لیکن پھر شفاء پائی اور پوری بینائی واپس آگئی، کافی عرصہ نجف اشرف رہے پھر خراسان آگئے اور مشہد مقدس میں ۲۰ ذوالقعدہ ۱۳۰۲ ہجری میں وفات پائی اور آپ کو وادی السلام میں دفن کیا گیا۔ [2]

۴۴۔ خراسانی، میرزا سید ہادی

آیت اللہ سید ہادی حسینی خراسانی (متوفی ۱۳۶۸ ہجری قمری) نے ابتدائی تعلیم بجستان اور مشہد میں حاصل کی اور وہاں سے عراق کی طرف چلے گئے۔ سامرا اور نجف اشرف میں میرزا محمد حسن شیرازی، آخوند خراسانی کے شاگرد رہے اور پھر آخوند خراسانی کی وفات کے بعد کربلا میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ میرزا محمد تقی شیرازی کے معتمد دوستوں میں سے تھے۔ کربلا میں درس و تدریس

---

[1] فقیہ جمہوری خواہ، ہفت نامہ شہروند امروز، شمارہ 58۔

[2] نقباء البشر

شروع کی 12 ربیع الاول ۱۳۶۸ ہجری میں وفات پائی اور کربلا میں دفن ہی ہوئے۔ان کی کتابوں میں المعجزۃ والاسلام، دعوۃ الحق فی رد الوھابیۃ، اسنۃ السنۃ، حجت بالغہ، الافین فی دین المصفطین، اصول شیعہ، سبع المثانی، معجزات وکرامات وغیرہ چھپ چکی ہیں۔[1]

۴۵۔خرقانی، سید اسد اللہ

سید اسد اللہ خرقانی (متوفی ۱۳۵۵ ہجری قمری) اپنی تحریروں میں سید اسد اللہ فرزند زین العابدین میر سلامی کے نام سے خارقانی موسوی شزندی لکھتے ہیں۔آپ کی ولادت خرقان قزوین میں ہوئی۔ عربی مقدمات کی کتب وہیں پڑھیں۔ ۱۵ سال کی عمر میں تحصیل علم کیلئے شہر آگئے وہاں فقہ و اصول پڑھنے کے بعد ۱۲۷۵ ہجری میں تہران آگئے اور وہاں شیخ ہادی نجم آبادی کے دروس میں شرکت کی اور اس وقت فلسفہ کے مشہور استاد میرزای جلوہ سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور ضمناً علوم جدیدہ اور فرانسیسی زبان کی تعلیم بھی حاصل کی۔

۱۲۸۴ ہجر میں نجف اشرف چلے گئے۔ پچیس سال وہاں تحصیل علم میں مصروف رہے۔ سند اجتہاد حاصل کی، سب سے زیادہ اخوند خراسانیؒ کی شاگردی میں رہے اور شاہ کی خلاف تحریک جمہوریت میں بھی آپ پیش پیش تھے۔

پارلیمنٹ کا جو تیسرا دور تھا اس میں قزوین کے نمائندہ کے طور پر منتخب ہوئے۔ دینی اور حوزوی مصروفیات کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی مصروف عمل رہے۔ ۱۲۹۹ ہجری میں جمہوری اسلامی پارٹی کی بنیاد رکھی، لیکن وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ خرقانی پارلیمنٹ کے تیسرے دور میں بھی آیت اللہ سید حسن مدرس کی سربراہی میں ایک ہیت علمیہ میں شامل تھے۔

کئی سال (دینی اور) سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ۱۳۱۵ء میں وفات پائی۔ ان کی بہت ساری تالیفات ہیں، جن میں رسالہ ردّ نصاری (کشف الغوایہ فی رد الھدایہ)، رسالہ اصول عقائد،

[1] وفیات العلماء الذریعۃ

رسالہ تنقید قوانین عدلیہ، رسالہ روح التمدن وھویہ الاسلام، رسالہ رددار ونیست ھا، رسالہ کثرت و وحدت زواج، رسالہ رد کشف حجاب، کتاب قضا و شہادت اسلامی، رسالہ نبوت خاصہ و ابدیت اسلام و محاجہ با ادیان، رسالہ در متشابھات قرآن و حدیث من فسر القرآن، برھان الساطع فی اثبات الصانع، رسالہ حقوق اسلامی، رسالہ محوالموھوم وصحوالمعلوم شامل ہیں۔ [1]

۴۶۔ خفیف، ابو عبد اللہ

ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی (۲۶۱ سے ۳۷۱ ہجری) ابو عبد اللہ خفیف کے نام سے مشہور تھے۔ مشہور ایرانی عارف اور صوفی تھے۔ ادبیات، قرأت، حدیث اور فقہ کی تعلیم ابو العباس احمد بن یحییٰ خراسانی، عبد اللہ بن احمد شاردانی، عبد اللہ بن جعفر ارُزگانی سے حاصل کی۔ تصوف و اخلاق اور علوم باطنی جنید بغدادی، ابو العباس احمد بن محمد جریری، حسین بن منصور حلاج سے حاصل کیے، اور ابو محمد رویم سے خرقہ ارشاد لیا۔ اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ چلہ نشینی اور سیر و سلوک اور شاگردوں کی تربیت میں گزارا۔ عقائد، اخلاق، سیرہ، حدیث تصوف فقہ و دیگر میں ان کی تصانیف و آثار بہت سارے ہیں۔ ابو باقلانی آپ کے شاگردوں سے ہیں۔

آپ کی کتابوں میں مشارق العیون، الاستدراج، شرح الفضائل، اخلاف الناس فی النفس والروح، الفصول فی الاصول، الفوائد المعادیۃ والسیرۃ اشارہ ہیں۔ ان کی قبر شیراز میں ہے جو زیارتگاہ ہے۔ [2]

۴۷۔ خلخالی، شیخ نصر اللہ

حجۃ الاسلام حاج شیخ نصر اللہ خلخالی (متوفی ۱۳۵۶ء) نجف اشرف میں متولد ہوئے، وہیں پر دینی علوم حاصل کئے۔ اپنے والد گرامی حاجی حسن خلخالی نجفی کی طرح ان کا شمار بھی ایرانی اور

[1] سید اسد اللہ خرقانی روحانی نوگرای روزگار مشروطہ و رضاشاہ، رسول جعفریان۔

[2] سیرہ عبد اللہ بن خفیف، پاسداران حریم عشق۔

عراقی علماء کے نزدیک ایک باوثوق علماء میں ہوتا ہے۔ آپ ہی کے توسط سے حضرت آیت اللہ سید ابو الحسن اصفہانی، آیت اللہ بروجردی، آیت اللہ حکیم، آیت اللہ خوانساری کے مقلدین کے شرعی وجوبات نجف اشرف پہنچائے جاتے تھے۔

حاج شیخ نصر اللہ امام خمینی کے مالی امور کے وکیل بھی تھے۔ ایران سے جو شرعی اموال پہنچتے تھے وہ انہی کے ذریعہ سے نجف اشرف میں مختلف تعلیمی اور تربیتی و تعمیراتی مصارف میں استعمال ہوتے تھے۔ [1]

۴۸۔ خلیلی تہرانی، میرزا محمد حسین

آیت اللہ میرزا محمد حسین تہرانی (۱۲۳۰ سے ۱۳۲۶ء) جو میرزا حسین نجل، میرزا خلیل اور میرزا حسین خلیلی کے نام سے بھی معروف ہیں۔ قم میں پیدا ہوئے۔ اپنا بچپن اپنے والد گرامی کے ساتھ گزارا اور انہی کے ہمراہ عتبات نجف کربلا چلے گئے۔ وہاں ابتدائی علوم پڑھنے کے بعد بزرگ علماء کے دروس میں شرکت کی جن میں صاحب جواہر، شیخ انصاری اور سید ابراہیم قزوینی وغیرہ سے سند اجتہاد حاصل کی اور مشہور مجتہدین میں سے قرار پائے۔ اپنے جلیل القدر بھائی ملا علی خلیلی تہرانی کی موجودگی میں بھی وہ خلیلی خاندان کی بزرگ اور عظیم علمی شخصیت شمار کئے جاتے تھے۔

میرزا حسین خلیلی نجف کے زاہد اور روحانی علما میں شمار ہوتے تھے۔ اپنی زندگی میں سینکڑوں شاگردوں کی تربیت کی۔ ان کے شاگردوں میں میرزا حسین نائینی، آغا شیخ بزرگ تہرانی، سید حسن صدر اور سید علی آقا قاضی کا نام مشہور ہے۔ میرزا حسین کی عظیم خدمات میں سے ایک یہ ہے کہ کاچاری خاندان کے لئے چلائی گئی تحریک جمہوریت میں ملا اخوند انصاری کے ہمراہ تھے۔ آیت اللہ خلیلی مسجد سہلہ میں بہت جاتے تھے وہاں عبادت و اعتکاف کرتے تھے اور اعتکاف کی حالت میں

[1] خاطرات آیت اللہ مسعودی خمینی۔

مسجد سہلہ میں ہی تھے کہ وہاں گیارہ شوال 1326 ہجری کو بین الطلوعین شب جمعہ وفات پا گئے۔ ان کو غسل کفن اور حرم امیر المومنین علیہ السلام کے طواف کے بعد محلّہ العمارہ میں اپنے مدرسے میں دفن کردیا گیا۔[1]

۴۹۔ خمینی، سید مصطفیٰ

آیت اللہ سید مصطفیٰ خمینی (۱۳۰۹ سے ۱۳۵۶ شمسی) آپ امام خمینی علیہ الرحمہ کے فرزند تھے۔ قم المقدسہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں سے حاصل کی، شیخ مرتضی حائری، شیخ محمد صدوقی، سید محمد باقر سلطانی طباطبائی اور شیخ عبد الجواد جبل عاملی سدھی اصفہانی سے مختلف علوم حاصل کئے۔ پھر نجف اشرف میں سید محمد محقق داماد، سید محمد حجت، سید حسین طباطبائی آیت اللہ بروجردی، سید محمود شاھرودی، سید ابو القاسم خوئی، شیخ محمد باقر زنجانی، سید محسن الحکیم اور خود امام خمینی علیہ الرحمہ کے دروس خارج میں شرکت کی۔ فلسفہ کی تعلیم قم میں حضرت آیت اللہ فلوریزدی، امام خمینی، علامہ طباطبائی اور سید ابو الحسن رفیعی قزوینی سے حاصل کی۔ نجف اشرف میں عرفان و اخلاق کا علم آیت اللہ سید عبد الکریم کشمیری سے حاصل کیا۔

تحصیل وتدریس دونوں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اس دوران بہت سارے شاگردوں کی بھی تربیت کی۔ القواعد الحکمیہ، کتاب البیع، المکاسب المحرمۃ، مستند تحریر الوسیلہ، تفسیر القرآن الکریم، تحریرات فی الاصول، شرح زندگانی آئمہ معصومینؑ، اور المستدرک والقواعد الرجالیہ پر حاشیہ لکھا۔

آپ کی بہت سارے علمی خدمات قابل توجہ ہیں، امام خمینی کے دفتر کی ذمہ داری بھی آپ پر تھی۔ امام خمینی کی تحریک میں بہت بڑا اہم کردار ادا کیا۔ نجف اشرف میں ساواک کے ایجنٹوں

[1] اعیان الشیعہ، معارف الرجال، میرزا حسین خلیلی تہرانی ومشروطہ شیعی۔

نے اول آبان 1356 ہجری شمسی میں آپ کو شہید کر دیا اور حرم امیر المومنین علیہ السلام میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [1]

۵۰۔ خوانساری، سید احمد

آیت اللہ حاج سید احمد خوانساری (۱۲۷۰ سے ۱۳۶۳ شمسی) ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی خاص کر آیت اللہ حاج سید محمد حسن اور آیت اللہ حاج سید علی اکبر خوانساری آپ کے استادوں میں ہیں۔ اصفہان تعلیم کے حصول کے لئے چلے گئے وہاں آخوند ملا عبد الکریم جزائری اور میرزا محمد علی تویسرکانی سے استفادہ کیا۔ پھر وہاں سے نجف اشرف چلے گئے اور وہاں بڑے سے تعلیم حاصل کی۔ جیسے آخوند خراسانی اور آقا ضیا عراقی اور دیگر اساتذہ سے فقہ واصول میں فلسفہ اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کی۔

آیت اللہ خوانساری نے 1335 ہجری قمری بمطابق 1296 ہجری شمسی ایران آگئے اور اراک شہر میں قیام کیا، آیت اللہ عبد الکریم حائری یزدی سے بہرہ مند ہوئے اور جب وہ قم تشریف لائے تو یہ بھی قم آگئے اور تدریس میں مشغول ہوئے۔

محرم الحرام 1370 ہجری قمری آیت اللہ بروجردی کی درخواست پر آپ تہران چلے گئے اور وہاں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور آپ تہران ہی میں رہے یہاں تک کہ جب سید محمد بھبھانی وفات پاگئے تو آپ کے ذمہ یہ کام بھی شامل ہو گیا کہ مراجع شیعہ کے مطالبات اور سیاسی قیدیوں کے معاملات کو حکومت کے ساتھ مل کر نمٹائیں۔ تحریک اسلامی کے آغاز ہی میں ۱۳۴۱ ہجری شمسی میں آپ کا بڑا کردار رہا اور انقلاب ایران کی راہ میں درپیش ابتدائی مشکلات کو حل کرنے میں آپ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد کثیر تعداد میں ایران اور ایران کے باہر کے لوگ آپ کے مقلد ہوگئے۔ حوزہ علمیہ قم کے مالی امور کی سربراہی بھی انجام دیتے ہے۔

[1] شہیدی دیگر از روحانیت، آیت اللہ پسندیدہ؛ نھضت روحانیون۔

آپ نے 96 سال کی عمر میں وفات پائی اور شہر قم میں دفن کیا گیا۔ جامع المدارک فی شرح مختصر (فقہ استدلالی کا مکمل دورہ) العقائد الحقۃ در اعتقادات شیعہ و دفاع از مبانی کلامی آن اور العروۃ الوثقیٰ پر حاشیہ آپ کی بعض تصنیفات ہیں۔ [1]

۵۱۔ خوانساری، سید محمد تقی

آیت اللہ سید محمد تقی خوانساری (۱۲۶۷ سے ۱۳۳۱ ہجری قمری) خوانسار میں پیدا ہوئے اور ابتدائی دینی تعلیم خوانسار سے ہی حاصل کی۔ پھر نجف اشرف چلے گئے، جہاں فقہ و اصول پر گرفت حاصل کی۔ بلند ترین علمی مقام حاصل کیا، آخوند خراسانی، سید محمد کاظم یزدی، میرزا حسین نائینی اور آقا ضیاء الدین عراقی آپ کے اساتید ہیں۔ آپ سیاسی و اجتماعی کاموں میں بھی شریک رہے۔ انگریزوں نے عراق پر 1920 میں جو جنگ مسلط کی تھی اس میں آپ کو چار سال قید بھی گزارنا پڑی اور شہر بدر بھی کیا گیا۔

آیت اللہ خوانساری جب عراق سے واپس آئے تو ایران کے شہر اراک چلے گئے وہاں آیت اللہ عبد الکریم حائری کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے اور جب وہ قم تشریف لائے تو آپ بھی قم آ گئے اور آیت اللہ حائری کی وفات کے بعد آپ نے آیت اللہ صدر الدین اور آیت اللہ سید محمد حجت کے ساتھ مل کر حوزہ علمیہ قم کی تنظیمی و تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ آپ درس و تدریس کے علاوہ مرجع تقلید شیعیان تھے۔ آیت اللہ خوانساری کے اہم تاریخی اقدامات میں سے آپ کا قم میں نماز استسقاء قائم کرنا (۱۳۶۳ ہجری بمطابق ۱۳۲۴ ہجری شمسی) اور تیل کی صنعت کو قومیانے کی حمایت کرنا ہیں۔ آپ نے ۱۳۳۱ ہجری شمسی میں وفات پائی۔ مسجد بالاسر حرم معصومہ قم سلام اللہ علیہا میں مدفون ہوئے۔ [2]

---

[1] آیت اللہ سید احمد خوانساری، تندیس پارسائی

[2] فرزانگان خوانسار

۵۲۔ خوئی، سید ابو القاسم

آیت اللہ سید ابو القاسم موسوی خوئی (۱۳۱۷ تا ۱۴۱۳ ہجری) ایک قصبہ خوئی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جب نجف کی طرف ہجرت کر گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں پر جا کر تعلیم کا آغاز کیا اور بڑے بڑے اساتذہ کے درس خارج میں شرکت کی، جن میں شیخ الشریعہ اصفہانی، شیخ مھدی مازندرانی، آقا ضیاء الدین عراقی، شیخ محمد حسین اصفہانی اور میرزا حسین نائینی شامل ہیں۔ آپ اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوئے۔

آپ نے شیخ محمد جواد بلاغی کے درس تفسیر میں شرکت کی، فلسفہ و حکمت آیت اللہ حسین بادکوبہ ای اور حساب و ہندسہ کا علم سید ابو القاسم خوانساری سے حاصل کیا، تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تہذیب نفس، ریاضت اور عرفان میں بھی مصروف رہے، عرفان کیلئے شیخ مرتضیٰ طالقانی، سید عبد الغفار مازندرانی اور میرزا علی آقا قاضی سے استفادہ کیا۔

آپ کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے کہ آپ تدریس و تعلیم پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ایک لمبی عمر گزاری، دسیوں مجتہدین کی تربیت کی۔ ان میں ان میں شیخ حسین وحید خراسانی، میرزا جواد تبریزی، سید محمد باقر صدر، میرزا علی غروی تبریزی، سید ابو القاسم کوکبی، سید علی سیستانی، سید عبد الکریم موسوی اردبیلی، شیخ محمد تقی جعفری، شیخ محمد جواد مغنیہ، سید صادق روحانی، سید محمد روحانی، سید علی بھشتی، شیخ مرتضیٰ بروجردی اور سید مصطفیٰ خمینی شامل ہیں۔

آیت اللہ خوئی 8 صفر 1413 ہجری قمری میں انتقال فرما گئے، آپ نے صدام کے خلاف انتفاضہ شعبان تحریک بھی چلائی اور صدامی حکومت کے مظالم کا شکار بھی رہے اور آخری ایام میں آپ کو نظر بندی کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں۔ ان کو حرم مطہر امام علی علیہ السلام سے متصل مسجد خضرا میں سپرد خاک کیا گیا۔[1]

[1] خورشید فقاہت، یادنامہ آیت اللہ خوئی، سیمای خوئی۔

۵۳۔ خوئی کربلائی، شیخ ابوالقاسم

آیت اللہ شیخ ابو القاسم بن عبد اللہ خوئی حائری (۱۳۰۵ تا ۱۳۶۵ ہجری) ایک قصبہ خوئی میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۳ ہجری میں عتبات کربلا کی طرف ہجرت فرمائی، مقدمات وہیں پڑھے۔ وہیں تدریس میں مصروف رہے اور درجہ اجتہاد کو پہنچے۔ آپ کا ایک بہت عمدہ کتب خانہ تھا جس میں خطی مکتوبات بہت زیادہ تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی نے اس کتابخانہ کو خرید لیا۔ گیارہ صفر ۱۳۶۵ ہجری میں وفات پائی اور حرم مطہر امام حسین علیہ السلام میں آپ کو دفن کیا گیا۔ [1]

۵۴۔ خیاط، شیخ رجب علی

رجب علی نکوگویان (۱۲۶۲ تا ۱۳۴۰ شمسی) شیخ رجب علی خیاط کے نام سے مشہور ہیں آپ تہران میں پیدا ہوئے اور وہیں خیاطی یعنی درزی کا کام کرتے تھے۔ اسی سے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ ان کے گھر میں مجالس وعظ و اخلاق ہوا کرتی تھیں۔ یونیورسٹیوں کے بچے وہاں شرکت کرتے تھے دعا کی محافل میں شرکت کرتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے متقی افراد میں سے تھے بہت صاحب کرامت تھے، شیخ رجب علی ۱۳۴۰ ہجری میں وفات پا گئے اور آپ کو شہر رے میں دفن کیا گیا۔ [2]

۵۵۔ راوندی، قطب الدین

قطب الدین سعید بن ھبۃ اللہ راوندی (متوفی ۵۷۱ ہجری قمری)، راوند کاشان کے قصبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حصولِ علم کے لئے بہت زیادہ سفر کیا۔ ابو جعفر محمد بن علی محسن خلیلی، محمد بن علی بن عبد الصمد تمیمی، محمد بن اسماعیل مشہدی، صفی الدین مرتضی بن داعی بن قاسم اور عبد

[1] ازالۃ الاوھام موجود ہے، میراث حدیث شیعہ، دفتر دوم۔
[2] کیمیای محبت، تندلیس اخلاق

الرحیم بن احمد شیبانی آپ کے اساتید میں سے ہیں۔ آپ کے بہت سارے شاگرد بھی تھے جن میں حسن بن سعید بن ھبۃ اللہ، محمد بن حسن جھرودی (والد خواجہ نصیر) ، احمد بن علی بن عبد الجبار طبرسی، علی بن عبد الجبار بن محمد، علی بن محمد مدائنی اور محمد بن حسن بغدادی شامل ہیں۔

تفسیر القرآن، خلاصۃ التفاسیر، الخرائج والجرائح، اُم المعجزات ، تھافت الفلاسفۃ، آیات الاحکام، المنتھی فی شرح النھایۃ، فقہ القرآن، لباب الاخبار اور قصص الانبیا آپ کے آثار ہیں۔ آپ کو صحن حرم مطہر معصومہ قم میں دفن کیا گیا۔ [1]

۵۶۔ رحمانی ہمدانی، احمد

آیت اللہ حاج شیخ احمد رحمانی ہمدانی (۱۳۱۴ تا ۱۳۸۵ شمسی) ہمدان میں پیدا ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں ہمدان میں ہی حوزوی علوم شروع کر دیئے تھے آپ کے عظیم اساتذہ میں آیت اللہ آخوند ملا علی ہمدانی، استاد حاج شیخ اسد اللہ حجت ، حاج سید مصطفیٰ ہاشمی اور حاج شیخ علی انصاری شامل ہیں۔ اس کے بعد جب قم تشریف لائے تو فقہ واصول کے بزرگ آیت اللہ صاحبان کے دروس میں شرکت کی اور معارف اسلامی کی تبلیغات کا سلسلہ شروع کیا۔

مرحوم رحمانی 1345 ہجری میں تہران آگئے اور وہاں منبر سے خطابت شروع کردی آپ کا شمار عظیم واعظین میں ہوتا تھا۔ انہوں نے تہران میں مکتبۃ الحدیث کی بنیاد رکھی اور حدیث سے عام لوگوں کو آشنائی دینے کے لئے ایک کوشش کا آغاز کیا۔

آپ تحقیق و تالیف میں بھی مشغول رہے آپ کی کتابوں میں فاطمۃ الزہراء بھجۃ قلب المصطفیٰ، الامام علی بن ابی طالب من حبہ عنوان صحیفۃ المومن، شرح حال امام حسن مجتبیٰ اور

[1] گنجینۂ دانشمندان، ج ا

دویست حدیث شامل ہیں۔ 69 سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور قبرستان شیخان قم المقدسہ میں مدفون ہیں۔ [1]

۵۷۔ رشتی (گیلانی)، میرزا حبیب اللہ

آیت اللہ میرزا حبیب اللہ رشتی (۱۲۳۶ تا ۱۳۱۲ قمری) املش گیلان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم املش میں پھر رشت، پھر وہاں سے شیخ عبدالکریم ایروانی کے پاس قزوین آگئے۔ پھر املش میں واپس آکر چار سال دین کی ترویج میں مصروف رہے اس کے بعد نجف چلے گئے جہاں صاحب الجواہر شیخ حسن کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد شیخ مرتضیٰ انصاری کے درس میں شرکت کرنے لگے۔ شیخ انصاری کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کی مرجعیت کی جانب رجوع کیا لیکن آپ نے کہا کہ سب کو میرزا محمد حسن شیرازی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ علم اصول الفقہ، تفسیر اور فقہ میں آپ کے کافی علمی آثار موجود ہیں۔ ان کی مکتوبات آیت اللہ مرعشی نجفی کے کتابخانہ میں موجود ہیں۔ 14 جمادی الثانی 1312 ہجری قمری اللہ کو پیارے ہوئے، ان کو حرم مطہر امام علی علیہ السلام میں دفن کیا گیا۔ [2]

۵۸۔ رضوی کشمیری، سید عبدالکریم

آیت اللہ سید عبدالکریم رضوی کشمیری (۱۳۴۲ تا ۱۳۷۸ شمسی) نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید محمد علی جو اپنے زمانے کے مشہور فضلاء اور زاہد لوگوں میں سے تھے۔ آیت اللہ سید حسن کشمیری رضوی قمی علم و عرفان کے بزرگان سے تھے اور ان کی مادر گرامی فقیہ بزرگ آیت اللہ سید محمد کاظم یزدی صاحب عروۃ الوثقیٰ کی بیٹی تھیں۔

---

[1] آئینہ پژوہش، ش 87

[2] دائرۃ المعارف التشیع، زندگانی و شخصیت شیخ انصاری، گنجینہ دانشمندان۔

بچپن ہی سے اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ حافظہ بہت تیز تھا، بہت محنتی بھی تھے اس لئے بہت جلد علمی و فقہی منازل طے کرلی اور آیت اللہ خوئی کے طراز اول کے شاگرد قرار پائے۔ بچپن ہی سے بڑے علماء اخلاق کے ساتھ ہم نشین رہے ان میں شیخ مرتضیٰ طالقانی، شیخ علی اکبر اراکی، سید ابو الفضل حسین ھندی، آیت اللہ سید علی آقا قاضی اور آقا سید ہاشم حداد کے نام لئے جاسکتے ہیں اور مرحوم قاضی نے اس کو فرمایا تھا کہ آپ کے دماغ میں نور ہے اور بعض نے کہا کہ تجرد نفس اور فتح مقامات عرفانی سے بہرہ ور تھے اور بلند مقامات حاصل کئے۔

اس عالم فرزانہ کا شمار حقیقت کو تلاش کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ آپ معرفت اور انسانی مقامات کے بلند مقامات تک پہنچے۔ ذکر الٰہی پر خصوصی توجہ دی، قرآنی اذکار پر آپ کا دارومدار تھا، کشف و تلقین میں مہارت رکھتے تھے، آئندہ کے حالات کے متعلق خبر دیتے تھے، بہت معنوی مقامات کے حامل تھے اور اپنے خاندان میں بڑے نمایاں تھے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد قم میں رہائش اختیار کی اور ان کا جسد حضرت معصومہ قم کے حرم مطہر میں دفن ہوا۔[1]

۵۹۔ رضوی کشمیری، سید حسن

آیت اللہ سید حسن رضوی قمی کشمیری (متوفی 1328 ہجری) کا تعلق قمی رضوی سادات سے ہے، کربلا معلی سے اعلیٰ تعلیم ملا محمد حسین فاضل اردکانی اور ملا محمد تقی ھروی اصفہانی سے حاصل کی اور مرتبہ اجتہاد کو پہنچے مذہب تشیع کی تبلیغ کے لئے کشمیر چلے گئے وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ پھر کربلا واپس آگئے اور فقہ کی تدریس میں مصروف ہوگئے۔ شیخ علی زاہد قمی، آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری یزدی اور سید محمد ھادی رضوی کشمیری آپ کے برجستہ شاگردوں سے تھے اور آپ ہند کے کچھ شیعوں کے مراجع بھی تھے۔

[1] روح و ریحان، سید علی اکبر صداقت۔

آیت اللہ کشمیری چھ صفر 1328 ہجری قمری میں وفات پاگئے اور ان کو حرم مطہر امام حسین علیہ السلام میں دفن کیا گیا۔[1]

۶۰۔ رضوی کشمیری، سید مرتضیٰ

آیت اللہ سید مرتضیٰ رضوی کشمیری (۱۲۶۸ تا ۱۳۳۲ ہجری) کشمیر میں پیدا ہوئے۔ کشمیر میں ہی ابتدائی تعلیم اپنے والد آقا سید مھدی رضوی قمی اور اپنے ماموں سید ابو الحسن رضوی قمی کشمیری (جو ابو الحسن صاحب سے نام سے معروف تھے اور سلطان المدارس لکھنو کے موسس تھے) حاصل کی اور پھر کئی سال کربلا اور نجف میں بڑے اساتذہ کے پاس تعلیم حاصل کرتے رہے جیسے سید محمد کشمیری، سید مہدی قزوینی، شیخ محمد حسین کاظمینی، ملا حسین قلی ہمدانی، شیخ زین العابدین مازندرانی، میرزا حسین خلیلی تہرانی اور میرزا شیرازی کے شاگرد رہے۔

علم اخلاق میں عارف ملا حسین قلی ہمدانی سے استفادہ کیا اور ان کے بڑے نامور شاگردوں میں آپ کا شمار ہوا، ان کی وفات کے بعد اصول و فقہ کا درس لیا، جامع معقول و منقول تھے اور بڑے کمالات کے مالک تھے۔

سید محمود مرعشی تبریزی، شیخ علی زاہد قمی، شیخ محمد حسین شیرازی، شیخ حسن علی نخودکی، شیخ علی دامغانی، شیخ علی اکبر نھاوندی، شیخ عبد الحسین شیرازی، میراز محمد جولانی، شیخ محمد حسین غروی اصفہانی اور شیخ عبد الکریم حائری آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

ان کی بہت ساری کتابیں، تعلیقات اور رسالے ہیں۔ صاحب تقویٰ اور جہاد بالنفس میں بہت آگے تھے، سیر و سلوک عرفانی میں بھی بڑا مقام حاصل تھا، 27 شوال 1332 ہجری میں وفات پائی صحن حرم امیر المومنین علی علیہ السلام میں دفن ہوئے۔[1]

---

[1] تشریۂ پیام حوزہ، ش 25۔

۶۱۔زاہدی، حاج شیخ ابوالفضل

آیت اللہ حاج شیخ ابوالفضل زاہدی (۱۳۰۹تا۱۳۹۹ہجری قمری) قم المقدسہ میں پیدا ہوئے ۔اسی شہر میں انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی آپ نے اپنے والد (میرزا محمود جو پارلیمنٹ کے پہلے انتخابات میں قم کے نمائندہ تھے) میرزا محمد برقعی اور حاج شیخ ابو القاسم کبیر سے بھی علمی استفادہ کیا۔

دو سال اراک میں آیت اللہ عبد الکریم حائری کے درس میں شرکت کی اور جب استاد ہجرت کرکے قم آگئے تو انہی کے ساتھ قم آگئے فقہ واصول کا درس ان کے پاس پڑھتے رہے حکمت و فلسفہ میرزا علی اکبر مدرس یزدی سے حاصل کیا۔انکے دیگر اساتذہ میں میر محمد ارباب قمی اور حاجی سید صادق روحانی شامل ہیں۔

مرحوم زاہدی تحصیل کے دوران اور بعد میں بھی تدریس کرتے تھے اور اراک کے حوزات میں تدریس کے علاوہ لوگوں کی مشکلات اور مسائل حل کرنے پر بھی خصوصی دیتے تھے۔ خاص طور پر مفاد عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ فقہی رسالہ عملیہ بھی تھا اور اس کے علاوہ منطق الحسین، مقصد الحسینؑ، افعل وما افعل، اثبات المعلوم فی نفی المفہوم ان کی بعض کتابیں ہیں۔

آپ بہترین خطیب بھی تھے اور آپ نے بارہ فروردین ۱۳۵۷ہجری شمسی وفات پائی۔ یہ وہ وقت تھا جب لوگ رضا شاہ کے خلاف تحریک میں مصروف تھے اور آئے روز حکومت کے خلاف مظاہرے ہو رہے تھے لہٰذا ان کی تشییع جنازہ نے حکومت اور اس کی پالیسیوں کے خلاف مظاہرے کی شکل اختیار کرلی اور قبرستان شیخان قم میں دفن کیا گیا۔

[1] أعیان الشیعہ، تکملۃ أمل الآمل، معارف الرجال، نقباء البشر

۶۲۔ زنجانی، سید احمد

آیت اللہ سید احمد زنجانی (۱۳۰۸ تا ۱۳۹۳ ہجری) زنجان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم زنجان میں ہی حاصل کی اور 1346 ہجری قمری میں قم آگئے آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری کے درس میں شرکت کی اور ان کی وفات کے بعد آیت اللہ سید محمد حجت کی فتویٰ کمیٹی کے رکن بن گئے اور ساتھ ہی درس و تدریس میں بھی مصروف ہو گئے۔ شیخ زین العابدین نجفی، میرزا عبد الرحیم فقاھتی، میرزا عبد الکریم خوئینی زنجانی، آقا محمد رضا مسجد شاہی اور آقا محمد صادق خاتون آبادی ان کے دیگر اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں: الکلام یجر الکلام، فروق احکام، ایمان و رجعت، مقدمہ تفسیر التبیان، رسالۂ خیر الامور، سرگذشت یک سالہ وغیرہ

29 رمضان 1393 ہجری قمری میں وفات پائی اور بی بی سیدہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم اطہر میں دفن کیا گیا۔

۶۳۔ زنجانی، ملا قربان علی

ملا قربان علی زنجانی (۱۲۴۶ تا ۱۳۲۸ ہجری) زنجان کے ایک قصبہ ارغین میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں زنجان چلے گئے اور وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ نصر اللہ خان میں دینی علوم پڑھنے شروع کئے اور زنجان کے بہت بڑے عالم اخوند ملا علی قاریوز آبادی سے بہت کچھ کسب فیض لیا۔

۱۲۶۶ ہجری میں نجف اشرف چلے گئے اور وہاں کے بزرگ علماء سے استفادہ کیا جن میں شیخ حسن صاحب الجواہر، شیخ مرتضیٰ انصاری، شیخ راضی نجفی، حاج سید حسین کوہ قمری وغیرہ شامل ہیں۔ جب آپ کے استاد شیخ مرتضیٰ انصاری ۱۲۸۱ ہجری قمری میں وفات پا گئے تو ملا قربان علی زنجان واپس آگئے اور اپنے استاد قاریوز آبادی کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے حوزہ علمیہ زنجان کی تاسیس اور

تکمیل ذمہ لے لیا۔ وہاں پر بہت سارے شاگردوں کو تیار کیا اور یوں اسلام کے قوانین کا نفاذ اور ترویج میں مصروف رہے۔

زنجان میں آپ کے حوزہ علمیہ سے بڑے بڑے فقہاء نکلے جن میں سید یونس اردبیلی، شیخ عبدالکریم زنجانی نجفی، اخوند ملا فتح علی زنجانی شامل ہیں۔ زمانہ قاچار کے بڑے فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور جب جمہوریت کی تحریک چلی تو آپ اس تحریک (مشروطیت[1]) کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ یہ تحریک استعماری ممالک، روس اور انگریزوں کی حکومتوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے شروع کرائی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے پیچھے بہت بڑی سازش ہے اور اسی لئے آپ نے مشروطیت کے خلاف اور جو مشروطہ کے حامیان تھے ان کے خلاف فتویٰ دیا۔

آخوند ملا قربان علی قاچار سلطنت کو جائز سمجھتے تھے اور زنجان کی عوام کی حمایت کیوجہ سے زنجان تحریکِ مشروطہ کے حامیوں کے قبضے میں نہ آسکا لیکن تھوڑی مدت بعد محمد علی شاہ قاچار کو سلطنت سے سبکدوش کر دیا گیا اور تحریکِ مشروطہ کے افراد جو تند رو بڑے انقلابی تھے، کے ہاتھوں میں باگ ڈور آگئی اور جیسے ہی عبوری حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اپنے مخالفین، جن میں شیخ فضل اللہ نوری، آخوند ملا قربان علی زنجانی شامل تھے، سے بدلہ لینے کے لئے ان کے درپے ہوئے اور ۱۳۲۷ ہجری مسلح دستے جو ہیں وہ اردبیل اور زنجان میں تحریکِ مشروطہ کے مخالفین کی سرکوبی کے لئے بھیجے گئے اور انہوں نے ملا قربان علی کو گرفتار کر لیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا اور بعد میں آخوند خراسانی کی وساطت سے ان کی سزا کم کی گئی اور انہیں عتبات عالیہ نجف اشرف کی طرف بھیج دیا گیا۔ ۱۳۲۸ ہجری قمری میں کاظمین میں انہوں نے وفات پائی اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔[2]

---

[1] مشروطیت یعنی شاہی نظام جو ہے اس شرط کے ساتھ قبول کیا گیا تھا کہ پانچ فقہاء نامدار یعنی جو صاحب الرسالہ ہوں گے ان پر مشتمل ایک شوریٰ ہوگی جو نظر رکھے گی۔ باقاعدہ آئین ہوگا اسمبلی ہوگی اور اس کی روشنی میں اسلام پر عمل ہوگا۔

[2] خط سوم در انقلاب مشروطیت ایران، سلطنت علم و دولت فقر

۶۴۔ سبز واری، حاج ملاہادی

حکیم حاج ملا ہادی سبز واری (۱۲۱۲ تا ۱۲۸۹ ہجری قمری) ایک عظیم مسلم فلسفی تھے۔ جب دس سال کے تھے تو والد وفات پا گئے۔ اپنی پھوپھی کے زیر سرپرستی اور زیر تربیت آگئے اور ان کے پھوپھی زاد بھائی حاج ملا حسین سبز واری جو عالم فاضل اور عارف تھے، نے ان کی سرپرستی کی اور یہ ۱۰ سال ان کے شاگرد رہے اور پھر ایک کامل و فاضل استادِ فقہ واصول مشہور ہو گئے۔

۱۲۳۲ ہجری قمری میں خانہ خدا کی زیارت کی خاطر مشہد سے نکلے تھے لیکن راستے میں ملا اسماعیل کوشکی اصفہانی کے اصفہان کے مدرسہ میں تحصیل علم یں مشغول ہو گئے۔ اور حج پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دس سال اصفہان میں رہے اور مکمل فقیہ اور فلسفی وعارف بن کر نکلے۔ ۱۲۴۲ ہجری قمری میں مشہد مقدس واپس آگئے پانچ سال وہاں تدریس کی اور وہاں سے تین سالہ سفر پر مکہ کی طرف چلے گئے اور حج کے سفر سے جب واپس آرہے تھے راستے میں خطرات اور بدامنی کے باعث ایک سال تک مدرسہ معصومیہ کرمان میں گمنامی کی زندگی گزاری۔ وہاں پر مدرسہ کی صفائی کرتے تھے اور ساتھ ہی آیت اللہ آقا سید جواد امام جمعہ شیرازی کے درس میں بھی شرکت کرتے اور بہت جلد ان کے فضل اور کمال کے مقامات سید جواد پر آشکار ہو گئے۔

اس کے بعد ملا ہادی اپنی اہلیہ کے ہمراہ سبز وار آگئے اور آخری عمر تک اسلامی فلسفہ اور حکمت کی تدریس کرتے رہے۔ انہوں نے اسلامی فلسفہ اور منطق کی بحثوں کو ۱۳۰۰ عربی اشعار کے قالب میں بند کیا اور پھر اس اشعار کی اپنی کتاب میں خود شرح بھی لکھی ہے جسے آج کل شرح سبز واری کہا جاتا ہے۔ ان کی دیگر کتابوں میں حاشیہ بر اسفار، اسرار الحکم، شرح مثنوی مولوی، شرح الاسماء الحسنٰی و دیوان شعر وغیرہ شامل ہیں۔ حاجی سبز واری نے ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور دروازہ نیشاپور میں ان کا مقبرہ ہے۔ [1]

---

[1] حاج ملاھادی سبز واری حکیم فرزانہ

۶۵۔ شوشتری، شیخ اسد اللہ

آیت اللہ شیخ اسد اللہ شوشتری (۱۱۶۱تا ۱۲۳۴ہجری) کا شمار امامیہ اصولی علماء اور محققین میں ہوتا ہے۔ آپ مقابس الانوار کے مؤلف ہیں، انہیں کاظمینی کہا جاتا ہے اور دزفولی وانصاری کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ انہوں نے ابتدائی علوم اپنے والد شیخ اسماعیل سے حاصل کئے پھر کربلا تشریف لے گئے اپنے استاد بہبہانی سے اختلافِ نظر کیا، وہاں سے ہجرت کرکے کاظمین آگئے اور آخری عمر تک کاظمین میں رہے اور آقا وحید کی شاگردی کے بعد وہ شیخ جعفر کاشف الغطاء کی شاگردی میں آگئے۔ ان کی بیٹی سے شادی بھی کی۔ ان کے اساتذہ میں محمد مہدی بحر العلوم، سید علی صاحب ریاض، میرزا مہدی شہرستانی، شیخ احمد احسائی اور میرزا ابو القاسم قمی شامل ہیں۔

ان کے آراء و نظریات کو ان کے زمانے کے علماء بھی قبول کرتے تھے جیسا کہ ''عدم حجیتِ اجماع منقول بہ خبر واحد''، (یعنی خبر واحد کے ذریعہ اجماع منقول کو بطور دلیل نہیں لے سکتے۔) ان کے بہت سارے شاگرد ہیں جن میں سید عبد اللہ شبر، موسیٰ اور علی فرزندان، شیخ جعفر کاشف الغطاء، ان کا اپنا بیٹا اسماعیل شامل ہیں۔

ان کی عمر مختصر تھی ۱۲۳۴ہجری میں وفات پائی۔ الوسائل فی الفقہ، کشف القناع عن وجوہ حجیۃ الاجماع، مقابس الانوار اور نفائس الابرار فی احکام النبیؐ المختار و عترت الاطہار ان کی معروف ترین کتب میں سے ہیں۔

۶۶۔ شوشتری، قاضی نور اللہ

سید نور اللہ حسینی مرعشی شوشتری (۹۵۶تا ۱۰۱۹ہجری) قاضی نور اللہ شوشتری کے نام سے مشہور ہیں اور شہید ثالث کے نام سے بھی معروف ہیں۔ آپ شوشتر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں سے ہی حاصل کی، علوم عقلی و نقلی اپنے والد سے اور میر صفی الدین محمد و میر جلال الدین محمد صدر سے حاصل کئے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد چلے گئے

اور وہاں تعلیم جاری رکھی۔ عبد الواحد بن علی استاد سلطان حیدر میرزا سے علمی فیض پاتے رہے۔ آپ علم حدیث، علوم معقول و منقول میں وسیع علم رکھتے تھے اور ریاضیات، ادبیات عرب، معانی و بیان، عروض اور قافیہ میں بہت ساری کتب لکھی ہیں۔

بہت سارے علمی مدارج پر فائز نے ہونے کے علاوہ عظیم شاعر بھی تھے۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ مشہد سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ یہ سفر اکبر شاہ کی سلطنت کے دور میں تھا۔ جیسے ہی ہندوستان پہنچے سیدھے اکبر کے دیوان میں چلے گئے۔ اور وہاں پر فتح اللہ شیرازی اور حکیم ابو الفتح گیلانی کے وسیلہ سے اکبر شاہ کے سامنے ان کا تعارف ہوا۔ دو سال بعد اکبر شاہ کے حکم سے لاہور کے قاضی بن گئے۔ ۱۰۰۸ ہجری قمری فوج کے قاضی بن گئے۔ وہ تقیہ نہیں کرتے تھے۔ مذہب شیعہ پر ہی عمل کرتے تھے لیکن اکبر شاہ ان کی توانائی، صلاحیتوں کے باعث شیعہ ہونے کے باوجود ان کو یہ ذمہ داریاں سونپا کرتے تھے۔ قاضی نور اللہ اپنے بعض احباب جو شاہ کے قریب اور خیر خواہ تھے اور قاضی نور اللہ کے حامی بھی تھے، ان کی وفات کے باعث اکبر بادشاہ کی حمایت سے آہستہ آہستہ ہاتھ دھوتے گئے۔ اکبر بادشاہ کی سلطنت کے آخری سالوں میں شاہ کے پاس قاضی نور اللہ کا کوئی حامی نہیں رہا یعنی آہستہ آہستہ اکبر شاہ کے پاس ان کے حامی کم ہوتے گئے۔ جب اکبر شاہ فوت ہو گیا تو اہل سنت کے متعصب رہنماؤں نے آپ پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا۔ آپ کی بعض تالیفات (خاص کر احقاق الحق کہ جس میں تین خلفاء پر تنقید کی گئی تھی) کی وجہ سے اہل سنت کے علماء بہت غصے میں تھے۔ لہٰذا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ۱۰۱۹ ہجری قمری میں آپ کو راستے میں کانٹے دار اور خار دار ٹہنیوں سے اتنا مارا گیا کہ آپ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

ہندوستان جانے سے پہلے انہوں نے کچھ کتابیں لکھی تھیں ان کے بہت سارے آثار ہند میں، وہاں کے شیعوں کی بیداری کا سبب بنے۔ کلام، فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ہیئت میں ان کی ۸۰ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ مصائب النواصب، الصوارم المہرقہ، مجالس المومنین (فارسی)، احقاق الحق و ازهاق الباطل، سبعہ سیارہ، الانفعالیہ، البحر الغزیر، کشف العوار فی تفسیر آیہ الغار، ان کی معروف کتب ہیں۔ ان کا مزار آگرہ (فیض آباد) ہندوستان میں واقع ہے۔

٦٧۔ شہرستانی، سید محمد علی ھبۃالدین (ہبۃاللہ)

آیت اللہ سید ھبۃالدین محمد علی شہرستانی (۱۳۰۱ تا ۱۳۸۶ھ) سامرہ میں پیدا ہوئے۔آپ آیت اللہ سید حسین شہرستانی کے فرزند تھے۔

٦٨۔ شہیدی، میرزا فتاح

آیت اللہ میرزا فتاح مجتہد شہیدی تبریزی (۱۳۰۲ تا ۱۲۷۲ ہجری قمری) تبریز کے مضافات میں ایک جگہ مقام داش آتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر سے ہی حاصل کی اور پھر تبریز کے دینی مدرسہ آیت اللہ میرزا ابوالحسن آقا انگجی کی شاگردی اختیار کی۔ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۲۳ہجری قمری میں نجف چلے گئے۔

نجف میں اصول کی تعلیم آخوند خراسانی اور فقہ شریعت کی تعلیم اصفہانی اور سید محمد کاظم یزدی (صاحب عروۃالوثقیٰ) سے حاصل کی اور ان کی رحلت کے بعد بہت عرصہ سید ابوالحسن اصفہانی کے درس خارج میں جاتے رہے اور ان سے سند اجتہاد بھی لی۔ ۱۳۴٦ہجری میں اپنے علاج معالجے ، رشتہ داروں اور اپنی ماں کی زیارت اور ملاقات کیلئے ایران آگئے۔ امام رضا علیہ السلام کی زیارت کی پھر تبریز میں جا کر درس وتدریس میں مصروف ہو گئے۔ آیت اللہ ابوالحسن اصفہانی کے حکم پر واپس نجف اشرف چلے گئے۔ اس وقت سید ابوالحسن اصفہانی کی مرجعیت عام ہو چکی تھی اور آپ ان کے ساتھ علمی و عملی حوالے سے معاون بھی رہے۔ ۱۳٦۱ہجری میں سید ابوالحسن اصفہانی کے حکم پر تبریز واپس آگئے اور آخر عمر تک تبریز کے علمی مرکز کی سربراہی میں مصروف رہے اور بہت ساری دینی اور اجتماعی خدمات سرانجام دیں۔ بہت ساری کتب بھی تحریر کیں جن میں ہدایۃالطالب الی اسرار المکاسب زیادہ مشہور ہے جس سے علمی مراکز کے علماء و فضلاء فیض اٹھاتے ہیں۔ میرزا فتاح

مجتہد تبریزی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری قمری میں وفات پاگئے اور تبریز کے طوبائیہ قبرستان میں دفن ہوئے۔[1]

۶۹۔ شیخ بہائی

بہاؤالدین الدین محمد بن عزالدین حسین بن عبد الصمد عاملی (۹۵۳ تا ۱۰۳۱ ہجری) شیخ بہائی کے نام سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے عالم تھے، جبل عامل سے آپ کا تعلق تھا۔ ان کا پورا خاندان علما خاندان ہے ان کے والد شیخ حسین شہید ثانی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے ۔ شہید ثانی کی شہادت کے بعد وہاں کے حالات دگرگوں ہو گئے اور عامل کے شیعوں کے لئے وہاں زندگی گزارنا سخت ہو ہوگیا تو آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ ایران آگئے۔ شیخ بہائی بہت ذہین تھے۔ اصفہان میں آپ کے زمانے کے بڑے بڑے علما نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے بارے میں ملتا ہے کہ آپ گیارہویں ہجری میں دنیائے انسانیت کے علامہ اور مجدد دین تھے اور مذہب وملت کی ریاست آپ کے پاس آکر ختم ہوئی۔ علومِ انسانی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ شیخ بہائی میں جامعیت تھی نوابغ اور مفاخر میں سے تھے اور ایسی صفات بہت ہی کم علماء میں پائی جاتی ہیں۔ بہت سارے ممالک کا سفر کیا ہر جگہ نامور اساتذہ سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق مختلف علوج حاصل کئے لہٰذا ان کی تعلیفات متنوع اقسام کی ہیں۔ شیخ بہائی ادیب، شاعر، ریاضی دان، منجم، انجینئر، فقیہ، مفسر اور طبیب بھی تھے ۔ تفسیر، حدیث، ادبیات عرب اپنے والد سے پڑھی، حکمت، کلام، فلسفہ اور بعض علوم معقول ملا عبد اللہ مدرس یزدی سے حاصل کئے جبکہ ریاضیات ملا علی مذہب، ملا افضل قاضی مدرس، ملا محمد باقر بن زین العابدین یزدی (جواب مطالع الانوار کے مصنف) سے پڑھی اور طب حکیم عماد الدین محمد سے حاصل کی۔ اور صاحب روضات الجنات کے بقول صحیح بخاری کو محمد بن عبد اللطیف مقدسی سے پڑھا۔

[1] گلشن ابرار، ج ۴

علمی مقام و منزلت حاصل کرنے کے لئے گیارہویں صدی کے چالیس سے زائد نامور علماء نے ان سے کسب فیض حاصل کیا جن میں ملا صدرا فیض کاشانی، ملا محمد تقی مجلسی اور سید عزالدین حسینی کرکی جیسے عظیم علماء شامل ہیں۔

شیخ بہائی نے امام علی علیہ السلام کے گنبد کا ڈیزائن تیار کیا ہے (جیساکہ میر عماد کے خط سے گنبد میں یہ لکھا ہوا ہے) یہ کتبہ، حرم امام رضا علیہ السلام کی جو سایہ دار گھڑی ہے وہ بھی آپ کا ڈیزائن کردہ ہے۔اردستان میں قنات اور ونہ کا ڈیزائن اور آب زائندرو کی تقسیم بھی آپ کے ہاتھ سے ہوئی۔آپ جہاں اسلام کے بابرکت ترین افراد سے ہیں۔ مختلف علوم میں تالیفات کیں۔ ۱۰۳۱ ہجری اصفہان میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق مشہد مقدس میں آپ کو لے جاکر امام رضا علیہ السلام کے حرم میں دفن کیا گیا۔[1]

۷۰۔ شیخ حر عاملی

شیخ محمد بن حسن حر عاملی (۱۰۳۳ تا ۱۱۰۴ہجری) جبل عامل لبنان میں پیدا ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں ان کے اپنے والد شیخ حسن حر عاملی اور پھر شیخ محمد، شیخ عبد السلام ، شیخ علی بن محمود مشغری عاملی، شیخ زین الدین بن محمد بن حسن، شیخ حسین ظہیری، محمد تقی مجلسی، فیض کاشانی، ملا محمد طاہر شیرازی، آقا حسین خوانساری اور ملا محمد کاشانی شامل ہیں۔

الجواهر السنیه، الصحیفة السجادیة الثانیة، الایقاظ من الهجعة برهان علی الرجعه، الفوائد الطوسیه، امل الآمل ، اثبات الهداة، هدایة الامه اور وسائل الشیعه سب آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

شیخ مصطفیٰ حویزی، سید محمد حسینی اعرجی، سید محمد موسوی عاملی، سید نور الدین جزائری، علامہ محمد باقر مجلسی اور ملا محمد صالح هروی آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

[1] زندگی نامه علمی دانشوران شیخ شور انگیز شیرین کار

چالیس سال کی عمر میں مشہد مقدس کی طرف ہجرت کی اور آخری عمر تک وہیں رہے۔ ادھر ہی وفات ہوئی اور یہیں دفن کئے گئے۔

۷۱۔ شیخ طوسی

شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (۳۸۵تا ۴۶۰ہجری قمری) طوس خراسان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم وہی پڑھتے رہے اور ۴۰۸ ہجری قمری ۲۳ سال کی عمر میں عراق میں چلے گئے۔ پانچ سال شیخ مفید کے درس میں جاتے رہے۔ سید مرتضی سے بھی تعلیم حاصل کی انہوں نے قابلیت دیکھی تو ان پر خصوصی توجہ دینا شروع کردی اور انہیں تدریس پر لگایا اور ہر مہینے بارہ دینار ان کو حق زحمت دیتے تھے۔ اسی دوران دوسرے مشائخ جیسے حسین ابن عبید اللہ عضائری، ابن جنید اسکافی، احمد بن محمد بن موسی (المعروف بہ ابو صلت اہوازی) سے بھی کسب فیض کیا۔سید مرتضٰی علم الھدیٰ کی وفات کے بعد شیعوں کے رہبریت اور قیادت شیخ طوسی کے پاس آئے۔ ان کے گھر محلّہ کرخ بغداد میں تھا جو شیعوں کی پناہ گاہ تھی۔ علماء اسلام دنیا بھر سے بغداد آتے تھے تاکہ آپ سے کسب فیض کریں۔ اسی لئے بہت سارے علماء، مجتہدین اور فقہاء جن کی تعداد تین سو کے قریب ہے، ان میں سے سو کے قریب علماء اہلسنت بھی ہیں، نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ بغداد میں سب سے عظیم مدرس تھے۔ اہلسنت علماء کو یہ بات پسند نہ آئی انہوں نے شیخ سے حسد کرنا شروع کردیا اور کئی بار کوشش کی کہ تہمت سے شیخ کو جو تدریس کا منصب ملا تھا اس سے ہٹا دیا جائے۔ آخرکار علاقے کے کمینے، بدمعاش اور اوباش قسم کے لوگوں نے شیخ کے گھر پر حملہ کر دیا اور اسے آگ لگا دی۔ بہت سارے اموال لوٹ کر لے گئے اور شیخ کی جو تدریس کی کرسی تھی اس کو بھی آگ لگا دی۔ آپ کے بہت بڑے کتب خانہ کو بھی آگ لگا دی اور بہت ساری نفیس کتب، جن کی کوئی مثال نہیں تھی ،ان کی جہالت اور تعصب کے نتیجے میں جل گئیں۔ اس افسوس ناک واقعہ اور ناقابل تلافی نقصان کے بعد شیخ نے بغداد کو چھوڑ دیا اور بہت مخفیانہ طریقہ سے نجف اشرف پہنچ گئے۔ نجف اشرف میں ان دنوں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا،

جہاں مولا کی زیارت کے مشتاق چند لوگ آباد تھے۔ جاہلوں کی سرکشی اور بغض کی وجہ سے بغداد کے علمی مرکز کو چھوڑ کر نجف اشرف میں ایک عظیم علمی مرکز کی بنیاد رکھی جو اس وقت سے لے کر آج تک قائم ہے۔ شیخ طوسی نے 22 محرم ۴۶۰ ہجری نجف اشرف میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ [1]

۷۲۔ شیخ مفید

شیخ مفید (۳۳۶ تا ۴۱۳ ہجری قمری) بغداد کے قریب ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے محدثین علماء سے علم کا فیض لیا اور ان سے نقل حدیث کی سند حاصل کی۔ ان علماء میں ابن جنید اسکافی، حسین ابن علی بصری، علی بن جعفر بن عیسیٰ بن رمانی، جعفر بن محمد بن قولویہ، ابن داود طبری، ابن داؤد قمی اور شیخ صدوق کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شیخ مفید ''ابن معلم'' کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کے علمی مرکز سے بہت سارے شاگردوں نے تربیت حاصل کی، جن میں رضی، سید مرتضی، شیخ طوسی اور نجاشی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کی بہت زیادہ کتابیں ہیں جن میں المقنعہ ،الامالی ،الارشاد تصحیح الاعتقاد الفصول الایۃ المختارہ زیادہ مشہور ہیں، شیخ مفید علیہ الرحمہ حرم امام موسی کاظم علیہ السلام کاظمین میں مدفون ہیں۔

۷۳۔ شیرازی، سید میرزا علی

آیت اللہ سید میرزا علی شیرازی ۱۲۸۷ ہجری نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ جس وقت آپ کے والد مرزا شیرازی سامرا تشریف لے گئے تب آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ اپنے والد کے پاس اور پھر ان کے بڑے نامور شاگردوں سے تعلیم حاصل کی جن میں سید محمد شفیع کازرونی اور سید اسماعیل صدر وغیرہ شامل ہیں۔ والد کی وفات تک ان کے خصوصی اور عمومی درس میں شرکت کرتے رہے۔ مرزا شیرازی کی وفات کے بعد مرزا محمد تقی شیرازی کے

[1] مفاخر اسلام، ج ۱ص ۷ ۳

خصوصی درس میں بھی شرکت کرتے تھے۔۱۳۳۳ ہجری قمری کاظمین چلے گئے جہاں مختصرمدت رہنے کے بعد نجف اشرف چلے گئے۔ ۱۱۳۳۸ ہجری قمری میں بہت سارے لوگوں نے ان کی تقلید کی ان کا رسالہ عملیہ بھی شائع ہوا۔

آپ بہترین اخلاق کے مالک تھے اور آپ کا حسن سلوک مشہور تھا۔ شعر و ادب سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور ایک بڑی نامور شخصیت کے مالک تھے۔ تنہائی کو ترجیح دیتے تھے اور عمومی مجالس میں شرکت نہیں کرتے تھے مگر جب بہت ضروری ہوتا تو شرکت کر لیتے تھے ۔ ان مراجع میں سے تھے جن کو ۱۳۴۱ اور ۱۳۴۲ میں ایران بدر کیا گیا تھا ۔ ۱۸ربیع الاول ۱۳۵۵کو وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ [1]

۷۴۔ شیرازی، شیخ محمد کاظم

آیت اللہ حاج شیخ محمد کاظم شیرازی (۱۲۹۰ تا ۱۳۸۷ ہجری) شیراز میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۰۰ ہجری قمری اپنے والد اور والدہ کے ہمراہ زیارت کے لئے کربلا معلیٰ گئے تو وہیں ٹھہر گئے، دینی علوم کی تعلیم وہاں سے حاصل کی۔ پھر شیراز میں مطول اور معالم شیخ محمد علی کازرونی سے پڑھی۔

۱۳۰۶ ہجری قمری میں کربلا آگئے وہاں شرح لمعہ، قوانین، فصول و ریاض پڑھی، پھر ۱۳۱۰ ہجری قمری میں سامرا چلے گئے اور وہاں کے علما بالخصوص میرزا شیرازی نے ان پر خصوصی توجہ دی۔ شیخ محمد کاظم ان کے گھر ہی میں رہا کرتے تھے رسائل اور مکاسب کو علامہ شیخ حسن علی تہرانی سے پڑھا اور میرزا شیرازی کے حکم پر آیت اللہ میرزا محمد تقی شیرازی اور سید محمد فشار کے درس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ جب مرحوم فشار نجف کی جانب چلے گئے تو وہاں صرف مرزا محمد تقی شیرازی کے پاس تعلیم حاصل کرنے لگ گئے۔ محرم الحرام

[1] نقبا البشر، مراۃ الشرق، ہدیۃ الرازی

۱۳۳۶ہجری قمری کے آخر میں جنگ اول ختم ہوئی تو اپنے استاد کے ہمراہ کاظمین چلے گئے اور ۱۳۳۷ ہجری قمری میں ان کے ہمراہ کربلا کی طرف ہجرت کی اور ان کی وفات ۱۳۳۸ ہجری تک وہاں رہے پھر نجف اشرف چلے گئے جہاں آخر عمر تک تدریس میں مصروف رہے۔ اس وقت کے فقیہ بزرگ آیت اللہ اصفہانی کے ساتھ آپ کا بہت گہرا تعلق تھا اور جب ان کی مرجعیت کے دور میں آپ کا شمار اور علما حوزہ نجف میں ہوتا تھا۔ آپ سید ابو الحسن اصفہانی کی اطاعت میں تھے۔ مرحوم اصفہانی اور آیت اللہ قمی کی وفات کے بعد مرجعیت آپ کے حصے میں آگئی اور بہت سارے لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور صحن علوی میں دفن ہوئے۔ [1]

۷۵۔ شیرازی، میرزا سید مہدی

آیت اللہ میرزا سید مہدی حسینی شیرازی (۱۳۰۴ تا ۱۳۸۰ ہجری) کربلا معلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کربلا سے حاصل کی، پھر سامرا چلے گئے۔ وہاں میرزا محمد تقی شیرازی و دیگر بزرگان سے علم لیا۔ جب انگریزوں نے عراق پر قبضہ کیا تو دوسرے علما کے ساتھ مل کر کاظمین میں محاذ بنایا اور مجاہدین کے ساتھ مل کر قابض غاصبوں کے خلاف جہاد کیا۔

اس کے بعد کربلا میں آکر ٹھہر گئےاور کربلا کے علمی مرکز کے مشہور اساتذہ میں آپ کا شمار ہوا۔ میرزا محمد تقی شیرازی کی وفات کے بعد مرجعیت کے منصب پر فائز ہوئے آپ کے بہت سارے علمی آثار بھی ہیں ۔ ۱۳۸۰ ہجری قمری میں کربلا میں وفات پائی۔ [2]

---

[1] گنجینہ دانشوران، نقبا البشر

[2] از چشم فرزند ہجرت از عراق)

۷۶۔ شیرازی، میرزا محمد تقی

آیت اللہ میرزا محمد تقی شیرازی (۱۲۵۸ تا ۱۳۳۸ ہجری قمری) جو میرزا دوم کے نام سے بھی مشہور ہیں، شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیراز سے حاصل کی پھر کربلا چلے گئے وہاں بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا جیسے علی نقی طباطبائی اور فاضل اردکانی، پھر سامرا تشریف لے گئے جہاں میرزا محمد حسن شیرازی (میرزا اول) کی شاگردی اختیار کی پھر وہیں پر اپنے استاد کی وفات کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے۔ سید محمد کاظم یزدی، میرزا محمد تقی شیرازی کی وفات کے بعد شیعوں کے مرجع تقلید بنے ۔ آپ سامرا سے کربلا تشریف لے آئے۔ شیخ آقائی بزرگ تہرانی، شیخ عبد الکریم، حائری، شیخ محمد جواد بلاغی، حاج آقا حسین قمی، آقا جمال الدین گلپایگانی، شیخ محمد کاظم شیرازی اور شیخ محمد علی شاہ آبادی آپ کے شاگردوں سے ہیں۔

مکاسبِ شیخ انصاری پر حاشیہ، رسائل شیخ انصاری پر حاشیہ، عروۃ الوثقی پر حاشیہ، العباد لیوم المعاد پر حاشیہ آپ کے قلمی آثار میں سے ہیں۔

آپ نے "جمعیت اسلامیہ" نام کی تنظیم تشکیل دی ۔ انگلستان کے خلاف جہاد اور عراق کی آزادی اس کا اہم ہدف تھا اور اس طرح آپ نے عراق پر قبضہ کرنے والوں کے خلاف فتوی بھی دیا کہ عوام مسلح جدوجہد کے ذریعہ اپنے ملک کو آزاد کرائیں۔

میرزا شیرازی دوم ۱۳۳۸ ہجری کو وفات پاگئے ۔ آپ صحن مطہر امام حسین علیہ السلام میں دفن ہوئے۔ [1]

[1] نقبا البشر، ریحانۃ الاداب، بیدار گران اقالیم قبلہ، اسرۃ المجدد الشیرازی

۷۷۔شیرازی (میرزای شیرازی) سید محمد حسن

آیت اللہ سید محمد حسن حسینی شیرازی (۱۲۳۰ تا ۱۳۱۲ہجری قمری) ''میرزا بزرگ'' یا ''میرزا اول'' کے نام سے مشہور ہیں۔ شیراز میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ نوجوانی میں ہی ایک بڑے مدرس کے طور پر ابھرے۔ میرزا محمد حسن ۱۲۴۸ ہجری میں اصفہان چلے گئے اور وہاں کے بڑے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کرتے رہے جن میں سید محمد تقی اصفہانی، سید حسن بید آبادی اور حاج محمد ابراہیم کلباسی شامل ہیں۔ پھر کربلا چلے گئے جہاں آپ شیخ حسن کاشف الغطا، صاحب الجواہر، سید ابراہیم قزوینی اور شیخ مشکور حولائی سے کسب فیض کرتے رہے اور پھر واپس نجف اشرف شیخ انصاری کے درس میں چلے گئے۔

میرزا محمد حسن شیرازی نے پھر ۱۲۹۱ ہجری قمری میں حوزہ علمیہ سامرا قائم کیا اور آخری عمر میں اسی شہر میں تدریس شاگردوں کی تربیت میں میں مصروف رہے۔ میرزا محمد تقی شیرازی(دوم)، شیخ عبد الکریم حائری، آخوند خراسانی، سید اسماعیل صدر، شیخ الشریعہ اصفہانی اور میرزا حسین نائینی یہ سارے آپ کے شاگرد ہیں ۔

میرزا شیرازی صاحب زہد و عرفان اور زمانہ شناس فقیہ تھے جنہوں نے اپنے شاگردوں کی سیاسی ا اجتماعی حوالے سے تربیت کی اور درس خارج کا آغاز نہج البلاغہ کی کسی ایکعبارت سے کرتے تھے جس میں اجتماع و سیاسی حوالے سے تعلیمات ہوتی تھیں اس لحاظ سے حوزہ سامرہ کا مرکز سیاست دانی اور روشن فکری کے حوالے سے معروف ہو گیا تھا۔ آپ کا اور آپ کے بعد سید جمال الدین افغانی کا (جن سے ان کا کافیہ یارانہ تھا) نہج البلاغہ کے احیاء کرنے میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے نہج البلاغہ کو ایک سیاسی حکمتوں پر مشتمل کتاب کے طور پر روشناس کرایا۔

آپ کی مرجعیت اس زمانے کے تمام شیعوں تک پہنچی ہوئی تھی تھائی لینڈ، ہندوستان، تبت ، افغانستان، داغستان، قفقاز ، حجاز ،زنگبار ، یمن ، لبنان شام اور مغرب میں

ہر طرف آپ کے فتاوی اور آپ کے نمائندوں کا انتخاب ، ہر جگہ معروف تھا اور اپنے زمانے کے حکمران آپ سے مدد لیتے تھے اور تہران میں آپ کے خطوط پہنچتے تھے۔ دنیا بھر کے مظلومین آپ کو خط لکھ کر آپ سے رہنمائی اور مدد لیتے تھے اور تہران سے آپ کو خطوط ملے جن کے جواب میں آپ نے ۱۳۱۲ ہجری میں سید محمد طباطبائی (جو بڑے دلیر مجتہد، مخلص انسان تھے اور سید بحر العلوم کے نواسے تھے) کو (بہبھانی اور شیخ فضل اللہ کے بعد) اپنا تیسرا نمائندہ بنا کر تہران بھیجا۔ میرزا نے نہج البلاغہ کی عبارات کا سہارا لیتے ہوئے ان کو مکلّف ٹھہرایا کہ وہ مظلوموں کی مدد کریں جو طاقتور ہیں اور جو عوام کے حقوق نہیں دے رہے ہیں ان کے خلاف اقدامات کریں۔طباطبائی جیسے ہی تہران پہنچے تو انہوں نے قانون ،عدلیہ ، پارلیمنٹ اور شاہ کے اختیارات کو محدود و مشروط کرنے کے حوالے سے صدر اور حاکم تہران سے مذاکرات کئے۔

میرزا شیرازی کا اہم ترین اقدام آپ کا وہ مشہور فتویٰ تھا جس میں آپ نے تمباکو نوشی کو حرام قرار دیا۔ اس کا مقصد استعماری طاقتوں کی مخالفت اور شاہ ایران کی قدرت او اختیارات کو محدود کرنا تھا۔ یہ فتویٰ ۱۳۰۶ قمری میں صادر کیا گیا۔میرزا شیرازی کا انتقال سامراہ میں ہوا ۔آپ کو نجف اشرف منتقل کیا گیا اور امیر المومنین علیہ السلام کے حرم میں دفن کیا گیا۔ [1]

۷۸۔ صاحب الزمانی، حاج شیخ ابراہیم

شیخ ابراہیم صاحب الزمانی تبریزی (متوفی ۱۳۵۵ ہجری قمری) اپنے زمانے کے متقی علماء میں سے تھے۔ سامرا میں کافی عرصہ رہے اور امام زمانہ (عج) سے منسوب مقام پر زندگی گزاری اور امام زمانہ عجل اللہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور بہت زیادہ ان کا تذکرہ کیا

[1] اعیان الشیعہ، تاریخ بیداری ایرانیان، علمای مجاہد، م مراۃ الشرق، تاریخ مشروطہ ایران، کسروی، ترجمہ ہدیۃ الرازی، ص ۱۳۱

کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام صاحب الزمانی مشہور ہو گیا۔ شیخ عبد الکریم حائری قم میں جب درس دیا کرتے تھے تو اس سے چند منٹ پہلے شیخ ابراہیم امام حسین علیہ السلام کا مصائب پڑھتے تھے اور پھر مرحوم حائریؒ اپنے درس کا آغاز کرتے تھے۔ [1]

۷۹۔ صدر، سید حسن

آیت اللہ سید حسن صدر کاظمی (۱۲۷۲ تا ۱۳۵۴ ہجری قمری)کاظمین میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد آقا سید ہادی صدر اصفہانی کی خواہش پر ابتدائی تعلیم وہیں شروع کی اور پھر نجف اشرف چلے گئے ۱۷ سال نجف اشرف میں رہے۔ حکمت، کلام، فقہ و اصول اور باقی علوم حاصل کئے اور اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے تو سامرا کی طرف چلے گئے ۔ ۱۷ سال وہاں پر رہے اور میرزا محمد حسن شیرازی کے درس سے استفادہ کیا اور وہاں تدریس بھی کرتے تھے۔ ۱۳۱۴ ہجری میں اپنے چچا زاد بھائی آیت اللہ اسماعیل صدر کے ساتھ واپس کاظمین آگئے اور وہاں پر حکمت اور کلام کی تعلیم اپنے والد کے علاوہ شیخ محمد بار شکسی، شیخ محمد تقی بایکانی، شیخ عبد النبی نوری طبرسی اور محمد تقی گلپایگانی سے حاصل کی۔ فقہ و اصول کی تعلیم اپنے والد کے علاوہ عبد الحسین بن نعمہ طریحی اور میرزا شیرازی ، اخلاق ملا حسین قلی ہمدانی اور علوم غریبہ شیخ عبد الحسین ہندی سے حاصل کی۔

سید حسن صدر بڑے علماء میں سے تھے اور آپ بہت ہی محنتی تھے اور خاص طور پر عراق کے لوگوں میں بہت زیادہ محبوب تھے۔ آپ معنوی اور اجتماعی طور پر بڑی جاذبیت کے حامل تھے، یہاں تک کہ مستشرقین اور بعض مسیحی آپ کو انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ گردانتے تھے۔

[1] گنجینہ دانشمندان

علامہ محمد جواد بلاغی ، شیخ مرتضیٰ آل یاسین ، سید محمد صدر (جو عراق کے وزیراعظم تھے)اور بہت سارے لوگ جنہوں نے عراق کے حوزات میں تعلیم حاصل کی، آپ کے شاگرد تھے۔

تاسیس الشیعہ، الکرام لعلوم الاسلام ، الشیعہ و فنون الاسلام، شرح وسائل الشیعہ، حدائق الوصول فی علم الاصول، سبیل الرشاد فی شرح، نجاۃ العباد ، سبیل الصالحین، سبیل النجاۃ، اور مختلف الرجال وغیرہ آپ کے قلمی آثار میں شامل ہیں۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۴ ہجری میں وفات پائی۔ [1]

۸۰۔ صدر اصفہانی، سید اسماعیل

آیت اللہ سید اسماعیل (۱۲۵۸ تا ۱۳۳۸ ہجری قمری) آیت اللہ سید صدر الدین کے بیٹے ہیں۔ آپ اصفہان میں پیداہوئے، سادات موسوی عاملی کے گھرانے سے تعلق تھا۔علوم دینی کا آغاز اصفہان سے کیا پھر اصول و فقہ کی تعلیم بھائی سید محمد علی صدر اور میرزا محمد باقر بن تقی اصفہانی تہرانی سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۸۱ ہجری قمری میں نجف اشرف تشریف لے گئے وہاں میرزا محمد حسن شیرازی اور شیخ راضی آل خضر نجفی اور شیخ مہدی کاشف الغطا کے ساتھ درس مکمل کیا اور سند اجتہاد میرزا شیرازی سے حاصل کی۔ آپ ان کے شاگردوں میں سے تھے اور سامرا کے حوزہ کے بڑے مدرسین میں شامل تھے۔ میرزا شیرازی کی وفات (۱۳۱۲ ہجری قمری) کے بعد ریاست و زعامت سے پرہیز کرتے ہوئے اور میرزا محمد تقی شیرازی کی مرجعیت کو برقرار کرنے کیلئے خود کربلا ہجرت کر گئے۔ آپ کے بڑے شاگردوں میں میرزا حسین نائینی، سید حسین فشارکی، سید عبد الحسین شرف الدین، شیخ محمد رضا آل یاسین، سید حسن و سید صدر الدین صدر اور میرزا سید علی شیرازی شامل ہیں۔ آیت اللہ سید

[1] مراۃ الشرق، گلشن ابرار، ج ۳، موسوعۃ مولفہ الامامیہ

اسماعیل صدر ۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۸ ہجری میں وفات پاگئے اور حرم کاظمین میں مدفون ہیں۔ [1]

۸۱۔ طالقانی، شیخ مرتضی

آیت اللہ شیخ مرتضی طالقانی (۱۲۷۴ تا ۱۳۶۳ ہجری قمری) طالقان میں پیدا ہوئے۔ یہ دیزان کا ایک قصبہ ہے۔ کتابت اور ادبیات کی تعلیم طالقان سے ہی حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۲۹۵ ہجری قمری میں حوزہ علمیہ تہران چلے گئے۔ وہاں اساتذہ سے علوم منقولہ اور فقہ و اصول کی تعلیم حاصل کی۔ میرزا مسیح طالقانی، میرزا ابو الحسن جلوہ اور آقا شیخ محمد رضا آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

۱۳۰۲ق میں حوزہ علمیہ اصفہان چلے گئے جہاں وہ ۱۵ سال تک تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سید محمد باقر درچہ ای اصفہانی، میرزا ابو المعانی کلباسی، شیخ عبد الحسین محلاتی، میرزا محمد ہاشم چہارسوقی، میرزا بدیع، آقا نجفی اصفہانی، میرزا جہانگیر خان قشقائی اور آخوند ملا محمد کاشی سے علمی استفادہ کیا اور اسی دوران علوم نقلی اور عقلی کے ساتھ ساتھ حکیم میرزا جہانگیر خان قشقائی اور حکیم آخوند ملا محمد کاشی سے معنوی اور سلوکی علوم بھی حاصل کئے۔

شیخ مرتضی طالقانی ۱۳۱۷ میں نجف اشرف چلے گئے۔ چونکہ مشروطیت کے حوالے سے آپ کا نکتہ نظر منفی تھا اسلئے جب اخوند خراسانی مشروطیت کی تحریک میں مصروف ہو گئے تو یہ الگ ہو گئے اور ۱۳۲۷ ہجری قمری مدرسہ میرزا حاجی خلیلی کو جہاں پر تحریک مشروطہ کا اجتماع ہوتا تھا، چھوڑ دیا اور مدرسہ سید جو کہ اس وقت آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی نے بنایا تھا اور وہ تحریک مشروطہ کے مخالف مرجع بھی تھے اور میرزا ابو القاسم شیروانی کی مدیریت اور ان کے تعان سے چل رہا تھا وہاں چلے گئے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اس

[1] مراۃ الشرق، نقبا البشر، عزت شیعہ

مدرسہ میں جا کر سکونت اختیار کی۔ بہت سارے طلاب، فضلاء اور علمائے نجف نے آپ سے علمی استفادہ کیا جن میں ابو القاسم خوئی، سید شہاب الدین مرعشی، شیخ محمد تقی بہجت اور علامہ محمد تقی جعفری شامل ہیں۔ شیخ مرتضی طالقانی نے یکم محرم ۱۳۶۳ ہجری قمری ۹۹ سال کی عمر میں نجف اشرف میں وفات پائی۔

۸۲۔طاہر شمس، شیخ جلال

آیت اللہ حاج شیخ جلال طاہر شمس گلپایگانی (۱۳۰۶ تا ۱۳۷۴ء)گلپایگان کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور علوم دینی کیلئے مرحوم آیت اللہ حاج میرزا ہدایۃ اللہ وحید گلپایگانی سے استفادہ کیا اور پھر دو سال حوزہ علمیہ اراک میں رہے جہاں شیخ محمد سلطان العلماء آیت اللہ حاج شیخ محمد امام خوانساری سے بہرہ ور ہوئے ۔ اس کے بعد حوزہ علمیہ قم میں آگئے اور یہاں پر چار سال میں ابتدائی تعلیمی مراحل مکمل کرنے کے بعد درس خارج میں مشغول ہو گئے۔ سید تقی خوانساری، سید محمد حجت کوہ کمرہ ای، اوراسی طرح بروجردی، داماد، اراکی، امام خمینی، گلپایگانی ، بہاؤ الدینی اور علامہ طباطبائی کے فقہی، اصولی ، فلسفی اور تفسیری دروس میں شرکت کی اور دو سال نجف اشرف میں بھی درس میں شرکت کی۔ آیت اللہ طاہر شمس نے آغازِ تحصیل قم میں کیا، فقہ اور اصول کی تدریس بھی کرتے تھے تیس سال انہوں نے درس دیئے اور تحریک اسلامی ۱۳۴۲ء میں شروع ہوئے تو وہاں حوزہ کے مدرسین سے مل کر جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کی تشکیل کی اور انقلاب اسلامی کے بعد مدیریت حوزہ علمیہ قم کی مجلس مشاورت کے رکن بھی بنے اور اسی طرح مجلس خبرگان رہبری کے بھی مرکزی نمائندہ کے طور پر منتخب ہو ئے۔ جامع احادیث الشیعہ کی تالیف میں شریک علماء کے بھی رکن تھے اور ہیئت علمی کنگرہ بزرگداشت شیخ انصاری اور دیگر علمی ان میں بھی آپ شریک رہے۔

۶۸ سال کی عمر میں ایک حادثہ کے نتیجے میں وفات پائی اور صحن حرم مطہر بی بی فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا میں سپرد خاک کیا گیا۔

۸۳۔ طباطبائی یزدی، سید محمد کاظم

آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی (۱۲۴۸ تا ۱۳۳۷ ہجری قمری) یزد کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ یزد کے حوزہ علمیہ دومنار میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر وہاں کے بڑے علماء جیسے ملا محمد ابراہیم اردکانی، زین العابدین عقدائی اور ملا ہادی یزدی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اصفہان تشریف لے گئے اور وہاں شیخ محمد باقر نجفی، سید محمد باقر موسوی خوانساری، شیخ محمد جعفر آبادہ ای کے پاس حاضر ہوئے۔ ۱۲۸۱ ہجری قمری میں نجف اشرف تشریف لے گئے جہاں بزرگ علما کے دروس میں شرکت کی جیسے میرزا محمد حسن شیرازی، شیخ راضی، شیخ مہدی جعفری اور شیخ مہدی آل کاشف الغطا وغیرہ۔ اس دوران تدریس بھی کرتے رہے۔ آپ نے بہت سارے شاگردوں کی تربیت بھی کی۔ اخوند خراسانی کی وفات کے بعد آپ مرجع تشیع جہان بن گئے۔

دسیوں عظیم نامور فقیہ آپ نے تربیت کئے اور ایک عظیم کتاب "عروۃ الوثقی" لکھی جو اس وقت درسی کتب میں شامل ہے اس پر بہت سارے حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔ درس خارج بھی اسی کتاب پر ہوتا ہے۔ سید محمد کاظم یزدی نے ۱۳۳۷ ہجری قمری میں وفات پائی اور صحن امام علی علیہ السلام میں دفن ہوئے۔[1]

۸۴۔ طبرسی، فضل بن حسن

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی (۴۶۸ تا ۵۴۸ ہجری قمری) کا تعلق تفرش سے تھا۔ قم، رَی اور خراسان (جن میں طوس، نیشاپور، مشہد رضوی اور بیہق شامل ہیں) سے

[1] اعیان الشیعہ، فوائد رضویہ، معارف الرجال، مراۃ الشرق، جرعہ ای دریا

علوم اسلامی بڑے بڑے اساتذہ سے حاصل کئے جن میں ابو علی طوسی جعفر بن محمد دوریستی، عبد الجبار مقری نیشاپوری، عبد اللہ قشیری، حسن بن بابویہ قمی اور ابو الحسن عبید اللہ محمد بیہقی سے کسب فیض کیا۔ ۵۲۳ ہجری قمری ۵۴ سال کی عمر میں سبزوار گئے اور وہاں تدریس دین میں مصروف ہوگئے بہت سارے شاگرد تربیت کئے جن میں رضی الدین طبرسی، شیخ منتجب الدین قمی، شادان بن جبرئیل قمی، عبد اللہ بن جعفر دوریستی، ضیا الدین فضل اللہ راوندی، سید شرف شاہ حسینی افطسی نیشاپوری و برھان الدین قزوینی ہمدانی جیسے شاگرد تربیت کئے۔

آپ کی مشہور کتب میں اسرار الامامۃ، جوامع الجامع، اعلام الوری بااعلام الھدی، مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار، مجمع البیان، العمدۃ والکافی الشافی وغیرہ شامل ہیں۔ ۵۴۸ ہجری قمری سبزوار میں وفات پائی، مشہد مقدس حرم امام رضا علیہ السلام کے نزدیک خیابان طبرسی میں مدفون ہیں۔

۸۵۔ عبد الحمید عثمانی (سلطان عبد الحمید دوم)

عبد الحمید دوم تینتالیسویں عثمانی بادشاہ تھے ان کی حکومت کا دورانیہ ۱۸۷۶ سے ۱۹۰۹ ء تک ہے۔ ان کے صدر اعظم نے مشروطیت اور مجلس قانون گذاری کی بنیاد رکھی۔ جدید قانون اساسی میں افراد کی آزادی کی ضمانت دی گئی البتہ اب بھی بنیادی اختیارات بادشاہت کے پاس تھے ۔ عبد الحمید نے شروع میں تو قانون اساسی کی موافقت نہ کی بلکہ ۱۸۷۸ میں پارلیمنٹ کو توڑ دیا اور اپنی استبدادی اور ظالمانہ حکومت کی۔ سلطان عبد الحمید نےمدارس بنائے ، مساجد بنائیں۔مرکز قائم کیا اور مملکت عثمانی کی ترقی کے لئے بہت زیادہ اقدامات کئے اور اپنے سیاسی مخالفین کو سختی سے قتل کیا جن میں سید جمال الدین اسد آبادی بھی شامل تھے اور یہ سب امور سبب بنے کہ عثمانی سلطنت کو زوال آگیا۔ [1]

[1] تاریخ امپراتوری عثمانی، ترجمہ: محمود رمضان زادہ

۸۶۔ عبدالناصر جمال

کرنل جمال عبد الناصر (۱۹۱۸ تا ۱۹۷۰ء) نے ۱۹۵۴ء میں ایک عسکری انقلاب کے ذریعہ مصر کی حکومت پر قبضہ کیا اور آخری عمر تک مصر کے صدر رہے۔ نیشنلسٹ تھے۔انہوں نے عرب ازم اور ناصر ازم کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۵۰ سے ۱۹۶۰ تک ان کے بہت سارے لوگ حامی تھے ، ان کی موت کو کئی سال گزر گئے لیکن ابھی بھی عربوں میں ان کے حامی موجود ہیں۔ ان کے اہم سیاسی اقدامات میں چھ روزہ اسرائیل کے خلاف جنگ کی کمان سنبھالنااور چند عرب ممالک کو ملا کر ایک متحدہ عربی جمہوریت تشکیل دینا ہے۔ عبد الناصر کو ۱۹۵۶ حادثہ پیش آیا (جوبظاہر ایک ڈرامہ تھا) جس میں وہ صحیح سالم رہے اور اسی کو بہانہ بنا کر اس نے اپنے سیاسی مخالفین کا قلع قمع کیا اور اخوان المسلمین کے بعض قائدین کو مار دیا اور ۱۹۶۷ء اسرائیل سے جنگ میں شکست کھا گیا۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۰ء دل کا دورہ پڑا اور مر گیا۔[1]

۸۷۔ عثمان طٰہٰ

عثمان بن عبدہ بن حسین بن طٰہٰ ہم عصر شام کا خوش نویس اور قرآن مجید کا بہت بڑا کاتب ہے۔ ۱۹۳۲ء میں حلب کے شمال میں ایک بستی میں پیدا ہوئے اس کے والد شیخ عبدہ حسین طٰہٰ حلب میں ایک مسجد کے خطیب اور قرآن کے بڑے کاتبوں میں سے تھے۔

عثمان طٰہٰ نے عربی ادبیات اور خوش نویسی کی تعلیم حلب سے حاصل کی ۔ دمشق کی یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں اسلامی شریعت میں ایم اے کی سند حاصل کی۔ حلب میں اپنے والد ، محمد علی المولوی ،ابراہیم الرفاعی سے اور دمشق میں محمد بدوی الدیرانی ہاشم بغدادی سے خوش نویسی سیکھی اور پہلی کتابت ان کے ذریعہ ۱۹۷۰ء میں ہوئی جسے وزارت اوقات نے نشر کیا ۔ اس میں تمام صفحات کا آیت سے آغاز ہوتا ہے۔۱۹۷۳ء سے تدریس کی سند اپنے استاد حامد الامدی سے حاصل کی جو جہان اسلام کے برجستہ خوش نویس تھے۔ ۱۹۸۸ء میں عازم

[1] تاریخ جمعیت اخوان المسلمین ج ۱، ترجمہ خسروشاہی

مدینہ منورہ ہوئے اور اس وقت تک انہوں نے چار قرآن کی کتابت کرلی تھی جو مصاحف مدینہ کے نام سے مشہور ہیں۔عثمان طہٰ اہل بیتؑ سے بہت محبت رکھتا ہے اور فارسی زبان سے بھی آگاہ ہے اور خط فارسی سے بھی۔ اس کے سات بیٹے ہیں جو مدینے میں رہتے ہیں اور مجمع الملک فہد میں خطاطی کے بڑے استاد ہیں۔[1]

۸۸۔ عراقی (اراکی)، آقاضیاالدین

ضیاالدین علی عراقی (اراکی) (۱۲۷۸ تا ۱۳۶۱ ہجری قمری) سلطان آباد (اراک) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی ملا محمد کبیر سلطان آبادی اس شہر کے علماء میں سے تھے، ابتدائی علوم وہیں سے حاصل کئے ۱۳۰۲ ق میں اصفہان پہنچے وہاں بزرگ اساتذہ کے پاس رہے، آپ نے سید ہاشم چھار سوقی، میرزا جھانگیر خان قشقائی، ابو المعالی کلباسی اور ملا محمد کاشی سے تعلیم لی اور وہاں سے ۱۳۰۷ ہجری قمری میں عراق کی جانب ہجرت کی،پہلے سامرا میں پھر نجف میں اور وہاں کے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں میرزا حبیب اللہ رشتی، میرزا حسین خلیلی، آخوند خراسانی، سید کاظم طباطبائی یزدی، شیخ الشریعہ اصفہانی، سید محمد فشارکی اور میرزا ابراہیم محلاتی شیرازی شامل ہیں۔

آپ نجف کے برجستہ مدرسین میں سے تھے اور بہت سارے شاگرد تربیت کئے جن میں سید محسن حکیم، سید ابو القاسم خوئی ، سید محمود شاہرودی، سید عبد الھادی شیرازی، سید محمد تقی اور سید احمد خوانساری، سید محمد رضاگلپایگانی، سید شھاب الدین مرعشی، میرزا ہاشم آملی، محمد تقی بہجت، سید ھادی میلانی اور سید صدر الدین صدر شامل ہیں۔

اور آپ کی کتابوں میں استصحاب العدم الازلی، احکام الرضاع ، البیع، تعاقب الایدی، حجیۃ القطع، فروغ العلم الاجمالی، مقالات الاصول، الشرط المتاخر، قاعدۃ الحرج، اللباس المشکوک و

[1] رسم الخط مصحف، بررسی رسم الخط عثمان طہٰ

قاعدۃ لا ضرر شامل ہیں۔آپ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۶۱ ہجری قمری نجف اشرف میں انتقال کر گئے ، حرم امام علی علیہ السلام میں آپ مدفون ہیں۔

۸۹۔ عراقی (اراکی)، شیخ عبدالنبی

آیت اللہ شیخ عبد النبی اراکی (۱۳۰۷ تا ۱۳۸۵ ہجری قمری) ایک قصبہ وَفَس اراک میں پیدا ہوئے۔ اسی قصبہ میں ابتدائی تعلیم لی۔ دو سال کیلئے حوزہ علمیہ ہمدان چلے گئے۔ اراک میں درس خارج آقا نورالدین عراقی، میرزا محمد علی خان اور میرزا ابو الحسن سے حاصل کیا۔

۱۳۲۷ ہجری میں نجف اشرف چلے گئے وہاں سید محسن عراقی، آخوند خراسانی، شیخ الشریعہ اصفہانی، آقا ضیاالدین عراقی، شیخ علی قوچانی، شیخ مہدی مازندرانی، میرزا حسن نائینی اور میرزا علی آقا قاضی سے کسب علم اور اخلاق کا درس لیا۔

مرحوم عراقی ۱۳۴۰ ہجری میں واپس ایران آئے ایک سال حوزہ علمیہ اراک میں تدریس کی اور پھر ابو الحسن اصفہانی کی دعوت پر نجف اشرف واپس چلے گئے اور چند سال وہاں ٹھہرے اور تدریس کی اور پھر ۱۳۶۶ ق میں قم المقدسہ آگئے اور آخری عمر تک قم میں تدریس میں مصروف رہے اور شیخ عبد النبی عراقی نے ماہ رجب ۱۳۸۵ ہجری بمطابق آبان ۱۳۴۴ ق میں وفات پائی اور حضرت معصومہ سلام اللہ علیہاکے حرم مطہر میں دفن ہیں۔ [1]

۹۰۔علامہ حلی

علامہ حسن بن سدید الدین یوسف بن مطہر حلی (۶۴۸تا ۷۲۴ ہجری قمری) شہر حلہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے اپنے والد گرامی سے علوم تفسیر، حدیث و صرف اور نحو کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر اپنے ماموں نجم الدین حلی (محقق حلی)سے تعلیم حاصل کی۔ آپ

[1] پایگاہ مجازی، حوزہ

نے بزرگ اساتذہ جیسے خواجہ نصیر الدین طوسی، برھان الدین نسقی، محقق حلی، سید علی بن طاوس، ابن میثم بحرانی اور سید احمد بن موسیٰ طاووس سے مختلف علوم حاصل کئے اور علمی مدارج طے کئے، ۲۶ سال کی عمر میں فقہ و اصول میں مصروف ہوئے۔ علامہ حلی کا شمار بہت محنتی کامیاب فقہا میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی زیادہ شہرت کی وجہ وہ معروف فتویٰ تھا جس میں آپ نے اس طلاق کے بطلان کافتویٰ دیا جو الجایتو (سلطان محمد خدبند) نے اپنی پیاری بیوی کے لئے جاری کیا تھا۔ علامہ حلی نے کہا کہ تم نے جو طلاق دی ہے یہ طلاق باطل ہے۔ الجایتو نے اسی فتویٰ کی وجہ سے مذہب شیعہ اختیار کیا اور کہا کہ ۱۲ اماموں کے نام جمعہ کے خطبے میں پڑھے جائیں اور ایک وقت آیا کہ کرنسی بھی ان کے نام کی جاری کی۔ علامہ اپنے بیٹے کے ہمراہ مراغہ میں بہت عرصہ رہے۔ سلطانیہ (جو ایران میں منگول بادشاہ الجایتو کی حکومت کا مرکز تھا) میں باقی علماء کے ساتھ عقائدی بحثوں میں مناظرے کئے۔ آپ کی بہت ساری کتابیں ہیں اور مدارس ہیں، علامہ حلی ۷۸ سال کی عمر میں شہر حلہ میں وفات پاگئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا جنازہ نجف اشرف میں لایا گیا اور حرم امیر المومنین علی علیہ السلام میں دفن کیا گیا۔ [1]

۹۱۔علامہ طباطبائی، سید محمد حسین

آیت اللہ علامہ سید محمد حسین طباطبائی (۱۳۲۱بمطابق ۱۲۸۱ ہجری شمسی) تبریز میں پیدا ہوئے۔ تبریز کے ابتدائی چھ سال سکول میں گئے۔ آپ سید محمد حسین بہجت (شہریار شاعر) کے ہم کلاس تھے۔ آپ نے مقدماتی دروس حوزہ علمیہ تبریز میں مکمل کئے ۱۳۰۴ ہجری شمسی میں پچیس سال کی عمر میں بھائی کے ہمراہ نجف اشرف چلے گئے جہاں آیت اللہ کمرہ ای، حجت و سید علی آقا قاضی سے بہرہ مند ہوئے، مرحوم آقا سید علی قاضی کی شاگردی میں آپ نے عرفان و سلوک میں اعلیٰ درجات حاصل کئے۔

[1] مفاخر اسلام۔ ج ا

پھر بعض مادی مشکلات کے باعث ایران آگئے اور دو سال شاد آباد تبریز کی ایک بستی میں رہے۔ زراعت اور باغبانی میں مشغول رہے۔ البتہ ساتھ ساتھ تفکر اور سلوک کی منازل بھی طے کر رہے تھے پھر جب قم آئے تو ان کے گرد شاگرد جمع ہو گئے۔ تفسیر، عرفان، علوم عقلی وفلسفی میں بڑے بڑے علماء تربیت کئے جیسے محمد تقی جعفری، شہید مطہری، شہید بھشتی، علی سعادت پرور، حسن زادہ آملی اور عبد اللہ جوادی آملی وغیرہ۔

علامہ طباطبائی کے بہت ساری کتابیں ہیں جن میں مشہور تفسیر المیزان، تفسیر البیان (روائی) ہدایت الحکمۃ ، نہایۃ الحکمہ، اصول فلسفہ وریالیسم و شیعہ در اسلام شامل ہیں۔ ۸۱ سال کی عمر میں شہر قم میں وفات پائی اور حرم مطہر حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا میں مدفون ہیں۔[1]

۹۲۔ غروی، اصفہانی، شیخ محمد حسین

آیت اللہ شیخ محمد حسین غروی اصفہانی (۱۲۹۶ تا ۱۳۶۱ ہجری قمری) (ان کا مشہور لقب کمپانی ہے۔) کاظمین میں پیدا ہوئے ۔ ان کے اجداد نخجوانی تھے جو اصفہان سے تھے مگر بعد میں کاظمین ہجرت کر گئے۔

آیت اللہ غروی نے نجف میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کےاساتذہ میں شیخ حسن تویسرکانی، سید محمد طباطبائی فشارکی، حاج آقا رضا ہمدانی، آخوند خراسانی، حکیم محمد باقر اصطھباناتی اور شیخ احمد شیرازی وغیرہ شامل ہیں۔ وہیں تدریس فقہ و اصول میں مصروف ہو گئے اور بہت سارے شاگرد تربیت کئے جن میں سید حجت، سید حسین طباطبائی بروجردی، سید ہادی میلانی، سید ابو القاسم خوئی، شیخ ابو الفضل خوانساری، شیخ علی محمد بروجردی، شیخ عبد الحسین امینی، شیخ محمد رضا مظفر اور شیخ ابو الحسن شیرازی شامل ہیں۔

[1] مھر تابان، دریای عرفان

آیت اللہ غروی اصفہانی اعلیٰ فقہی ،عرفانی اور اخلاقی مقامات پر فائز تھے۔ ان کی اپنے شاگردوں ملاحسین قلی ہمدانی، میرزا جواد آقا ملکی تبریزی اور سید احمد سے خط و کتابت بھی تھی۔ غروی اصفہانی طویل عرصہ تک حوزہ علمیہ کربلا معلیٰ میں درس عرفان دیتے رہے اور یہ درس ان کے اپنے گھر میں ہوتا تھا۔ان کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں بحوث الاصول، نھایۃ الداریۃ، مکاتبات فلسفی و عرفانی، تفسیر قرآن و دیوان منفقر (دیوان کمپانی) مشہور ہیں۔ پانچ ذی الحجہ ۱۳۶۱ ہجری کو وفات پائی اور حرم امام علی علیہ السلام میں مدفون ہیں۔[1]

۹۳۔ غروی اصفہانی، میرزا مہدی

آیت اللہ محمد مہدی غروی اصفہانی (۱۳۰۳ تا۱۳۶۵ ہجری قمری)میرزا مہدی اصفہانی کے نام سے بھی مشہور ہیں ، اصفہان میں پیدا ہوئے ۔ مقدمات فقہ و اصول اسی شہر میں حاصل کئے۔ بارہ سال کی عمر میں نجف اشرف چلے گئے وہاں بزرگ اساتید کے پاس پڑھے جیسے میرزا حسین نائینی، آخوند خراسانی او سید محمد کاظم یزدی سے کسب فیض کیا اور سیر و سلوک عرفانی کے علوم سید احمد کربلائی سے حاصل کئے ۔جب ان کی آشنائی آیت اللہ اسماعیل صدر سے ہوئی تو ان کی راہنمائی سے انہوں نے سلوک کا راستہ اختیار کیا اور شیخ محمد بہاری اور سید علی آقا قاضی اور سید جمال گلپایگانی سے بہرہ مند ہوئے۔ نجف اشرف میں ایک دفعہ انہوں نے اپنا مشرب تبدیل کیا اور عرفان اور فلسفہ کی مخالفت میں آگئے۔اور وہاں سے مشہد آ گئے۔یہاں فقہ کے درس خارج کے علاوہ معارف کے دروس بھی پڑھاتے تھے جن کا مقصد انسانی مفاہیم ، فلسفہ و عرفانی تاویلات اور معارف اہل بیت میں فرق کو بیان کرنا تھا۔ اس طرح وہ مرکز تفکیک کے بانی اور مؤسس بن گئے ۔ اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے۔[2]

---

[1] علما معاصرین، فصل نامہ نور علم، شمارہ ۴۰، کیھان اندیشہ، ش ۶۲۔ دیوان کمپانی

[2] مکتب تفکیک، محمد رضا حکیمی، قم، دلیل ما، ۱۳۸۳ ش، ھشتم، تشابہ آرای میرزا مھدی اصفھانی اور شیخ احمد احسایی، سید محمد حسین حسینی طھرانی، مکتب تفکیک، کانون ایران پژوھشگران فلسفہ و حکمتم، باھمکاری غلام حسین ابراھیمی دینانی

۹۴۔ غزالی، محمد

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی (۴۵۰ تا ۵۰۵ ہجری قمری) مشہور مسلمان فلسفی اور دانشمند تھے۔ طوس کی ایک بستی طابران میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وہاں سے ہی حاصل کی اور پھر جرجان (گرگان) گئے۔ ۲۳ سال کی عمر میں نیشاپور آئے جہاں استاد الحرمین جوینی سے کسبِ فیض کیا اور ۳۴ سال کی عمر میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں تدریس کی کرسی پر براجمان ہوئے۔اس زمانے کے بزرگ ترین معلم و تربیت کے استادوں میں شمار ہوا۔ ۳۰۰ فاضل ان کے درس سے فیضیاب ہوئے بڑا علمی اور سیاسی مقام بھی تھا۔ اگرچہ اصلاحی معنوں مین ان کو فلسفیوں کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے تاہم وہ اپنے آپ کو فلسفی نہیں کہتے تھے بلکہ وہ فلسفہ اور فلاسفہ کے مخالف تھے۔ انہوں نے فلسفہ کسی استاد کے پاس نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے ۳ سال فلسفہ کامطالعہ کیاپھر کتاب ''مقاصد الفلاسفہ'' اور پھر ''تھافت الفلاسفہ'' لکھی۔ یہ کتب فلسفہ کے اوپر نقد اور رد پر لکھیں۔

جب مختلف فرقوں کے نظریات سے آگاہ ہوئے تو ۴۸۸ ہجری میں تصوف کے طریقہ سے جدائی اختیار کی اور بغداد سے حج کے لئے چلے گئے اور حج سے واپسی پر بیت المقدس میں ٹھہر گئے اور وہاں پر اپنی مشہور کتاب احیاء علوم الدین لکھی اور ایسی کتاب دنیائے اسلام میں کمتر ہی موجود ہے ۔ اس نے مسلمانوں کی سوچ اور زندگی پر بہت زیادہ اثر کیا۔ ان کی دیگر کتب میں کیمیائے سعادت ، نصیحۃ الملوک، معیار العلم، سر العالَمین اور یاقوت التاویل فی تفسیر التنزیل (۴۰ جلدیں) شامل ہیں اور امام غزالی کی تالیفات ۶۰ سے زیادہ ہیں۔ ۵۵ سال کی عمر میں طوس میں ہی وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔[1]

[1] دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی

۹۵۔ فاضل (حاج فاضل)، حاجی محمد علی

آیت اللہ حاجی محمد علی فاضل،(حاج فاضل) عصر حاضر کے مشہد کے مشہور علماء و مدرسین میں سے ہیں۔ اس عالم ربانی کے کمالات اب بھی عام لوگوں اور دانشمندوں کی زبانوں پر ہیں جو ان کی تقریروں سے مستفید ہوئے۔ ہم عصر علماء خراسان اپنے آپ کو ان کا شاگرد کہتے ہیں۔ انہوں نے سوموار کے دن ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۲ ق کو وفات پائی اور حرم رضوی میں دفن ہوئے۔ [1]

۹۶۔ فاضل شربیانی، محمد

آیت اللہ شیخ محمد فاضل شرَبیانی (۱۲۴۸تا ۱۳۲۲ ہجری قمری) تبریز کے علاقہ شرابیان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تبریز سے حاصل کی اور پھر نجف اشرف چلے گئے وہاں شیخ مرتضی انصاری، سید حسین کوہ کمرہ ای، میرزا علی علیاری اور میرزا محمد حسن شیرازی سے بہرہ مند ہوئے۔ سید علی آقا قاضی اور سید محمد حجت کوہ کمرہ ای آپ کے شاگردوں سے تھے۔ یہ برجستہ عالم آیت اللہ سید کوہ کمرہ ای کی وفات کے بعد کچھ عرصہ کیلئے حوزہ علمیہ نجف اشرف کے سربراہ بن گئے۔ حالت فقر میں رہتے تھے علامہ طباطبائی سے بیان ہوا ہے کہ بعض علماء نے مرحوم آخوند ملا حسین قلی ہمدانی کی روش عرفانی پر تنقید کی اور مرحوم شربیانی (جو اس وقت مرجع تقلید تھے) کی خدمت میں خط لکھا کہ ملا حسین قلی صوفی ہو گئے ہیں۔ مرحوم شربیانی نے یہ خط پڑھا اور خط کے نیچے لکھا کاش خداوند مجھے آخوند کی مانند صوفی قرار دے۔

انہوں نے امام زادگان کے مزارات کی زیارت کے لئے جانے کا فیصلہ کیا اور اس عمل پر شیعوں کو بھی متوجہ کیا کہ امام زادگان کی زیارت پر جانا بھی ایک اہم عمل ہےاور اسی دوران انہوں نے محرم کے دوران عزاداری کے لئے جو دستے نکلتے تھے ان کے راستوں میں

[1] گنجینہ دانشمندان جلد ۷

دکانیں بند کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سنت حسنہ کی بنیاد رکھی۔ آیت اللہ بہجت نے اپنے استاد سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ بہت حلیم تھے اور اگر کسی کو کچھ نہ بھی دے پاتے تو اس سے جاکر معذرت کرتے تھے۔ جب وہ کوفہ سے کربلا کی زیارت کے لئے جا رہے تھے تو بعض حاجات مند طلبا نے اس ان کو روک لیا۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا انہیں دے دیا۔ اور فقط تھوڑا سا خرچہ راستے کے لئے رکھ لیا اور طالب علموں کو بڑی شفقت کے ساتھ کہا کہ اگر خدا مجھے کچھ دے گا تو میں پھر آپ کو دوں گا۔ آغا کے خادم نے کہا کہ ان سے ناراض ہو جاؤ تاکہ یہ یہاں سے چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کیا کروں مجھے غصہ آتا ہی نہیں۔ ان کی کتابوں میں حاشیہ بر رسائل و مکاسب ، کتاب المتاجر، کتاب الصلاۃ اور سرح المعلقات السبع شامل ہیں۔[1]

۹۷۔ فشارکی، سید محمد

آیت اللہ سید محمد طباطبائی فشارکی (۱۲۵۳ تا ۱۳۱۶ ہجری قمری) اصفہان کے قصبہ فشارک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلم لینے کے بعد کربلا پہنچ گئے وہاں سید حسن طباطبائی اصفہانی (آقا سید محمد مجاہد کے بیٹے)اور فاضل اردگانی سے تعلیم حاصل کی اور نجف اشرف چلے گئے۔ میرزا شیرازی کے درس میں حاضر ہوئے اور میرزا شیرازی جب سامرہ تشریف لے گئے تو یہ بھی سامرہ چلے گئے اور آخر عمر تک میرزا کے درس میں شرکت کے ساتھ ساتھ تدریس بھی کرتے رہے۔ جب میرزا شیرازی وفات پا گئے تو سید محمد فشارکی نجف واپس آگئے اور نجف میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مرحوم فشارکی کے برجستہ شاگردوں میں شیخ عبد الکریم حائری کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جو سامرا میں کئی سال ان کے درس میں حاضر ہوتے رہے اور جب وہ نجف چلے گئے تو شیخ حائری بھی نجف آگئے اور فشارکی کے دیگر شاگردوں میں شہید حسن مدرس، شیخ محمد رضا مسجد شاہی، میرزا حسین نائینی، آقا ضیا الدین

---

[1] اجساد جاویدان، ریحانۃ الادب

عراقی، شیخ حسن عل نخودکی اصفہانی، شیخ محمد جواد بلاغی، شیخ حسن شوشتری کربلائی، سید محمد رضا، سید علی نجف آبادی، میرزا محمد تہرانی عسکری ، سید علی مدرس کوچک اور میرزا فخر الدین شامل ہیں۔

ان کی بہت ساری فقہ و اصول میں کتابیں ہیں ۔ ۱۳۱۶ ہجری قمری نجف میں وفات پائی اور حرم مطہر امیر المومنین علیہ السلام میں ایک کمرے میں دفن ہیں۔

۹۸۔ فہری، سید احمد

آیت اللہ سید احمد فہری زنجانی (۱۳۰۱ تا ۱۳۸۵ ہجری شمسی) زنجان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی علوم زنجان میں حاصل کئے ۱۶ سال کی عمر میں قم آگئے کچھ کتابیں یہاں پڑھیں اور ۱۳۲۰ ہجری شمسی میں نجف اشرف چلے گئے جہاں بڑے علماء سے تعلیم حاصل کی جن میں سید علی قاضی، سید ابو القاسم خوئی ، میرزا باقر زنجانی اور آقا جمال الدین گلپائیگانی شامل ہیں۔ ۱۳۳۰ میں ایران واپس آگئے۔ کئی سالوں تک کرمان شاہ میں امام جماعت رہے اور تبلیغ کرتے رہے ۔ ۱۳۴۵ء میں تہران آگئے اور دینی کتابوں کا عربی سے فارسی میں ترجمہ شروع کیا ۔ امام خمینی کی چدن عربی کتب کے علاوہ لہوف ابن طاووس، خصال شیخ صدوق اور کتاب الغیبہ نعمانی کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔

۱۳۶۰ ہجری شمسی میں امام خمینی کی نمائندگی میں شام اور لبنان چلے گئے وہاں تمام امور کو سنبھالتے تھے حوزہ علمیہ دمشق زینبیہ اور حرم حضرت رقیہؑ کی تعمیر نو کی۔ امام خمینی کا ہسپتال دمشق میں بنایا اور اسلام کی ترویج اور مذہب جعفری کی ترویج میں مصروف رہے۔ حرم سیدہ زینب سلام اللہ علیہا میں امام جمعہ و جماعت بھی تھے اور وہیں درس و تدریس بھی جاری رکھا اور بہت سارے شاگردوں کی تربیت کی اور آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ۔ امام رضا علیہ السلام کے حرم مطہر میں مدفون ہیں۔

۹۹۔ قاضی، آقا سید علی

آیت اللہ سید علی آقا قاضی طباطبائی (۱۲۸۵ تا ۱۳۶۶ ہجری قمری) تبریز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تبریز میں ہی حاصل کی اور پھر نجف اشرف چلے گئے، جہاں بڑے علماء کے پاس حاضر رہے جن میں آخوند ملا محمد کاظم خراسانی، میرزا فتح اللہ شریعت اصفہانی، میرزا حسین خلیلی تہرانی، سید محمد کاظم یزدی، شیخ محمد بہاری اور سید احمد کربلائی شامل ہیں۔ ان حضرات سے آپ نے فقہ و اصول اور عرفان کی تعلیم حاصل کی ۔ آپ نے عظیم بڑے شاگرد بھی تربیت کیے جن میں میرزا ابراہیم سیستانی شریفی زابلی، آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی، شیخ محمد تقی بہجت، سید ابو القاسم خوئی، سید ہادی میلانی، شیخ عباس قوچانی اور سید عبد الکریم کشمیری شامل ہیں۔ آپ نے دعائے سمات کی شرح لکھی ہے اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کو دستور العمل اخلاقی عنایت کئے۔ آپ وادی السلام میں دفن ہیں۔ [1]

۱۰۰۔ قدوسی، علی

شہید آیت اللہ علی قدوسی (۱۳۰۶ تا ۱۳۶۰ ہجری شمسی) شہر نہاوند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد علماء میں سے تھے اور آیت اللہ بروجردی کے نزدیک ان کا بہت اعلیٰ مقام تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۲۳ ہجری شمسی میں قم آگئے یہاں دینی علوم حاصل کئے اور مرتبہ اجتہاد حاصل کیا۔ فلسفہ کی تعلیم علامہ طباطبائی (صاحب تفسیر المیزان) سے حاصل کی آپ طباطبائی کے داماد بھی تھے۔ حوزیہ علمیہ قم کے عظیم اساتذہ اور زعماء میں سے تھے۔ آیت اللہ قدوسی نے شاہ ایران کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اس میں پیش پیش تھے اور ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ق سے اس تحریک میں ابتدا کی اور ۱۳۴۵ ق میں گرفتار ہوئے اور آپ کو قزل قلعہ میں لے جایا گیا ۔ احیائے ثقافت اسلامی میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور ایک نئے

---

[1] سیمای فرزانگان، اسوہ عارفان، دریای عرفان، روح مجرد

طرز کے تعلیمی نظام اور سسٹم کی بنیاد رکھی ۔ آپ نے مظلوم آیت اللہ بہشتی کی تجویز پر مدرسہ علمیہ حقانی کی قم میں بنیاد رکھی۔ اور ایک نئے انداز سے تدریس کا سلسلہ شروع کیا ۔ آیت اللہ قدوسی انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد امام خمینیؒ کے حکم سے دادستان کل انقلاب بنے۔ آپ نے منصب قضاوت پر ۳۱ ماہ (یعنی دو سال ۷) ماہ ذمہ داری نبھائی اور عدالت میں ہونے والے بم دھماکے کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔ [1]

۱۰۱۔ قرنی گلپائیگانی، علی

حجۃ الاسلام والمسلمین علی قرنی گلپائیگانی (۱۳۳۳ تا ۱۴۱۸ ہجری قمری) گلپائیگان کے قصبہ گوگد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ادبیات عرب اور مقدمات علومِ دینی حاصل کئے۔ ۲۴ سال کی عمر میں ۱۳۵۷ ہجری قمری میں حوزہ علمیہ قم وارد ہوئے وہاں سطوح کی تعلیم آیت اللہ گلپائیگانی اور آستانہ مرعشی نجفی سے حاصل کی۔ پھر ۱۳۶۳ ہجری قمری میں نجف اشرف چلے گئے ۔ وہاں تین سال آیت اللہ خوئی اور محمد علی کاظمینی بروجردی کے فقہ و اصول کے درس خارج میں شرکت کی۔ ۱۳۶۶ ہجری قمری میں قم آگئے وہاں آیت اللہ بروجردی اور سید محمد تقی خوانساری سے استفادہ حاصل کیا اور پھر آیت اللہ بروجردی کے حکم سے علی شاہ عوض (شہریار) کی جانب تبلیغ کے لئے گئے اور چالیس سال وہاں پر تبلیغ دین کرتے رہےاور دینی اور اجتماعی امور کے ساتھ کتابیں بھی لکھیں منہاج الدموع اور منہاج الولایۃ، منہاج الجنان اور تحفۃ الرائد شامل ہیں۔ ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور امام زادہ اسماعیل کے قریب شہریار میں دفن ہوئے۔

[1] یادنامہ شہید قدوسی

۱۰۲۔ قزوینی، شیخ مجتبیٰ

آیت اللہ حاج شیخ مجتبیٰ قزوینی (۱۳۱۸ تا ۱۳۸۶ ہجری قمری) قزوین کے قصبہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پر لی اور پھر تہران آگئے۔ ۱۳۳۰ ہجری میں اپنے والد شیخ احمد تنکابنی قزوینی کے ہمراہ نجف تشریف لے گئے وہاں بزرگ علما سے تعلیم حاصل کی جن میں سید محمد کاظم یزدی، میرزا محمد تقی شیرازی اور میرزا حسین نائینی، شامل ہیں۔

☆☆☆☆☆